گُلشنِ کشمیر

مصنف

حمید اللہ حمید

شاندار پبلی کیشنز اینڈ پروڈکشنز
پلوامہ کشمیر

ہدیہ پرخلوص

محترم سلیم سالک صاحب

من جانب حمیداللہ حمید

گلشنِ کشمیر

سے

حمید اللہ حمید

اشاعت سال ۲۰۱۸ء

☆نام کتاب : گلشن کشمیر

☆مصنف : حمید اللہ حمید

☆کمپیوٹر کمپوزنگ: اشفاق مجید گابر پوری

☆چھاپ خانہ : جے کے آفسیٹ پریس دہلی

☆تعداد صفحات : ۳۰۴

☆تعدا کتب : ۱۱۰۰

☆قیمت : 350

☆سال اشاعت: 2018

ناشر : شاندار پبلکیشنز انیڈ پروڈکشنز سرینگر پلوامہ

فون نمبر : 9419086920

Email: huhamidshah@gamil.com

ملنے کا پتہ: ا۔ کتاب گھر متصل گورنمنٹ پریس بلڈنگ سرینگر

۲۔ گلشن پبلشرز ریڈلنس روڈ سرینگر

۳۔ مکتب دارلعلوم رحمیہ بانڈی پورہ

دالا ورفیق سفر نیک بخت خواست

(اے دل تیرے سفر کا تیرا نیک خواہ لضیب کافی ہے)

نسیم روضہ شیراز پیک راحت بس

(شیراز کے باغ کی نسیم تیرے لئے راستہ کا قاصد کافی ہے)

(فارسی شاعر شمس الدین حافظ شیرازی)

انتساب

☆ موسی حلیمہ بانو فوت ستمبر ۱۹۵۷ عمر ۲۳ سال

☆ والد غلام نبی ظہور (شاعر وطن) فوت یکم مارچ ۱۹۸۲ء عمر ۵۶ سال

☆ ماں فاطمہ بیگم فوت ۴ جنوری ۲۰۰۷ عمر ۷۵ سال

☆ چاچا محمد طیب شاہ بزرگ صاحب قرآن ۷ جنوری ۲۰۱۷ عمر ۸۶ سال

کے نام

جن کے انتقال کی کسک دل میں ہو کر کبھی کبھی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھی بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں (غالب)

بسمہ اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی بات

اللہ کا لاکھ شکر کہ یہ کتاب کئی مراحل کو طے کر کے تیار ہو گئی۔ جولائی سے اکتوبر ۲۰۱۶ء نا مساعد حالات کشمیر کی وجہ سے پیدل سفر بھی کاٹنے پڑے مگر مصمم ارادہ سے معلومات حاصل کرتا رہا کتاب کیلئے مواد جمع کرنے ، لکھنے اور کمپیوزنگ کرا کے پروف ریڈنگ کیلئے مصنف کو خون جگر پسینا پڑتا ہے کتنے اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں وہ تو کتاب تیار کرنے والے ہی جانتے ہیں۔

کتاب کیلئے مواد جمع دوران سخت ذہنی دباؤ مشقت پر گھرانہ نے کچھ ہمدردی کے طور تنقید کی مگر عشق کے جذبہ کو کیا کریں یہ الہامی معاملہ تھا کہ اگر کشمیر پر کتاب لکھنی ہی ہے تو اپنے منتخب ناموں کو پرے چھوڑ کر ''گلشن کشمیر'' نام رکھو۔

اگست ۲۰۱۶ کے تیسرے ہفتے سرینگر ہسپتال داخلہ کے بعد کوما میں ہفتہ رہنا اور پھر دو ہفتہ UNCONCIOUS ہو جانا کتنا پھیانک معاملہ رہا یہ میرے دو عزیز شوکت اور طارق جانتے ہیں کہ اسلئے گھر والے ٹوکتے رہے سماجی ادبی معاملات میں زیادہ الجھ کر صحت برباد نہ کرو۔

راقم کے لڑکپن سے مختلف نوعیت کے مضامین اخبارات رسائل میں شائع ہوتے رہے اور بیسویں ریڈیو پروگرام مدعا مقصد کی سماج کی قلم سے خدمت ملے۔ دوسمبر

دسمبر ۱۹۹۶ء کشمیری میں پاٹی وردن (کلام غلام نبی ظہور) کو کلچرل اکیڈمی کے مال امداد سے شائع کرانا۔ دسمبر ۲۰۰۱ء رحمت عید عنوان کی کتاب لکھی۔ ۲۰۰۶ء میں آئینہ لداخ منظر عام پر آ کر لداخ میں زیادہ مقبول عام ہوئی۔ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء کو لداخ کے قوس قزاح چھپ کر علسی ادبی سماجی حلقوں میں متعارف ہونے لگی ہیں۔

اس کتاب گلشن کشمیر کی تیار کرنا اسطرح ممکن ہوسکا کہ بین الاقوامی بزرگ روحانی ہستی کی اجازت اور دعائیں شامل حال رہیں۔

کتاب کی تیاری میں اشفاق مجید گابر پوری نے کافی خلوص مندی سے کام لیا۔ کمپوزنگ کتابت کیلئے سرگرم عمل رہا۔ میں ایسے اصحاب کا ممنون ہوں جنہوں نے مختلف مقامات کے گھومنے کے دوران معلومات فراہم کیئے۔ اس کتاب کے متعلق رائے کا منتظر رہوں گا۔

پلوامہ
۳۱ مارچ ۲۰۱۸
وقت بعد فجر

حمید اللہ حمیدؔ
بیت الظہور
تملہ ہال
ضلع پلوامہ ڈاکخانہ ٹہاب کشمیر ۱۹۲۳۰۱

کلچرل اکیڈمی کا مالی تعاون

اس کتاب کی طباعت کیلئے جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز سے کچھ مالی امداد حاصل کی گئی ہے۔ جس کا میں مشکور ہوں کتاب میں ظاہر کی گئی آراء سے کلچرل اکیڈمی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس ضمن میں کلچرل اکیڈمی پر کوئی ذمہ داری عاید ہوگئی

حمید اللہ حمید

حصّہ شخصیات

حمیداللہ حمید

فہرست

حمیداللہ حمید کی غیر مطبوعہ کتاب

لداخ کے قیام کے دوران

۱۔ تصویر لداخ دو حصے (رنگین تعاویر سمیت)

۲۔ the coldes desert Land Ladak

۳۔ رحمت سفر (باتصور) باقی صفہ ۱۳ پر

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

وادی کشمیر میں حضرت میر سید علی ہمدان رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ گہری عقیدت محبت اور الفت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انکی بدولت جوق در جوق غیر مسلم اسلام کی جاذب راغب ہوئے اور مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ ان کے ہمراہ آئے سات سو سادات نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں دین اسلام کی اشاعت کی۔ اسی کے دور میں یہاں کاریگری کو بڑھاوا ملا۔ اقتصادی حالت میں بہتری آئی۔ انہیں امیر کبیر کا خطاب دیا گیا۔ کفر و شرک پر غلبہ پانے کیلئے ہی انہوں نے کشمیر میں نماز فجر کے بعد مساجد میں اوراد فتحیہ پڑھنے کو رائج کیا۔

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کا درجہ اُونچے اولیاء کرام میں آتا ہے آپ کو کشمیر میں بانی مسلمانی کہا جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے ان کے بارے میں کہا۔

سید السادات سالار عجم دست او معمار تقدیر امم

تا غزالی ذکر اللہ ہو گرفت ذکر و فکر از دُور مانش او گرفت

یک نگاہ او کشاید صد گرہ خیر تیرش را بدل راہے بدہ

ان کی حیات اور کارناموں کا تذکرہ کشمیر میں مختلف دور کے مصنفوں نے کہا ہے

اگر یوں کہا جائے کہ حضرت امیر کبیر کے متعلق لکھی کتابیں اور مضامین باقی اولیاء کے مقابلے میں اوّل نمبر پر ہیں۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ انکے تئیں خراج عقیدت اور منقبت بھی بے شمار شعراء کشمیر نے لکھا ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ بروز دوشنبہ (پیر) دن کے بارہ بجے ۱۲ رجب المرجب ۷۱۴ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء کو ایران کے شہر ہمدان میں تولد ہوئے۔ والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ اور والد ماجد کا نام سید شہاب الدین ابن سید محمد حسینی تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت محمد حسین کے ذریعے شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہ سے ملتا ہے چونکہ والد گرامی شہر کے نامور رئیس و امیر تھے اسلئے بادشاہی دربار میں خاصا درجہ ساتھ ہی بلند پایہ کے عالم تھے۔

حضرت امیر کبیر نے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ تصوف اور معرفت کی تعلیم حضرت سید علاء الدین سمنانی (ماموں) سے حاصل کیا۔ انکے ذریعہ حدیث، تفسیر فقہ اور عقاید کی تعلیم سیکھی۔ پہلے شیخ ابوالبرکات فقی الدین بستیؒ کے مرید ہوئے انکی وفات کے بعد رے علاقہ جا کر شیخ شرف الدین مزدقانیؒ کے مرید ہوئے۔ انکے ساتھ گہرا قلبی تھا۔ خود فرماتے ہیں۔ میں شیخ مزدقیانی کیلئے بیت الخلاء میں مٹی کے ڈھیلے رکھنے سے پہلے ماتھے کے ساتھ ملتا تھا۔ ماتھے پر رگڑتے رگڑتے گوشت پوست اُڑ گیا اور ہڈیاں نظر آنے لگیں مگر ٹوپی سے چھپانے کی کوشش کرتا۔ ایک مرتبہ و مرشد اپنی روحانی بصیرت

سیے اس پر آگاہ ہوئے فرمایا! اسے سید اپنے کو اتنا تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر خدمت کرنا ہی چاہئے ہو تو خانقاہ کے درویشوں کیلئے طہارت کیلئے پانی لایا کرد۔ پھر میں نے کافی وقت تک یہ خدمت انجام دی۔

شیخ مزدقانی کا خیال تھا کہ حضرت امیر کبیر اپنی روحانی تعلیم کی تکمیل زیادہ سے زیادہ سفر کے ذریعہ کریں اسلئے پیر مرشد کے ارشاد پر ۲۱ سال تک دُنیا کے ممالک کا سفر کیا۔ اس دوران زمانے کے بڑے صوفیاء اور علماء سے ملاقات کی جن کی تعداد ہزاروں ہار ہی۔ مشائخ اور علما کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرتے تھے امیر تیمور آپکی روحانیت اور علمی تجربہ سے متاثر ہو کر آپکا عقیدت بن گیا۔

کشمیر آنے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کو حالات اور راستہ معلوم کرنے کیلئے بھجا۔ سمنانیؒ کولگام میں قیام پذیر رہے ادھر ہی انتقال فرما کر مدفون ہوئے جبکہ ان کا اہل وعیال کولگام کے مشرق جانب آمنو میں مدفون ہے۔

حضرت ہمدانؒ سلطان شہاب الدین کے دور ۷۷۴ھ مطابق ۱۳۷۲ھ کشمیر آئے پیر پنچال کے راستے شوپیان سے داخل ہوئے۔ سات سو سادات ساتھ تھے۔ سرینگر پہنچکر دریائے جہلم کنارے کالاشوری مندر کے تردیک عبادت دوریاضت کیلئے قیام فرمایا۔ روحانی کمالات اور تبلیغ کے اثر سے ہزاروں ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے چھ ماہ قیام کے بعد آپ حج بیت اللہ تشریف لے گئے پھر ۷۸۱ء میں سلطان قطب الدین کے

دور میں کشمیر آئے۔ بارہمولہ، سوپو، ہندواڑہ، کرنا، ترال، مٹن مابوں، ڈورو، شاہ آباد کولگام، شوپیان اور وچی علاقہ جات میں اسلامی تبلیغ کا دورہ کرتے رہے۔ خانقاہیں اور مساجد تعمیر کرائیں ڈھائی برس قیام کے بعد لداخ، تبت، کاشغر، چین اور ترکستان کا دورہ کر کے وطن ختلان گئے۔ تیسری مرتبہ ۱۳۸۳ء میں کشمیر تشریف لائے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے بطرف پھکلی روانہ ہوئے گنار کی جگہ آپ نے ۵ دی الالج بروز چہار شنبہ (بدھ وار) ۷۸۶ھ داعی احل کو لبیک کہا۔ آپکے مریدوں نے تابوت جگہ جگہ پہنچا کر ۲۵ جمادی الآخر ختلان میں پہنچایا۔ آپکے خاندان قبرستان بمقام کولاب دفن کیا گیا۔

حضرت امیر کبیر کو ظاہری دباطنی کمالات میں کافی دسترس حاصل تھی۔ مُفسر و محدث تھے ناثر اور شاعر تھے۔ دوسو کتابیں تحریر فرمائیں۔ ذخیرۃ الملوک، اورادفیتحہ، چہل اسرار۔ تذکرہ السالکین، روضتہ الفردوس آداب المریدین، مکتوبات درمعرفت صورت وسیعت انسان علم القیافیہ، رسالہ اصلاحات وغیرہ مقبول ہیں۔

اگر چہ حضرت کا تعلق سلسلہ کبرُ ویہ سے تھا جسکے بانی حضرت شیخ نجم الدین کبری تھے۔ جو کہ شافعی تھے اور امیر کبیر بھی شافعی مسلک کے تھے کشمیر میں انہوں نے پیش رو مبلغ اسلام سید شرف الدین عبدالرحمان (بلبل شاہ) کے حنفی مسلک کو اختیار کر کے دین اسلام کی اشاعت اور وعبادات کی تعلیم وتبلیغ کی۔ یہ ان کی عالی حوصلگی اور دینی فراست کا

کافی ثبوت ہے۔

سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے جہاں آپ نے عبادت وریاضت کی اور وقت گذارا۔۷۹۸ھ بمطابق ۱۳۹۵ء خانقاہ معلّی تعمیر ہوئی۔ جسکے جنوب جانب قبرستان واقع ہے صحن میں کافی تاریخی جلسے ہوئے ہیں۔ یہاں عقیدت مند آتے رہتے ہیں۔ روحانیت اور سکون پاتے ہیں۔

سرینگر جون ۱۹۹۷ء

☆☆☆☆☆☆☆

مصنف کی باقی غیر مطبوعہ کتابیں

۴۔ موم کا پھتر (منظوم) ۵۔ رُوٹھا پریم ناول ۶۔ تین سال لداخ کی ڈائری

کشمیر میں تحریر قلمی کتابیں

۱۔ ۱۹۸۸ء گلشن کشمیر اور ۲۔ ۱۹۹۶ء زندگی اور ادب ۳۔ ۲۰۰۱ء رہبر

۴۔ ۲۰۱۴ء اسرار کشمیر ۵۔ ۱۹۸۶ء + ۲۰۰۴ ٹوٹھ مانچھ (کشمیری منظوم)

۶۔ ۲۰۱۷ء کہکشان ۷۔ ۲۰۱۷ء شاندار ستارہ ۸۔ ۲۰۱۷ء شان کشمیر

۸۔ ۲۰۱۷ء شاداب کشمیر (مرسلہ فاطمہ شوکت عایشہ شوکت)

حضرت میر سید علی ہمدانی کا دورۂ کشمیر

میر سید علی ہمدانی ۷۷۴ھ میں پہلی بار کشمیر رونق افروز ہوئے۔ بعض مورخین نے آپ کی پہلی تشریف آوری ۷۴۰ھ رقم کی ہے۔ اُس زمانے میں شاہ میر کشمیر کا حکمران تھا جبکہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے بھی ۷۴۰ھ غلط ہے۔ رسالہ مکتوبات کے مطابق آپ نے ماتاہر سونی کے مکان میں اقامت فرمائی۔ آپ نے کشمیر کے قدرتی نظاروں، آبشاروں، ترنم ریز ندی نالوں، چشموں، دریاؤں اور فلک بوس برف پوش کوہساروں، ہرے بھرے لہلہاتے سبزاروں کو دیکھ کر اسے شمالی ایران سے مشابہت دیتے ہوئے ایران صغیر کہا جبکہ قدیم زمانے میں ایرانی کشمیر کو ''دبستی سرہ'' (اونچی آبادی والی بستی) کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس زمانے میں کشمیر کا حکمران سلطان شہاب الدین تھا۔ چونکہ وہ فیروز شاہ تغلق سے فیروز پور پنجاب میں نبرد آزما تھا۔ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی تشریف آوری پر نائب سلطنت قطب الدین نے آپ کو والہانہ استقبال کیا۔ کچھ مدت یہاں قیام کے بعد آپ فیروز پور تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی سعی جمیلہ سے دونوں بادشاہوں کے مابین صلح ہوئی۔ سرہند (پنجاب) دونوں سلطنتوں کے دومیان سرحد ٹھہری۔ وہیں سے آپ نے ختلان مراجعت کی۔ اُس زمانے میں کشمیر کی خود مختار حکومت میں سارا صوبہ سرحد (جواب پاکستان کا حصہ ہے) اور مشترکہ

مراجعت کے بیشتر علاقے شامل تھے۔ صلح و دوستی کے رشتہ کو پائیدار اور استوار رکھنے کی خاطر دستور کے مطابق فیروز شاہ تغلق کی تین صاجزادیوں کا نکاح سلطان کے تین رشتہ داروں سے، جن میں سلطان کا بٹیا، ولی عہد قطب الدین اور میر سید حسین سمنانیؒ جنہوں نے شاہان کشمیر سے ماقبل رشتہ جوڑا تھا۔ کے فرزند سید حسین بہادر جو سلطان شہاب الدین کی فوج کا سپہ سالار تھا، سے ہوا۔

آپ بیس برس تک مسلسل سفر کرتے رہے اور ۱۳۵۲ء میں ہمدان مراجعت ہوئے۔ آپ اپنی ازدواجی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میرے معلم رہنما اور مرشد جناب شیخ محمود مزدقانی قدس سرہ عظیم متصوف تھے۔ میں نے بھی اُن کی پیروی میں مجرد رہنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس علاقہ کے مکینون نے مجھے ازدواجی بندھن میں باندھا۔ آپ کی اولاد میں ایک فرزند جناب سید ہمدانیؒ اور ایک دختر تھی جن کا عقد امیر اارام شاہ کے فرزند خواجہ اسحاق ختلانیؒ سے ہوا۔

اس طرح حضرت امیر کبیرؒ نے ۷۵۳ھ سے ۷۷۳ھ تک ہمدان قیام فرمایا۔ مرید کی تربیت اور سالکانِ حقیقی کی رہنمائی کرتے رہے اور رسالہ ذخیرۃ الملوک، رسالہ شارک الذواق، حل الفصوص، رسالہ تلقیہ اور شرحِ اسماء حسنہ تسعیف کی۔ ساتھ ہی ختلان بھی جاتے رہے۔

۷۵۲ھ میں ابو مشرواں کی وفات کے بعد جب ایران میں انتشار، افراتفری،

طوائف الملو کی نے سر اٹھایا اور خانہ جنگی شروع ہوئی تو یہ ماحول آپ کہ طبیعت نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے ختلان میں مستقل بود و باش اختیار کی۔ تین ماہ بدخشاں میں بھی قیام کیا اور وہیں سے ختن تشریف لے گئے۔ جب قریہ علی شاہ واپس لوٹے۔ حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ واپسی پر قریہ علی شاہ میں مراجعت کی جہاں بدامنی اور عدم استحکام نے ڈیرہ ڈالا تھا اور امیر تیمور کے احتمالی حملہ کے تناظر میں قتل و غارت کی افواہوں کی گرم بازاری سے عوام الناس کے صبر و قرار مین خلل پڑ چکا تھا۔ اس بدامنی اور عدم تحفظ کے احساس سے آپ ختلان تشریف لے گئے اور نصف قریہ بارہ ہزار دینار مین خرید کر وقف فی سبیل اللہ کیا، ایک مسجد تعمیر کروائی جو دینی درس گاہ بھی تھی، اس کے ساتھ ایک کتب کا خانہ بھی قائم کیا۔ اور اپنی آخری آرام گاہ کے لیے یہی جگہ منتخب فرمائی۔ جس کی بناء پر آپ ختلان تاجکستان (جواب کولاب کہلاتا ہے) میں آسودۂ خاک کئے گئے۔ آپ کی سوانح حیات کے مختلف مراحل کا سرسری مطالعہ کرنے سے یہ برہنہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ آپ کی زندگی مشکلات سے اٹی ہوئی ہے، وعظ و تبلیغ کی مجلسوں میں تند و تیز فقرے سننے پڑے ہیں۔ جس کی اہم وجہ یہ تھی کہ آپ حق گوئی، بیبا کی اور اعلائے کلمہ حق میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بقول علامہ اقبال۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیبا کی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

رسالہ مکتوبات امیر یہ میں آپ فرماتے ہیں۔ ''یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی حق سخن کہے یا اظہارِ حق کے لیے کوشاں ہو تو لوگ اُس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔'' آپ کے مخالفوں اور آلام و مصائب میں گھیر نے والون میں حاکم اور بناوٹی علماء دونوں شامل تھے۔ دور کعت کے اماموں کو آپ کی ذات گرامی سے یہ تکلیف تھی کہ ان کے حلوے مانڈے کی دُکانداری آپ کے وجود کی وجہ سے ماند پڑ گئی تھی۔ بادشاہ حاکم اپنی حاہ و حشمت میں اضافے کی خاطر آپ کو اپنے درباروں مین بُلانے کے خواہش مند تھے۔ جب آپ بلا ضرورت جانے سے انکار فرماتے تھے تو وہ اپنے غیض وغضب اور متلون مزاجی کو آنچ دینے تھے۔ کشمیر میں اوراد فیتحہ کو صبح نماز کے بعد مساجد میں جہر سے پڑھنے کا فروغ دیا۔ آپ کے بت دُور سے سلسلہ میں آیا ہے اور ادفیتحہ وہ وظیفہ ہے کہ ۱۱۴ بزرگوں نے اسکو دیکھا ہے پھر مسجد بنوی کے چبوترے پر رکھ کر باطناً کشمیر لے جانے کی ہدایت ہوئی۔

چہل اسراران کی دوسری تصیف ہے جو کافی اسرار والا ہے حضرت امیر کبیرؒ لداخ کے راستے واپس سیکیانگ چین گئے۔ ان کے متعلق لداخ کے بلودھوں میں بھی عقیدت ہے اور اترام ہے۔



حضرت میر سیّد محمد حسین سمنانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سیّد محمد سمنانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ کا نام بیبی صالحہ تھا۔ اصلی وطن تاجکستان میں قصبہ سمنان تھا۔ چالیس سال کی عمر میں کشمیر تشریف لائے۔ ان کی عمر ترہٹھ ۶۳ سال رہی۔ کولگام میں ان کا آستان عالیہ ہے۔ آمنوکولگام میں فرزند حضرت سیّد جعفر ماما سعید نورالدین پُرانے طرز کے مقبرے ہیں۔ ان کی اہلیہ بھی ادھر ہی مدفون ہے یہ جگہ کولگام کے آستان عالیہ سے جنوب جانب ایک میل دور دریائے ویشو کے کنارے ہے۔ ان کے ہمراہ انکے چچرے برادر سید حیدر مبارکی بھی آئے جو کولگام میں ان کے ہی آستان عالیہ میں مدفون ہین۔ حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کا یوم وصال ۱۱ ماہ شعبان المکرّم ۷۹۲ھ

ہے انکے آستان عالیہ کئی دن کو لنگر چالو رہتا ہے یہ کرم آستان مانا جاتا ہے درود واذ کار کی محفلیں گیارہ ایام رہتی ہیں۔ عقیدت منداور زائر گردونواح، پہاڑی علاقوں دینو کنڈی مرگ، قاضی گنڈ، علاقہ سن آڑونی کے لوگ آتے ہیں۔ چہل پہل رہتی ہے اس روز تبرکات کی نشاندہی نماز فجر کے بعد کی جاتی ہے۔ تبرکات میں ردائے پاک آنحضورﷺ مصطفےٰ اصلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سمنانیؒ کا کھڑاؤں ہے۔ ان کے نام پر کولگام میں سمنانیہ بازار، سمنانیہ ہائی سکول اور درسگاہ سمنانیہ ہے اس آستان کا علیحدہ اوقاف ہے۔

کوئی ٹھیکہ دار سال شروع ہوتے ہی پہلے ہی مقرر کردہ رقم سالانہ ادا کرتا ہے۔ شب ۱۱ اصفر المظفر دُرود و اذکار شب خوانی ہو کر اگلے روز نماز فجر اور نماز ظہر کے بعد تبرکات کے دیدار سے عقیدت مند بہرہ در ہوتے ہیں لنگر خاے میں مفت کھانے پینے کا انتظام رہتا ہے۔

حضرت سید حسینؒ دو مرتبہ کشمیر تشریف لائے ایک اپنے چچیرے بھائی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم پُر اور دوسری مرتبہ ایران کے شہر ہمدان اور سے اپنے اہل وعیال کو کشمیر لایا۔ ان کے ہمراہ اور حضرت سید تاج الدین بھی اسلام کی اشاعت کیلئے کشمیر آئے یہ سلطان شہاب الدین کا دور تھا۔ پیر پنچال پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے نالہ ویشو کے کنارے موضع آمنو کولگام میں زمین خرید لی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ علاقے میں وعظ تبلغ کرتے رہے۔ انہوں نے اس بستی کا نام کولگام ٹھہرایا۔

حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کی کشمیر تشریف آوری پیر پنچال کے بعد ہی حضرت امیر کبیر اسی راستے سے ہوئی کے بعد ہی حضرت امیر کبیر پیر پنچال کے راستے کشمیر داخل ہوئے اور چوگام شوپیان، ٹکرواور آری گام اور دیگر مقامات پر قیام پذیر رہے یہاں انکی یادگاری مساجد موجود ہیں بعد وہ سرینگر شہر داخل ہوئے۔

کولگام میں قیام پذیر رہنے کے دوران ہی کشتواڑ کے سلر سنز نے انکے ارشاد پر اسلام قبول کیا اور سالار الدین نام رکھا۔ انکے فرزند مادرزاد اولیاء۔ حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ بھی سمنانی صاحب کی تعلیم دارشار کے تابع ہو گئے۔ اپنے مُرشد کے احترام اور

عقیدت کے متعلق ان کی کافی روایات ہیں پیر د مرشد کا رشتہ اپنا مضبوط تھا کہ اگر شیخ کچھ روز پیر کے پاس نہ آتے تو حضرت پیدل چل کر خود ان سے ملنے کیموہ آتے۔

سمنانیؒ کے براد حضرت سید تاج الدین کے فرزند سید حسن ایک مشہور اور سپہ سالا جزل تھے جنہیں بہادری فوجی مہارت اور فتوحات کی بنا پر رستم ھندوستان کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ سلطان شہاب الدین نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔ حضرت تاج الدین اور ان کے فرزند نوٹہہ سرینگر کے نزدیک ملہ کھاہ کے ایک کونے میں مدفون ہیں اس جگہ تاریخی اور مقدس تعمیر کے ساتھ کشمیر کی قدیم ترین مسجد آج بھی آباد ہے۔

حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کے مرشد بزرگ شاہ رکن دین و عالم اور پیر صحبت سید حمبال الدین نجاری تھے ان دونوں کے کمالات اور اوحال بے شمار ہیں۔

کولگام ☆☆☆☆☆☆ اپریل ۱۹۹۱ء

مساجد کے معمار حضرت بابا نصیب الدین غازی

کشمیر میں ایسے اولیاء باہر سے آئے ہیں جنہوں نے ادھر ہی مکمل طور سکونت اختیار کی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ کے ہمراہ سات سو سادات سارے کشمیر میں پھیل گئے کچھ واعظ تبلیغ کرتے رہے کچھ غاروں گھماؤں میں ٹھہرے عبادت و چلہ کشی کرتے رہے اور کچھ لوگوں کے ساتھ گھل مل گئے اور اسلامی کاموں میں پیش پیش رہے۔ ان سب کا مقصد کشمیر میں داخل اسلام سے متعلق لوگوں کو راغب کرانا اور اسکی تعلیمات سے متعلق روشناس کرانا تھا اس دور کے بعد کچھ بزرگان دین کشمیر آئے جنہوں نے اسلامی خدمات کیلئے کافی کام کیا ان میں ایک کا نام حضرت بابا نصیب الدین غازی رحمتہ اللہ علیہ۔ اصل میں آپ کشمیر کے نہ تھے ان کی ولادت ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء ہوئی ۔کشمیر تشریف لا کر انہوں نے حضرت شیخ العالم شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح اور تعلیمات پر تحقیق شروع کیا اس وقت ان کو رحلت فرمائے ہوئے ایک سو اسی سال گذر ے تھے حضرت غازی نے فارسی میں ریشی نامہ لکھا۔ اپنے وقت کے صاحب کرامات اس ولی حضرت سلطان العارفیں کے سلسلہ روحانی سے بالواسط فیض یاب ہوئے۔ اولیاء عالم اور شاعر حضرت بابا داؤد خاکی کے خلیفہ ہوئے ۔حضرت غازی فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے اور تزکیہ نفس ایسا تھا کہ مسافر خانہ میں روزانہ پس بیل اور اس کے

برابر چاول بیس بھیڑ اور لاتعداد مرغے پکائے جاتے تھے مگر خود عمر گوشت کو ہاتھ نہ لگایا۔ حضرت غازی کے والد کا نام شیخ حسن رائی تھا کشمیر میں اسلامی خدمات اور فقیرانہ بسر کرنے پر حضرت غازی کو ابوالفقراء کا خطاب دیا گیا۔ انہوں نے رفاہ عامہ کے کاموں راستوں غسلخانوں اور بیت الخلاؤں کی تعمیر میں بڑا کام کیا مساجد کی تجدید کرائی۔ انہوں نے نہ صرف کشمیر میں مساجد تعمیر کرائیں بلکہ اسی کے دورے سے دمبالی شروع ہوئی دمبالی ایک ایسی کھیل کا نام ہے جس میں اچھل کود اور ناچ ہوتا ہے ایک روایت ہے کہ حضرت غازی اپنے ہمراہ فقیروں کی جماعت لے کر گاؤں گاؤں جاتے جو ضرورت کی جگہ پہنچکر دمبالی کرتے اور مسجد تعمیر کرتے۔ اس زمانے سے یہ رواج چالو ہے کہ جب بچپہاڑہ کے انکے آستان عالیہ میں عرس شروع ہوتا ہے تو بچپہاڑہ، آس پاس کے دیہات اور پنج گام گاؤں کے ان خاندانوں سے وابستہ بوڑھے جوان اور بچے گاؤں گاؤں گھومتے ہیں اور دمبالی کرتے ہیں ڈھولکی بجاتے ہیں ایک اٹھتا ہے اور اچھل کود کرتا ہے پھر دوسرا اٹھتا ہے جسمانی کرتب دکھاتا ہے لوگ اس پروگرام سے محظوظ ہوتے ہیں بچپہاڑہ کا میلہ جنوبی کشمیر میں کافی مقبول ہے اور حضرت غازیؒ کے عقیدت اور احترام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں بزرگوں کو مکمل پتہ ہے کی حضرت بابا نصیب الدین غازی نے کسطرح کشمیر میں جگہ جگہ مساجد تعمیر کئیں، انہوں نے کشمیر کے گاؤں گاؤں دورہ کے

علاوہ لداخ اورتبت کے داشوار گذار راستوں کا سفر کلمتہ الحق کیلئے کیا۔
حضرت نے ۱۷۲۶ء مطابق ۱۰۴۷ھ رحلت فرمایا۔ بچیہاڑہ میں آپ کا آستان فیض پناہ ہے وادی میں تبلیغی دوروں کے دوران اطراف واکناف میں بارہ سو مساجد تعمیر کرائیں۔
معمار مساجد نے شاور پرگنہ (علاقہ شاہورہ) کا بھی دورہ کیا جو بچیہاڑہ کے مغرب جانب ایک زرخیر گنجان دیہات والا علاقہ ہے تملہ ہال گاؤں کی بستی میں برلب ندی ایک مسجد شریف کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی مسجد کا طرز تعمیر انیٹوں اور لکڑی سے ملا جلا تھا تقریباً تین سو سال بعد اس مسجد کو گاؤں والوں نے شہید کیا اور ۳ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کو تعمیر کیا گیا۔ اسی جگہ جدید طرز سے سنگ بنیاد ۱۳۹۲ھ میں ڈالی گئی اور مسجد یک منزلہ پختہ انیٹوں سے تعمیر کی گئی گھاس پھوس کے بجائے ٹین کا چھت لگایا گیا۔

مسجد کو نئے طرز سے بنانے کیلئے گاؤں والوں نے متفقہ طور ۱۹ اگست ۲۰۰۵ء بروز جمعہ اسے شہید کر دیا اور تیسری سنگ بنیاد کو برقرار رکھ کر اسکی چہار دیواری نئے سرے سے تعمیر شروع کی اس مسجد کا چھت خوبصورت اور شاندار طور تیار کرایا گیا۔

مسجد شریف کا چھت ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مکمل ہوا۔

حضرت بابا نصیب الدین غازی کا شاہورہ کے اور گاؤں میں مساجد کی تعمیر کے متعلق روایت ہے وہ آری ہل، دراچھ، ہرہ پورہ شوپیان اور کاکہ پورہ کے علاقہ دیگر دیہات شامل ہیں۔

حضرت بابا نصیب الدین غازی رحمتہ اللہ نے کشمیر میں بارہ سو مساجد تعمیر کر کے جو کام ان سالوں میں انجام دیا وہ تاریخی اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل ہے اس ولی اللہ کا کشمیریوں پر ایک بڑا احسان ہے مساجد کے معمار اس ولی اللہ کے درجات بلند ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆ جنوری ۲۰۰۶ء

تذکرہ حضرت باباشکرالدین ولی رحمتہ اللہ علیہ

سوپور سے بانڈی پورہ جانے والی سڑک پہاڑی سلسلے کے سینے پر سے جس جگہ کاٹ کر گذرتی ہے اس کو وٹلب کہتے ہیں اس جگہ بلند چوٹی پر جو آستان عالیہ نظر آتا ہے وہ شمالی کشمیر میں ایک گرم زیارت کے طور پر مشہور ہے جھیل ولر کے شمال مغرب کنارے یہ پہاڑی سلسلہ بانڈی پورہ کی وادی کو علاقہ سوپور سے علحدہ کرتا ہے جغرافیائی خدوخال کے لحاظ سے یہ علاقہ کافی اہمیت کا حامل ہے مگر اس زیارت گاہ جو دور سے بھی نظر آتی ہے اسکی طرف اور کشش بڑھاتی ہے۔

یہ آستان عالیہ حضرت باباشکرالدین ولیؒ کی آخری آرمگاہ ہے گو کہ ان ولی اللہ کے بارے میں تذکرہ کئی تاریخی فارسی اردو کتابوں میں ملتا ہوگا۔

حضرت باباشکرالدین شہمیری خاندان کے عہد میں جب سلطان شہاب الدین اور سلطان قطب الدین کی حکومت تھی ۷۹۰ھ بڑگام کے مانچھو ہامہ پرگنہ سے وابستہ آرت گاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہ بچپن سے ہی عشق الٰہی میں محور ہا کرتے نیک اخلاق اور صادق تھے بچپن سے ہی اونچی آواز میں کلام پاک کی تلاوت کرتے جوانی کے ایام میں خاندانی کھیتی بھاڑی کیطرف دھیان دیا مگر عشق الٰہی کی وجہ سے مرشد کی تلاش میں

نکل پڑے پہاڑوں جنگلوں اور غاروں کو اپنا مسکن بنایا اس دوران خونخوار درندے اور جانور آپ کے ہمقدم رہے مگر کوئی گزند نہ پہنچا سکے آپ نے بھوکے پیاسے تکالیف اٹھائے مجاہدات ریاضت اور عبادات میں مشغول رہنے کے دوران دنیا سے بلکل بے گانہ رہے۔ معشوق حقیقی سے زیادہ قرب کی چاہت کی وجہ سے دن رات یادالٰہی میں محور ہے۔

اسی دوران جنوبی کشمیر کے علاقہ عیش مقام پہنچے اور حضرت بابا زین الدین ولیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کو مرشد تسلیم کیا اور بعیت سے سرفراز کیا۔ ان کی اطاعت سے برکات اور فیض حاصل کیا تزکیہ نفس کی تکمیل کی اور عرفان کی لذت سے بہرہ در ہوئے اور علم عرفان حاصل کر کے دیہات کا سفر اختیار کیا۔ اسکے بعد بانڈی پورہ علاقے کے پرگنہ کھویہامہ کے شنکپال آرہ گام پہنچے اور گوشہ نیشنی اختیار کی عبادت اور ریاضت کرتے رہے اسکے بعد پیرو مرشد کے باطنی اجازت سے ہجرت کی اور زینہ گیر کا رخ کر کے اس جھیل کے کنارے کھڑے شیر کوٹ نامی پہاڑی پر قیام کیا۔

اس پہاڑی کے دامن میں بطرف مغرب وٹلب گاؤں اور کھیتوں کا سلسلہ بخوبی نظر آتا ہے پہاڑی دامن میں زرنام کا گاؤں ہے جبکہ مشرق سے جنوب جانب جھیل ولر کا نظارہ کیا جاتا ہے یہ گاؤں مچھیروں کا ہے گذارہ مچھلی بیچنے پر ہے اسی کے شمال مغرب جانب سوپور سے آئی سڑک دیہات سے گذر کر بانڈی پورہ جاتی ہے اور آگے یہ سڑک ہر

موکھ پہاڑی سلسلے کے دامن سے گذر کر صفا پورہ سے ہو کر سرینگر جاتی ہے۔

حضرت بابا شکر گنج الدین کے بارے میں کئی کرامات خاص و عام ہیں جو مقبول ہو چکی ہیں ایک روز ایک پنڈت انکے دربار میں دکھی حالت میں فریاد لیکر آئے کہ کافی قرضدار ہوں بے وسیلہ ہوں سات بیٹیاں سامنے ہیں آپ سے دُعا کی التجا کرتا ہوں تا کہ مشکل حل ہو جائے آپ نے فرمایا فوراً گھر جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو مشکلات کا حل نکل آئیگا۔

شہر کوٹ پہاڑی ایک نجار تھا جو کہ زیارت گاہ کی نئی تعمیر کیا ندر خلوت نشین ہو گئے بہت عرصہ تک وہ پہاڑی کے دامن سے مٹکے سے پانی بھر کر لائے اور آپکی خاطر خواہ خدمت گذاری کرتے رہے آپ نے اسے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تعلیم دی پھر روحانی کرامت سے ایک تیر کا بابا پیام الدین بابا ریشی کا رہبر کی تلاش میں تھا اور بابا پیام سے جہاں میرا تیر اپاؤ گے تم اس مقام پر ہمیشہ کیلئے قیام کرنا۔ مرشد کی اجازت سے وہ بابا پیام الدین تیر کی تلاش میں خطرناک جنگلوں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے علاقہ ٹنگمرگ پہنچے یہاں اپنے مرشد کا تیر ٹھنکا۔ اپنے رہبر حضرت بابا شکر الدین ولی کیلئے بطور تحفہ لکڑی پر نقشی نگاری کر کے ایک بڑا دروازہ بنایا اور روحانیت کا جلوہ دیکھا کر دروازہ ہوا میں اڑتا ہوا حضرت شکر الدین کی قیام گاہ کے آگے خود بخود پیوست ہو گیا جو کہ اب بھی اصلی حالت میں ہے اسکی نئی مرمت کے دوران ایک دفعہ اپنی جگہ سے تھوڑا ہٹا کر گیا تھا مگر

دروازہ اپنی اصلی جگہ پر واپس آ گیا۔

ایک پنڈت ملازم کافی قرضدار تھا حضرت کی دعا و کرامات سے حکومت نے معاف بھی کیا اور بقایات اجرت بھی عطا کی کیولنسہ گاؤں سے گائے ان کے پس آتی کئی سال اور حضرت بابا دودھ حاصل کرتے اور مالک کو پتہ چلا۔ اتنے سالوں سے بچھڑے کے بغیر ہے حضرت کی کرامات سے چار پانچ بچھڑے گاوخانے میں تھے۔

شیر کوٹ پہاڑی پر نالہ نظر آتا ہے رتھ نالہ کہتے ہیں نالے کے موجود پتھروں پر آج بھی سرخ رنگ کی تہیں موجود ہیں یہ نشانی بے علم جاہلوں اور بے اعتقادوں کے قتل و غارت کی نشانی ہے آخری سالوں میں کافی تخیف ہو گئے ان کے چار خلف زینہ ریشی، روپہ ریشی، ریگہ ریشی اور میر لہسو رریشی تھے جو آپکے دیکھ بھال ان کے مزار و ٹلب کے گرد رہے انہوں نے قبر کھدوا کے رکھی آپ ۱۲ ادی الالج ۸۷۰ھ میں زندہ قبر میں اترے اور قبر میں ہی انتقال فرما گئے۔

آپ نے عمر بھر شادی نہ کی اسلئے صاحب اولاد نہ تھے۔

تاریخ حسن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ ایک راز ایک امیر شخص کسی کام کیلئے آیا اور بادشاہ کے خوف سیادھر بھاگ کر آیا اور قبر میں چھپ گیا۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے دوستوں کو فہمائش کی کہ میرے لئے دوسری قبر کھدواد کیونکہ اس قبر میں دنیادار نے پاؤں

ڈالا۔ جب رحمت حق ہو گئے تو دوستو نے وصیت کے مطابق دوسری قبر کھودی اور اسی میں مدفون کیا۔ آگے اسی کتاب میں تذکرہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ انکے آستانہ سے رات کے وقت توپ کی آواز نکلتی ہے جو دور تک سنائی دیتی ہے۔ جب اسکی کڑک سنائی دیتی ہے تب ہی کشمیر میں کوئی نہ کوئی خطرناک واردات ہوتا ہے ایک بزرگ بوڑھے نے کہا ہے کہ سکول کے آنے سے پہلے اس آستان سے تویوں کی آوازیں نکلیں اتنی زوردار آواز کہ زمین ہل گئی اگلے روز لوگ اس آستان کی جانب دوڑ پڑے تو ادھر دیکھتے ہیں کہ مشرق کی جانب مقبرے پنجر ٹوٹ چکے تھے اور ان کے ٹکڑے ہو کر ولر کے پانی میں تیرتے ہیں فلسفیوں کی عقل یہ ماننے کیلئے تیار نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا صاحب کی قدرت کے پاس یہ کون سی بات ہے۔

انکے دوستوں میں بابا دریا ریشی تھے اصلی نام درہ سادھو تھا درگہ مولہ کے نزدیک وٹرکھنی گاؤں کے مندر میں تپسیا کرتا تھا یہ صاحب کشف تھا ایک روز سرینگر کی جامع مسجد کو آگ لگی تو یہ سادھو چشمہ پر بیٹھ کر چاروں طرف پانی پھینکتا جاتا۔ شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ مسجد کے چھت پر ایک سادھو چاروں طرف پانی پھنیکتا ہے یہاں تک کہ آگ بجھ گئی۔ اگر چہ یہ جگہ ۵۲ میل دور تھی۔ اس سادھو نے بابا شکور الدین سے ملاقات کی حضرت بابا کے اثر سے مسلمان ہو گئے۔ انکے مریدوں میں ریگی ریشی تھے جنہوں نے آخری دم تک مرشد کی خدمت کی۔ انکی رحلت کے بعد انکی جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت بابا شکور الدین کے

مقبرے کے شمال جانب ان کی قبر ہے۔

بانڈی پورہ ☆☆☆☆☆☆ فروری ۲۰۱۷ء

صاحب عالی حضرت سید جعفر رحمتہ اللہ علیہ

وادی کشمیر کو ریشی وار اور پیر وار یعنی ریشیوں کی چمن اور پیروں کی کیاری اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہاں ہر جگہ اولیا، کرام، ریشیوں، سادات اور روحانی بزرگوں اور صوفی فقراء کے آستان اور مقبرے موجود ہیں تاریخی کتب سے اخذ ہوتا ہے کشمیر میں اسلام کے ظہور ۷۲۵ھ یعنی حضرت بلبل شاہ کے ترکستان آنے سے یہ سلسلہ ۹۶۲ھ ہجری تک اسطرح چلتا ہے کہ سرینگر کے محلّہ محلّہ اور کشمیر کے مختلف پرگنہ جات میں گاؤں گاؤں بزرگان دین اسلام کی اشاعت کیلئے ٹھہرتے رہے ان پاک ہستیوں نے ریاضت چلہ کشی اور عبادت الہیٰ میں مشغول رہنے کیساتھ ساتھ اسلام پھیلانے اور امن وآشتی کے ماحول برقرار رکھنے کیلئے اپنی عمر کو وقف رکھا۔ ان سادات نے کافی تکالیف اٹھائے اکثر بزرگ اولیا اہل وعیال سمیت مختلف جگہوں پر ٹھہرے رہے اتنا وقت گزرنے کے باوجود بھی ان بزرگان کے آستان عالیہ خانقاہیں اور عبادت گاہیں کشمیر میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔

ایسے ہی ایک سادات حضرت سید جعفر رحمتہ اللہ علیہ گذرے ہیں جنہوں نے کشمیر کے مختلف جگہوں کا دورہ کر کے قریئوں اشاعت اسلام کیلئے کام کیا اور مقامات دیہہ میں ٹھہر کر چلہ کشی ریاضت کی اور ہدایت کا درس دیا ان کی روحانیت کمال درجہ کی تھی اور جن گاؤں میں وہ ٹھہرے رہے وہاں ان کی تعمیر کردہ عبادت گاہیں اب بھی موجود ہیں ایسی ج

جگہوں میں کرند بیرواہ بانی مولہ کولگام اور تملہ ہال پلوامہ شامل ہیں ان جگہوں پر بوڑھے بھاری برکم برجی درختان اب بھی کھڑے ہیں جنہیں کاٹنے کی مقامی لوگوں کی جرأت نہیں ہوتی۔

یہ بخوبی عیاں ہے کہ یہ صاحب عالی قدر بلند مقامات والے سیدوں میں سے تھے خلوت نشینی کو ہمیشہ پسند کرتے تھے بغیر ذات پاک حضرت اللہ جل شانہ کسی چیز پر ان کی نظر نہ تھی ان کا روضہ راولپورہ سرینگر میں مشہور ہے یہ ذکرہ تذکرہ اولیائے کشمیر میں ملتا ہے۔

واقعات کشمیر المعرف تاریخ کشمیر اعظمی میں مندرج ہے کہ سادات اکابر میں سے اور صاحب مقامات عالی تھے گوشہ نشینی سے انہیں بڑی رغبت تھی اور ماسوائے اللہ پر انہوں نے کبھی نظر نہ جمائی۔ جب رحلت کر گئے تو موضع راولپورہ جو شہر سے کوئی دو میل دور ہے ان کی آرمگاہ ٹھہری۔ ان کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام او محل فیض تمام ہے پرگنہ بیروہ کے موضع کرند میں بھی ایک مکان ان برزگوار سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن جسمانی اور روحانی مقاصد کیلیئے ہوگا۔ ورنہ ان کی قبر راولپورہ میں ہے عہد حیدر شاہ حسن شاہ درسال ۱۴۷۵ء کے دوران یہ بزرگ ہستی تھی (سلطان حسن شاہ کی حکومت ۸۸۰ھ سے ۸۸۹ھ تک رہی۔

قدیم زمانے سے تعمیر شدہ یہ آستان راولپورہ جنرل روڈ سے مشرق جانب گذرنے والی رابط سڑک کے آخری حصے پر تقریباً ایک کلومیٹر دور واقع ہے اسکے گرد و نواخ قبرستان ہے اور آستان عالیہ کے ساتھ قبرستان کے مشرق طرف گیارہ بھاری بھر کم درخت چنار ایستادہ ہیں۔ آستان عالیہ کے باہر بھی مقبرہ ہے جس کو اسکی بہن کیساتھ منسوب کیا جاتا ہے صحن میں مغرب کی جانب دو باریک چنار کھڑے ہیں ان کے تنوں پر دو پتھر جڑے ہوئے ہیں اور ان پر عقیدت مند پانی ڈالکر کنکریوں سے گھسا گھسا کر یہی دودھیا پانی جسم پر ملتے ہیں ان چناروں کے ساتھ ہی مسجد شریف ہے جہاں متبرک ایام کے دوران ختمات و معظمات کی مجالس آراستہ ہوئی ہیں۔ یہ کہنا حقیقت سے بعید نہ ہوگا کہ ادھر آستان عالیہ کی جانب کم توجہ دی گئی ہے ملحقہ بستی کو استان پور کہتے ہیں کئی گھرانوں میں سند اور دستاویزات کا مشاہدہ کرنے گیا مگر لگتا ہے کہ یہاں اس اولیا ئکے متعلق باضابطہ کوئی قلمی ریکارڑ موجود نہیں ہے۔

راولپورہ اس بستی میں ہر سال ماہ رجب کی چودویں شام کو ہر گھر میں پکے چاول معہ گوشت پکایا جاتا ہے اور آستان عالیہ کے صحن میں بانٹ جاتا ہے ور رات بھر مسجد میں ختمات درود واذکار کی مجلس آراستہ ہوتی ہے۔

حضرت سید جعفر رحمتہ اللہ علیہ کے برادر حضرت سید منصور رحمتہ اللہ بھی

ایک ایسے بزرگ گذرے ہیں کہ سرینگر شہر کے کٹہ کل کے قریب برلب سڑک عقیدت مندان ان کے آستان عالیہ پر حاضری دیتے ہیں اس فارسی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ پر اس کا تذکرہ بھی ہے۔

شہر سرینگر کے جنوب قصبہ پلوامہ سے سات کلومیٹر دور لتر سنگم پر ایک بڑا رقبہ والا گاؤں تملہ ہال نام کا آتا ہے علاقہ شاہورہ سے وابستہ یہ گاؤں حلقہ پٹوار اور حلقہ پنچایت کی وجہ سے مرکزی اہمیت رکھتا ہے سڑک کے مغرب طرف پتھر بل نام کے میدان کے ساتھ جڑے مٹی کے ٹیلے پر بغیر چھت کے پختہ پتلی انیٹوں سے تعمیر شدہ ایک مکان اسی بزرگ سے منسوب کیا جاتا رہا۔ اس مکان کو ایک عبادت گاہ کا نام بھی دیا جاتا رہا جسکے گردونواح قدیم زمانے سے قبرستان چلا آیا ہے اور اب بھی اس ٹیلے پر خالی جگہ مردوں کو دفن کیا جاتا ہے بڑے بزرگوں سے یہ روایت چلی آئی ہے کہ حضرت سید جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے اس جگہ بارہ سال ریاضت وعبادت کی ہے جس حصے کے اوپر چھت تھا اس میں عبادت وذکر واذکار ہوا کرتا اور بغیر چھت کے حصے میں خالی زمین پر برجی کا ایک سرسبز برجی درخت ایستادہ رہا۔ ایک غیر مصدقہ روایت کے مطابق ادھر جو دو بڑے پتھر تھے وہاں دو صاحبان جمال الدین اور کمال الدین کی قبریں تھیں جب حضرت جعفر زاولپورہ گئے تو یہ صاحب ادھر آ گئے اور دونوں کچھ عرصہ ٹھہر کر کب اور کس وقت رحلت کر گئے یہ تحقیق طلب بات ہے البتہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سید جعفر اس جگہ ریاضت وعبادت

میں سالہا سال مشغول رہے غیر مصدقہ طور سننے میں آیا ہے کہ کچھ سال پہلے تک بوڑھے لوگوں کا کہنا تھا کہ ہر جمعرات شام کو ادھر شیر حاضری دینے آتا ہے اور رات ختم ہوتے ہی واپس چلے جاتا ہے کچھ لوگوں نے اُسے دیکھا تھا۔ راقم ایک جمعہ بعد نماز فجر ٹیلے پر والدین کی فاتحہ خوانی گیا تو برمجی کے کھو کھلے تنے کے باہر دم نظر آئی جسکی رنگت شیر ببر سے ملتی۔ جلدی فاتحہ کے بعد مغرب راستہ سے ٹیلے سے نیچے آیا۔

تملہ ہال گاؤں کے میدان اور کھلی جگہ مسافروں کے ٹھہرنے کے علاوہ اس ٹیلے کے متعلق کشمیری شاعر غلام نبی ظہور نے یوں کہا ہے۔

چھ اول یہ میدان۔ یتھ منزیوان
لگتھی سفر سے تھک مسافر دوان

دپان ادٔ تملہ ہال اتھ ناو پیو
یتھے پاٹھی برونہہ کن یہ مشہور رکو

یہے کتھ سپر درزمان آشکار
کرنی تملہ ہالچی شکل اختیار

ٹنکس پیٹھ چھ لیس مرگزار بہ شان
سہ از حضرت سعید جعفرؒ مکان

(رماخوذ تاریخ شاہورہ قلمی نسخہ تحریر دو سال ۱۹۷۵ء) اس ٹیلے پر دو قدیم برین

بھاری بھرکم برجی پیڑ مشرق و مغرب جانب مکان کے ایستادہ ہیں ایک روایت حقیقت پر مبنی ہے کہ مغرب کے درخت کے جڑ کے ساتھ غار تھا اصلی غار کا راستہ سو سال پہلے تک تھا اور جس جگہ مکان اوپر ٹیلے پر تھا برابر اسی کے نیچے زیر زمین مسجد تھی یہ بھی تحقیق طلب بات ہے اس آستان عالیہ کے ساتھ گاؤں کے باشندوں کو بڑی عقیدت ہے اور لوگوں کا یہ پختہ یقین ہے کہ کشمیر میں نامساعد سالوں کے دوران یہ گاؤں حادثات والردات سے اسی وجہ سے محفوظ رہا۔ جان و مال کی حفاظت ہوتی رہی۔ آستان عالیہ ٹیلے سے لیکر بستی اور نچلے دور دور کھیتوں تک چھوٹے بڑے چشموں اور پانی کی فراوانی کے متعلق بھی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ اسی بزرگ کی دین ہے کیونکہ اطراف و اکناف کے گاؤں میں پانی کا اتنا وسیلہ نہیں ملتا۔ اسطرح اس عبادت گاہ کے ساتھ گاؤں تملہ ہال کے باشندوں کا عقیدت مضبوط ہے۔

سالہا سال سے ۱۴ رجب المرجب کو شام کے وقت جو تہر ورس لگتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

راولپورہ تم صاحبن روٹ قرار
تس سند دوہ ژودا ہم رجب کرشمار
لگان میلہ یمسند بہ ہر سال اوس
طریقاہ یو ہے واریاہ کال اوس (غلام نبی ظہور)

گاؤں کے ہر گھر سے پکے چاول معہ گوشت اس ٹیلے کے دامن میں لایا جاتا ہے اور پھر اسے ایک ہی بڑے کھلے کپڑے یا دستار خوان پر جمع کیا جاتا ہے اسے خیر و برکت کا چاول کھانا کہا جاتا ہے اور بڑوں بچوں مرد وزن میں یہ بانٹ جاتا ہے اور لوگ برتنوں میں اسے گھر لیتے ہیں عصر نماز کے بعد ہی رات گئے تک اس مکان کے چھت والا حصہ میں درد و واز کار ختمات و معظمات کی مجلس آراستہ ہوتی ہے اسی جگہ مغرب اور عشاء کی نماز با جماعت ادا کی جاتی ہے۔

گاؤں والوں نے متفقہ طور پرانے مکان منہدم کر دیا دیوابندی کے اندر کھڑے تڑ تازہ برجی درخت کو بڑ سے کاٹ دیا گیا۔ اور اس جگہ جدید تعمیر کھڑا کیا گیا اسے ۱۹۹۸ء میں مکمل کیا گیا اسطرح یہ عبادت گاہ حضرت سید جعفر اب ذرا اونچا بن گیا قدیم بوڑھے برجی پیڑوں کے ساتھ کو پچاس سالوں سے کسی کو چھیڑ خانی کی جرات نہیں ہوئی شاعر وطن غلام نبی ظہور کے برادر اصغر عمر ۸۶ سال کا بیان ہے کہ بہ ارشاد روحانی میر سید محمد ہمدانیؒ کے حضرت سید جعفر صاحب تملہ ہال اور گرد و نواح آبادی کے رشد ہدایت امرا بالمعرف کے رہے اور عام لوگوں کو تعلیم دین سے۔ آ رہی دی

بعد میں ارشاد کے مطابق بمقام راولپورہ چلے گئے جہاں وہ اور انکے خلفاء مدفون ہیں

وہ آگے لکھتے ہیں کہ میرے بچپن دور میں بطور نیک عقیدت اور عادت کے وقتاً فوقتاً اس جگہ اور قبرستان جاتا رہا۔ قدیم چہار دیواری مکان آستان کے اندر بغیر چھت کے حصہ پر چھوٹے درخت برجی کا تنا (گڈ) موجود تھا تسخیر سے معلوم ہوا کہ صدیوں برس پہلے حضرت سید جعفر اس درخت سے پشت لگا کر بیٹھا کرتے اس سمت گیارہ گز نیچے گہرائی گھپا (غار) موجود تھی گول طرز کی تین گز اونچی جس میں چالیس آدمی بیٹھ سکتے تھے غار کا محراب تھا اسکا راستہ شمال کی طرف حضرت سعید جعفر رحمتہ اللہ علیہ جیسے بزرگ کے ساتھ عقیدت اور احترام سے دل کی پاکیزگی ہوتی ہے اور اس ٹیلے پر موجود عبادت گاہ میں صبر وسکون کا ماحول ملتا ہے اس جگہ نماز ذکر واذ کار درود ختمات اور تلاوت قرآن میں زیادہ لطف اور سرور آتا ہے۔

نئی پورہ سرینگر کے ایک عقیدت مند محمد یوسف پرے دمساز نے حضرت سید جعفر رحمتہ اللہ علیہ کے خراج عقیدت منظوم طور کیا ہے جو اُن کے آستان عالیہ راولپورہ سرینگر میں کپڑے پر تحریر ہے اس کا ایک بند یوں ہے

جوق در جوق کرنی لوکھ مسلمان۔

مرحبا سید صابس ددان رحمان

تاثیر تبلغین کر پختہ ایمان

سید محمد جعفر راولپور زان اپریل ۲۰۱۶ء

۱۹۷۰ء کے آس پاس بہ اجازت سید مبرک شاہ صاحب شاہ یمار اس غار میں محمد طیب شاہ ارادہ باندھا پڑا۔ کی مگر دروازہ بند ہو چکا تھا اسی جگہ راقم دوسری غار ربنوائی اور چلہ نکالا یہ غار مسجد واقع ہے قیامت تک پوشیدہ موجود اور محفوظ ہے۔ مغرب طرف بوڑھے برمجی درخت گیارہ ارہ قدم آگے نیچے گہرائی کیطرف غار کا راستہ موجود ہے آخری چلہ میرے دادا مصطفےٰ اشاہ ابن صمد شاہ نے گذارا تھا یہ ۱۳۰۰ھ کے آس پاس تھا اسکے بعد غار کا دروازہ بلکل بند ہو گیا دروازہ نظر نہیں آیا۔ آگے محمد طیب شاہ کہتے ہیں کہ ۱۴۰۰ھ کے آس پاس حسب ارشاد کبیر صاحب متوجسکا مقبرہ ٹیلے کے دامن میں نیچے مشرق جانب واقع ہے۔ گاؤں کے نیک نام نمبراد غلام محمد وانی غار کے اندر جانے کو چلے مگر مگر راستہ بند ہو چکا تھا اسطرح اس راز کو کوئی جان نہ سکا کہ راستہ کیوں بند ہوا۔

☆☆☆☆☆☆ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا حُب کشمیر

وادی کشمیر عالمی سطح پر سب سے خوبصورت مقامات میں سے ایک ہے۔علامہ سر محمد اقبالؒ خود بھی ایک کشمیری تھے۔علامہ اقبالؒ نے فضیلت اپنی شاعری، مبالغہ، برصغیر پر بپا ہور ہے اہم معاملات، دوقومی نظریہ، انسانیت کی قدر، مسلمانوں کے وقار کو بلندی دینے کی وجہ سے حاصل کی۔انکے کلام کو سانچے میں ڈال کر نہیں پڑھا جا سکتا۔اقبالؒ نے اپنے کلام میں انسانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ انسان کی طرح رہیں اور مسلمانوں کے لئے ایک مغرز پوزیشن کی ضرورت پر زور دیا۔یہی وجہ ہے کہ کئی ممالک میں آج بھی علامہ اقبالؒ کو یاد کیا جا رہا ہے۔ہر سال ۲۱ اپریل اور ۹ نومبر کو انکے نام پر محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ایران نے بھی انکی شاعری سے بہت کچھ حاصل کیا۔علامہ اقبالؒ اردو، انگریزی، فارسی، عربی اور جرمن زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔جو کہ ایک ثابت شخصیت کی نشانی ہے ان کے قریبی دوستوں کے ساتھ نجی ملاقاتوں میں انہوں نے کئی مرتبہ پنجابی زبان میں بھی بات کی ہے۔

جب کشمیر مین ۱۹۳۱ء میں تحریک شروع ہوئی تب لاہور میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی تا کہ کشمیریوں کو اخلاق مدد فراہم کی جا سکے۔ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے کشمیریوں کی تحریک کی حمایت کو جاری رکھا۔علامہ اقبالؒ نے بھارتی مسلمانوں تک یہ

پیغام پہنچایا کہوہ کشمیری مسلمانوں کی مدد جاری رکھیں تا کہ مسلم قوم ایک نئے مقام پر سرفراز ا ہو سکیں۔ علامہ اقبالؒ کو خدا نے بہت سی بہترین خصوصیات سے نوازا تھا۔ وہ حقیقی مغوں میں ایک عظیم شاعر، فلسفی، پروفیسر، ایک وکیل اور ایک باوقار مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی امّت مسلہ کی تقدیر کو تبدیل کرنے اور ترقی کی راہوں پر گامزن کرانے میں صرف کر دی۔

اگر سر سید احمد خان علامہ اقبالؒ اور علی محمد جناح انیسویں صدی مین پیدا نہ ہوئے ہوتے تو قیام پاکستان کبھی بھی ممکن نہ تھا۔ اور مسلمانوں نے اپنی شناخت برصغیر میں کھودی ہوتی ۔ اگرچہ علامہ اقبالؒ لاہور، سیالکوٹ، انگلینڈ اور جرمنی میں مقیم رہے۔، انہوں نے ملک کو اپنی شاعری، ادبی کام، فلسفہ اور بات چیت میں کشمیریوں کی اذیتوں کو اجاگر کیا۔ محمد الدین فوق ہمیشہ علامہ اقبالؒ کو کشمیر کی تازہ ترین صورتحال سے واقف کرتے رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور نامی پلیٹ فارم کو تشکیل دینے میں ایک کلیدی رول ادا کیا۔ علامہ اقبالؒ کی زیرِ سرپرستی، بعد میں منشی محمد الدین فوق نے ماہانہ کشمیری گزیٹ، کا آغاز ۱۹۰۰ء میں کیا۔ ۱۹۰۶ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تب ایک ماہانہ جریدہ ''کشمیری میگزین'' کا آغاز کیا گیا۔ بعد میں ۱۹۱۲'' ء میں اس کا نام تبدیل کر کے ''اخبارِ کشمیر'' رکھا گیا۔ اور اسے ہفتہ وار بنیادوں پر ۱۹۳۴ء تک شائع کیا جاتا رہا۔

انجمن کشمیری مسلمانون لاہور کا نام بدل کر ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس رکھا گیا اور علامہ اقبالؒ اس کے پہلے جزل سیکریٹری مقرر ہوئے۔علامہ اقبالؒ نے ۱۹۱۲ء میں کشمیر کا پہلا دورہ کیا۔مختصراً، مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے کشمیری مسلمانوں پر ڈھائے جارہے مظالم کی اقبالؒ ہر وقت مذمت کرتے رہے۔

علامہ اقبالؒ ہر وقت آل انڈیا مسلم کانفرنس کی خاطر کام کرتے رہے اور کشمیریوں پر ڈھائے جارہے مظالم سے دنیا کو آشنا کرتے رہے۔انکی شاعری میں کشمیر کے مقبول اشعار آج بھی زبان زدعام ہیں جن میں

آج وہ کشمیر ہے۔محکوم ومجبور وفقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر سیئہ

توڑ اس دست صفا کیس کو یارب جس نے
روحِ آزادی کشمیر کو پامال کیا

اے ہمالیہ داستان اس وقت کوئی سنا
مسکن اابائے انسان جب بنا دامن تیرا

ہمالیہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک

خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

زین العابدین بڈشاہ کشمیر کا کامیاب بادشاہ رہا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ بڈشاہ صف اول کے کشمیری بادشاہ گذرے ہیں۔ان کے بے لوث عوامی خدمات اور سلطنت کا شہرہ ۷۰۰ سال گذرنے کے باوجود آج بھی ہے یہ مسلم ہے کہ وہ کشمیر کے مسلم بادشاہوں میں سر فہرست تسلیم کیئے جاتے رہیں گے۔ انہوں نے ۵۰ سال کشمیر پر راج کیا۔ان کا مذہبی معاملات،علم وعرفان کو عام کرنا، فنکاری، دستکاری کو فروغ دینا اور فنِ تعمیر میں دلچسپی رکھنا انہیں اکبر کے برابر کا درجہ عطا کرتی ہے۔انہوں نے تمام تر وہ احکامات رد کیئے جو ہندو آبادی کے مخالف تھے،انہوں نے کشمیر سے بھاگے تمام تر ہندووُں کو کشمیر لوٹ آنے کو کہا اور ایسی پیشرفت میں انہون نے کامیابی حاصل کی۔جن ہندووُں کو جبراً مسلمان بنادیا گیا تھا انہیں اس بات کی آزادی دی گئی کہ وہ اپنا روایتی مذہب پھر سے اختیار کر سکتے ہیں۔انہیں تمام تر وہ مراعات جو انہیں اس سے پہلے حاصل تھے۔وگزار کیئے گیئے۔ان کی خاطر مندرون کی از سرِ نو تعمیر بھی کی گئی۔سلطان زین العابدین بڈشاہ کشمیر کے وہ سلطان تھے۔جنہوں نے جذیہ کو ختم کر دیا اور گائے کو ذبح کرنا ممنوع قرار دیا۔انہوں نے کشمیری ہندووُں کا انتظامیہ میں اہم نشستوں پر بھی فائز کر دیا۔کئی تاریخ دانون کا ماننا ہے کہ انہوں نے ہندووُں کے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی قائم کیئے اوران کی رانیون مین

سے جموں کے ہندو حکمران کی دو بیٹیوں سے شادی کی زین العابدین بڈ شاہ نے ملک کشمیر مین اقتصادی ترقی کی خاطر خاصی توجہ مبذدل کی۔ انہوں نے کئی ساری دستکاریوں کو فروغ دیا، جیسے کہ سونے کی حرارتی اور پتھر کے کاٹنے کی دستکاریوں (کے ہنر) سے وابستہ کاریگروں کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے شالبافی، بندوق سازی اور صنعت کاری کے فن کو کافی حد تک فروغ دیا۔ انہون نے ملک کشمیر میں کاغذ سازی اور کتابوں کی جلد سازی کے فن کو دیکھنے کیلیۓ دو کشمیری ہنر مندوں کو سمرقند روانہ کیا تا کہ وہ ماہرانہ صلاحیت حاصل کر سکیں۔ انہوں نے عوام کی خاطر روزگار کے مواقعے فراہم کرنے کیلیۓ کئی اقدامات اٹھائے۔

: بڈ شاہ نے عہدیداروں کو سخت ترین ہدایات جاری کیئے کہ وہ کسانوں کے ساتھ ایماندارانہ سلوک اختیار کریں۔ انہوں نے آبپاشی سہولیت بھی کشمیر میں کافی حد تک فراہم کرنے کیلیۓ کاگر قدم اٹھائے اور کئی ساری نہریں کھدوائی جو دورِ حاضر میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ انہوں نے قحط جیسی قدرتی آفات کے دوران لوگوں کو غلہ فراہم کیا اور تمام زرعی زمینوں کا ریکارڈ بھی درج کیا۔

انہوں نے لوگوں کو درپیش مسائل کی خاطر اگر چہ کئی تاریخ ساز اقدامات اٹھائے وہی ان مین کرنسی اصطلاحات کی خاطر بھی کئی سارے اقدامات اٹھائے اشیاء کی قیمت بھی مقرر کی اور کشمیر مین ریٹ لسٹ کا آغاز انہیں کے دور میں رائج ہوا ہے۔ انہوں نے

تاجرون کو مقررہ قمیتوں پر اناج فروخت کرنے بھی ہدایات دی اور اسطرح انہوں نے تجارت پر اپنا پورا قابو قائم کیا۔

بڈشاہ کو کئی جن زبانوں پر مہارت حاصل تھی۔ اُن مین فارسی، کشمیری، سنسکرت اور تبتی زبان سرفہرست ہے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے علماء کرام کی سرپرستی کی خاطر بھی کئی اقدامات کیئے۔ جبکہ کئی اور فارسی کتابوں کا مقامی زبانون میں بھی ترجمہ کرا دیا۔ یہ سلطان زین العابدین بڈشاہ ہی تھے۔ جنہوں نے سنکرت والی مہابھارت اور راج ترنگنی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

سلطان زین العابدین برشاہ کو موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ گوالیار کے حکمران نے بڈشاہ کے لئے دو نایاب موسیقی کتابین بطور تحفہ بھیج دیں۔ یہ دونون کتابیں سنسکرت زبان میں لکھی گئی تھیں۔

بڈشاہ نے مکہ، مصر اور خراساں وغیرہ کے ساتھ ساتھ دلی، گجرات اور گوالیار کے حکمرانوں کے ساتھ کشمیر کے اچھے تعلقات قائم کیئے اور علم واسباب تمدن وتہذیب کی سرگرمیون کو بھی کافی حد تک دوام بخشا۔

سلطان زین العابدین بڈشاہ کشمیر کے وہ سلطان تھے۔ جنہوں نے جذیہ کو ختم کر دیا اور گائے کو ذبح کرنا ممنوع قرار دیا۔ انہوں نے کشمیری ہندوؤں کو انتظامیہ مین اہم نشستوں پر بھی فائز کردیا۔ کئی تاریخ دانوں کا ماننا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ

ازدواجی تعلقات بھی قائم اوران کی رانیوں مین سے جموں کے ہندوحکمران کی دو بیٹیاں شامل تھیں۔اسطرح ان کی حکومت کشمیر میں کامیاب رہی وہ کھلُے ذہن کے بالغ نظریہ والے بادشاہ ہونے کے باوجوداسلامی متون لطیفہ فن تعمیراوراولیاءاللہ کےقدردان ہوکر ان کے دربار میں حاخری دیا کرتے۔حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کے متعقد تھےاوروہ ان پرخات مہربان

نگین باغ سرینگر ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ مارچ۲۰۱۶ء

حضرت مولانا نورالدینؒ ترالی

کشمیر کے ایک ممتاز عالم دین اور روحانی بزرگ حضرت مولانا نورالدین ترالی ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء بمطابق ۲۸ رجب الرجب ۱۴۱۳ھ نماز جمعہ سے پہلے مسجد میں رحلت کر گئے، کشمیر کی سرکردہ مذہبی، عسکری، ادبی اور سماجی تنظیموں نے ان کے رحمت حق ہونے پر زبردست دکھ کا اظہار کیا، تحریک حریت کے ایک دیرینہ ہمدرد اور مستند عالم قرار دیا۔ ان کی اسلامی خدمات اور تبلیغ و تربیت اور صحبت سے ہزاروں مسلمانوں کا ہدایت پانیکی سراہنا کرتے ہوئے انہیں ابردست خراج عقیدت ادا کیا۔

مولانا کو یاد کرتے ہوئے ان کا وہ نورانی چہرہ، خندہ پیشانی اور پرکشش آنکھیں تصور میں سما کر دل کو تراوٹ بخشتی ہیں مولانا کا مسکراہٹ کے وقت چہرے کا انداز، گفتار کے وقت دااا، نازک جسم پر عمدہ لباس، اور اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کا طور طریقہ ہر ایک کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ان کے اندر اسلامی عزائم اور عشق محمدی جوان تھا۔ اپنی زندگی میں مولانا نے جس عمل و کردار کا مظاہرہ کیا مسلمانوں کو طور طریقے سکھائے اور خوش اخلاقی سے پیش آتے رہے وہ بھلائے نہیں جاسکتے۔

مولانا نے ۹۶ برس کی عمر پائی کشمیر کے ایک ممتاز عالم دین، روحانی بزرگ، اسکالر اور واعظ کی حثیت سے اپنا لوہا منوایا۔ مولانا دارالعلوم دیوبند کے فضلاء

میں سے تھے جوانی کے ایام میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت ہو چکے تھے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی کے خلفاء میں مولانا نور صاحب کا شمار ہوتا ہے ان دونوں ممتاز عالم بزرگوں کو ذکر خیر اپنے متعلقین کے پاس اکثر کیا کرتے ۔نور صاحب اسلامی علوم اور فقہ کیمتاز ماہر تھے۔ انہوں نے ساری زندگی توحید وسنت کی تبلیغ میں گذاری۔ وہ اعلیٰ پایہ کے مدرس تھے انہوں نے مدرسہ تعلیم الاسلام ترال کا سنگ بنیاد رکھا جس میں جوانوں نے اسلامی اور عربی علوم سے فیض حاصل کیا۔

مولانا نور صاحب حافظ قرآن ، اسوہ حسنہ، فقہ اور علوم حدیث پر گہری دسترس رکھتے تھے انکو اولیاء کرام خصوصا امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ سے والہانہ عقیدت اور محبت تھی مثنوی مولانائے روم دیوان حافظ اور کلیات اقبال کے شعر اکثر ان کی زبان پر ہوا کرتے تھے۔

کوئی بھی ان سے کوئی دینی یا دنیاوی مسلہ سے متعلق کچھ مشورہ لینے آتا تو اسے دنیاوی معاملات کم رغبت رکھنے کی تاکید فرماتے، خاص و عام کو مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیف بہشتی زیور کا مطالعہ کرنے کی ہدایت دیتے ان کے پاس آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا مسلمان ہو یا غیر مسلم مرد وزن بچے بوڑھے غرض ہر ایک سے ان کا حسن سکول ایک جیسا رہتا۔ ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور شیرین کلامی ان کا شیوہ تھا خوش مزاجی نور صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی مناظرہ بازی سخت پرہیز کرتے تھے

بدعات کو کچلنے کے لئے ان کی بنیادی تاکید رہا کرتی تھی یہ ان کی روحانی بزرگی کا اثر تھا کہ ان کے دست بیعت سے ان کے اکثر مریدوں کی زندگیاں سنور گئیں کسی کو اسلام کیخلاف حرکت کرتے ہوئے پاتے تو زبردست طیش میں آجاتے۔ نور صاحب کو یہ بڑا شرف حاصل تھا کہ اپنے مریدوں سے کوئی معاوضہ طلب نہ کرتے اور نہ کسی چیز کی فرمائش کرتے جیسا کہ اکثر پیروں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ مریدوں کو سالانہ کچھ نقدی، جنسی لانے کا اشارہ دیتے ہیں مولانا بے ریا تھے لالچ سے پاک تھے اپنے کم پایہ اور عیال بار مریدین سے زیادہ محبت اور ہمدردی رکھتے ان کے لئے دعا کا خیال رکھتے اپنے خاص طالبوں کو وہ شیخ فریدالدین عطار کی تصنیف، تذکرۃ الاولیاء حضرت امیر کبیر کی اورادفتحیہ، ذخیرہ الملوک کے علاوہ شرح اور اورادفتحیہ تبلیغ دین شریعت و تصوف اور مناجات مقبول پڑھنے کی تاکید فرماتے۔

مولانا نور صاحب کے طالبوں میں نہ صرف مولوی، امام اور اساتذہ تھے بلکہ ان کے مریدوں میں کاریگر، کاروباری آدمی اور سرکاری آفیسران اور ملازمین بھی تھے مولانا کی شخصیت کے ہی طریقے کا ہی اثر تھا کہ انکی ہدایت سے بہت طالبان کی زندگیوں کے اطوار بدل گئے وہ ان سے بعیت کرتے وقت پنجگانہ نماز، اسلامی آداب اپنانے، ڈاڑھی رکھنے اور کان، آنکھ اور مونہ کو ضبط میں رکھنے کی تاکید فرماتے۔ انہیں ایسے مریدوں سے کافی محبت ہو جاتی جو دنیا سے زیادہ آخرت سنوارنے کے لئے ان کے پاس آیا

کرتے تھے۔

ان کی اکثر صحبت کا پابند بنتے ہی ایک سکون محسوس ہوا غیر شرعی کتابیں پر مجھے پابندی لگ گئی غیر ضروری کاموں اور بے جا معاملات میں مداخلت کرنے کے لئے روکاوٹیں پیدا ہوئیں زندگی کو ایک ضابطے اور قاعدے کے تحت گذارنے کا موقع ان کے زیر قیادت ملا۔

ایک روز ان سے ملنے گیا نماز جمعہ کا وقت نزدیک تھا ان کی نزدیکی مسجد میں داخل ہوا مولانا کے بائیں جانب خالی جگہ دیکھ کر ادھر ہی بیٹھا اور سلام گذادی۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد ہاتھ کے اشارے میں دائیں ہاتھ کی انگلی میں لگی انگوٹھی اتارنے کا اشارہ دیا نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان کے ہمراہ ایک اور صاحب کے ساتھ دولت خانہ میں داخل ہوا۔ انکے مجلس میں فرمایا کہ مردوں کے لئے ریشم کا لباس اور سونے کی انگوٹھی پہننا شریعت کی رو سے ناجائز ہے البتہ گھڑی پہننا جائز ہے وہ ضرورت کی جائز چیز ہے اور ہر وقت کارآمد ہے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کوئی اہم چیز نہیں کیونکہ اس میں ایسے زیادہ پروگرام بھی ہوتے ہیں جو دنیا پرستی کیطرف دعوت دیتے ہیں۔

ان کے اقوال زرین یہی رہے اللہ کی رضا پر رہنا صبر وشکر کرنا ضبط نفس ہی جہاد اکبر ہے تقدیر مکمل ایمان ہو کامل بھروسہ ہو اسیمیں فلاح ہے روز مرہ اوقات کو ٹائم ٹینل کیمطابق گذارنے سے زندگی افرا ادتفریط سے بچ جاتی ہے

جہنم کے تین بڑے دروازے منہ کان اور آنکھ ہیں جس نے ان پر ضبط کیا اس نے نجات پائی ضرورت کے مطابق کلام کرنے سے سکون قلب ملتا ہے گھر کو اسلامی ماحول میں ڈھالنے کیلئے بیوی کو نمازوں کا پابند بنایا جائے فحش کلاموں، گانے بجانے کی محفلوں سے چلتے پھرتے آنکھیں نیچی کر کے غیر محرم مرد و عورتیں ایک دوسرے سے بچ سکتی ہیں مسلمان عورتوں کو پردہ کرتے ہوئے چلنا چاہئے اور غیر شرعی محفلوں سے بچنا چاہئے لوگوں کے معاملات میں ٹانگ لڑانے اور فتنہ فساد میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے۔

ہاتھ کی لکیریں اور قسمت کا حال اور فالنامہ دیکھنا جائز نہیں ہے فضول اخراجات سے بچنا چاہئے۔ مسلمان کو زبان پر ہر وقت کلمہ حق اللہ کی یاد اور حضرت رسول اکرمؐ کی محبت رکھنی چاہئے۔ خیرات و صدقات مستحق غریب ہمسایہ، رشتہ داروں، قرضداروں، مسکین عیال باروں، یتیموں، قیدیوں اور اسلامی ضرورت مند درسگاہوں کو دینا چاہے۔ قضا نمازوں کو اندازہ کر کے پڑھنا چاہئے۔

جون ۱۹۹۰ء میں ترال میں اس وجہ ہڑتال رہی کہ نور صاحب کو فوج گرفتار کر لے گئی انہوں نے بتایا کہ صبح نماز سے پہلے فوج نے مکان کا گھیراؤ کر ڈالا کمروں کی تلاشی کے بعد انہیں ساتھ لیا اور آنکھوں پر پٹی باندھی۔

ائر پورٹ انٹروکیشن سنٹر لے جا کر کچھ پوچھ گچھ کی گئی پھر دوسرے روز سہ پہر کو ترال بازار میں واپس چھوڑا گیا۔ ایک روز مجلس میں موجودہ عسکری تحریک پر بات چیت ہو رہی تھی انہوں نے فرمایا مسلمانو ذرا سوچو کشمیر کے ہندوں نے کفر کی خاطر اور اس کی محبت کیلئے اپنے وطن، زمین، جائیداد، گھر اور عیش و آرام کو چھوڑ کر کشمیر سے باہر جا کر جلا وطنی کی اندگی بسر کر لی اور تم مسلمان ہو کر دین محمدی کی پیروی نہیں کرتے اور مال و دولت سے محبت کرنا نہیں چھوڑتے۔ اسلامی تحریک کا ساتھ دنیا ہمارا فرض ہے مولانا ضبط تولید کے خلاف تھے اور فرماتے تھے کہ بچوں کی بدولت ہی سے اللہ گھر میں برکت عطا کرے گا۔ مسلسل پریشانیوں پر صبر کی تلقین اور پیغمبروں اور اولیاء کرام کو دشمنوں اور ظالموں کی ایذائیوں پہنچانے کی مثالیں دیتے ہوئے واضح کر دیتے تھی کہ ظلم سہنے سے گناہوں کا بوجھ کم ہو جاتا ہے اجر ملتا ہے اور آخرت سنورتی ہے پیر و مرشد کی دعاؤں اور تجویزات کے بعد مسلسل پریشانی آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے صبر و سکون سے گذر بسر کر ہوئی دشمنوں کی چالیں آگے نہیں بڑھ سکتی ہیں۔

ایک مجلس میں فرمایا تم دنیا کو ناپائیدار سمجھ کر بھی امیری کے خواب دیکھتے ہو اس سے کیا

حاصل ہوگا۔ دنیا فانی ہے زندگی کو بلا وجہ پریشانیوں میں مت گذارو صبر وسکون کے ساتھ اپنے پیشہ کی آمدنی کے تحت خرچہ کرو، قرضہ سے بچو، بچوں کو اسلامی آداب دو، دوسروں کے معاملات میں ٹانگ مت اڑاؤ۔

خیرات دینے کے متعلق ان کا یہ فرمان رہا کہ محتاجوں اور مسکینوں میں پہلے ہمسایہ اور نزدیکی رشتہ داروں کو دیکھو اسکے بعد ان قیدیوں کو دیدو جن کا کوئی نام لیوا نہ ہو۔ درسگاہوں اور اسلامی مدرسوں کو خیرات دو جہاں مفلس بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں

راقم نے ایک روز خواب میں مولانا نور صاحب کو حسب معمول الگ تھلگ کمرے میں پایا۔ انہوں نے فرمایا تم نے کبھی یہ تذکرہ ہی نہیں چھیڑا کہ تم فلاں شاعر (غلام نبی ظہور) کے بیٹے ہو۔ اس کا شائع شدہ کلام مجھے ضرور دکھانا پندرہ روز بعد اپنے مرحوم والد کی پمفلٹ نما کتابیں لیکر حاضر ہوا اور خواب کا تذکرہ چھیڑا۔ انہوں نے دس منٹ تک ان کتابوں ورق گردانی کی اور پھر مجھ سے ان کی زندگی کے مختصر حالات پوچھنے کے بعد جواب دیا۔ اچھا یہ دس سال قبل فوت ہوئے ہیں افسوس تم اپنے والد کی روحانیت کے اثر سے بے بہرہ رہے ہو کیونکہ تمہارا ماحول ہی اس طرز کا نہ رہا ہوگا۔ اٹھی جوانی ہوگی ذکرواذکار، عبادت وصبر کے ہتھیار استعمال کرو، دنیا پرستی کو چھوڑ دو اور اپنے کو فتنے سے دور رکھو پھر دیکھو آہستہ آہستہ تم میں روحانیت پیدا ہوگی اور جب دل پریشان ہوجائے تو اسی وقت والد کی شاعری کتابوں کا مطالعہ کرو۔

ایک روز فرمایا، مایوسی اور فکر کو چھوڑ دو خوشی اور پریشانی لازم ملزوم ہے یہ دنیا کا تقاضا ہے کہ مسلسل خوشی ہی نہیں رہتی ہے اسی طرح متواتر پریشانی بھی نہیں رہتی ہے ہر مشکل کے بعد راحت ضرور ملتی ہے۔

ایک روز مجلس میں کشمیر کی موجودہ تحریک پر بات اٹھی فرمایا تحریک میں دینی اور صالح قیادت سے کمزوری نہیں آئے گی وہ اپنے پیر مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علاوہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں کا تذکرہ اکثر کرتے رہتے نومبر ۱۹۹۲ء حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کے انتقال کی خبر سنتے ہی کئی اصحاب ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت مولانا پر غم کا اثر تھا اور اس مجلس میں انہوں نے مسیح اللہ خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا پر اثر تزرہ چھیڑا جس طرح ایک مریض اپنے جسمانی امراض کے متعلق حکیم یا ڈاکٹر سے بلا روک بتایا ہے اسی طرح ایک طالب اپنے پیر کے پاس وہ تمام دنیاوی مشکلات اور دنیوی مسائل گذار کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ ایسے معاملات کو وہ اپنے والدین اہل وعیال اور نزدیکی دوستوں کے سامنے ظاہر کرنے میں ضرور ہیچکچاتا ہے۔ اسطرح اکثر مریدان کے پاس آیا کرے بقول مولانا نور صاحب ایک پیر اپنے مرید کا ظاہری اور باطنی ڈاکٹر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کے تابع رہنا ضروری ہے اپنی پیر کی نظروں میں اس کا مرید ایک دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے۔

کتنے طالبوں اور مریدوں کو نور صاحب کے رحمت حق ہونے پر بڑا خلا محسوس ہوا

کتنے طالبوں نے اھاڑیں مار مار کر رویا کتنوں نے آنسو پی لئے اس نورانی ہرہ اور خلوص ومحبت کے پیکر سے کتنوں کو والہانہ محبت اور عقیدت واحترام تھا مولانا اپنے مریدین کے لئے ایک آفتاب تھے وہ ان کے فیض کا اثر مرتے دم تک محسوس کریں گے وہ کبھی نہیں بھول نہیں سکتے بقول شاعر ساحر لدھیانوی۔

جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک اٹھی
جب تیرا غم جگالیا رات مچل مچل گئی

ان کے انتقال کے کچھ ماہ بعد تکبیر نور رسالہ نے مولٰنا نورالدین نمبر نکلا جن میں مختلف علماء دانشوروں آفیسران اور عقیدت مندوں نے مقالات ومضامیں لکھے۔ اس سے پہلے ایک ہفتہ روزہ اخبار نے کشمیر علماء پر نمبر نکالا جس میں مولانا نور صاحب کا انٹرویو بھی شامل تھا کئی رسالوں اخباروں میں ان کے متعلق مضامین شائع ہوئے۔ ان کے فرزندان میں مولانا نور احمد ترالی اور دوسرے شفاعت احمد سرکاری ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر شار ترالی کی آئینہ ترال کتاب میں ان کی زندگی اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔

مولانا نورالدین صاحب ترال میں مدفون ہیں جو سرینگر جموں قومی شاہرہ پر اونتی پورہ سے مشرق جانب بالائی حصہ گیارہ کلومیٹر دور واقع ہے۔

ترال ☆☆☆☆☆ جولائی ۲۰۱۶

کوثر افغان

چکر ریشی پورہ چتر نار جنگل کے دامن میں ایک خوبصورت گاؤں ہے جسے اب کو ثر آباد کے نام سے جانا جاتا ہے یہاں صاف وشفاف چشمہ رواں ہے جس سے کافی مقدار میں پانی نکلتا ہے لوگوں کا کہنا ہے اس چشمے میں ''شاہ صابن ناگ'' یعنی شاہ صاحب کا چشمہ بھی کہتے تھے اسوقت جو لوگ شیخ حمزہؒ کی زیارت گاہ واقع تردیک اہم شریف پر جاتے تھے خاص کر میلے کے دن ۲۴ صفر المظفر لگتا ہے تو عورتیں اور بچے یہاں تک کہ ناخواندہ مرد بھی اس چشمے کے اوپر سڑک کے کنارے ایک ایک لکڑی کا ٹکڑا ڈالتے تھے۔

دو اور بزرگوں بابا ابراہیم صاحب اور دولت صاحب کے مقبرے بھی ہیں بابا ابراہیم صاحب سادنیر افغانستان سے یہاں تشریف لائے تھے جب کہ دولت صاحب پیشہ کے لحاظ سے کمہار تھے اور یہاں کے ہی پشتینی باشندہ تھے۔ جناب کوثر صاحب پہلے بھی دو بار کشمیر آچکے تھے اور اسلام آباد میں چند ماہ ٹھہر کر واپس جاتے تھے لیکن تیسری بار جب تشریف لائے تو اسی جگہ مقیم رہے۔ مزار محمد افضل بیگ صاحب سے خوب واقیفت تھی اور خواہش کرتے تو واپسی کا پارسپورٹ مل سکتا تھا لیکن حکومت کے سامنے جھکنا پسند نہ تھا ''شیخ محمد عبداللہ کے ابتدائی دور میں ہی افغانستان سے کشمیر آئے یعنی ۱۹۵۲ء سے

پہلے اور راستہ بند ہونے کی وجہ سے کشمیر حکومت کے مختلف مقامات کا دورہ کرتے رہے۔ آخر کار بانڈی پورہ تشریف لا کر چکر یشی پورہ میں چالیس سال تک مرجع خلائق رہے اور اب یہاں ہی آسودہ ہیں ان کا مقبرہ انہی کی قیام جگہ میں ہے۔

''مکہ معظّمہ میں جب پہلی بار وارد ہوئے تو کچھ وقت گذارنے کے بعد جبکہ حج کے ایام تھے آپ نے بھی احرام باندھا اور ۸ ذی الحجہ کو منا شریف حاجیوں کے ساتھ پہنچ گئے ۹ ذی الحجہ کو سخت بخار کی وجہ علیل تھے اس لئے میدان عرفات میں نہیں گئے منا میں ہی قیام کیا ایام حج کے اختتام پر جب معلوم ہوا کہ جو حاجی ۹ ذی الحجہ کو عرفات نہ جائے اس کا حج نہ ہوا تو سخت تفکر اور پریشان ہوئے۔ اس لئے پورے ایک سال تک وہاں ہی رُکے رہے

دوسرے سال حج اکبر تھا اور ادا کیا آپ نے خود فرمایا ہے کہ حج کا یہ رکن پہلے سال اس کی لاعلمی کی وجہ سے بھی چھوٹا تھا لیکن اس ایک سال کے دوران انھوں نے درس حدیث اور درس قرآن کی محفلوں میں شامل ہونے کی بنیاد پر نہ صرف قاری القران بن گئے بلکہ احادیث کا خاص حصہ بھی حفظ ہو گیا۔ پہلے سال کے حج کے فوت ہونے کا انہیں شدت سے احساس ہوا تھا اور اسے اپنی لاعلمی کی وجہ قرار دیتے تھے اس لئے سال بھر عاجزی اور انکساری سے دعا کرتے تھے اے اللہ! جو کچھ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم پر تونے اتارا ہے۔قرآن مجید میرے سینے میں بٹھادے۔دعامستجاب ہوئی اور سینہ علم قرآن کے نور سے بھر گیا۔

عام طور پر جب کوئی حاجت مند یا عقیدت مند حاضر ہوتا تو صرف قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے ماسوائی عیدین کے بارہ ماہ مکمل روزہ رکھتے تھے قریب آٹھ سال ہوئے کہ آپ نے خوراک میں بالکل کمی کی تھی۔مکان کر مشرق اور جنوب میں دو جگہوں میں پتھر رکھے ہوئے موسم بہار میں اکثر انہی پھتروں پر بیٹھ جاتے تھے اور عقیدت مند سامنے بیٹھ جاتے تھے دنیاوی گفتگو کرنے والے اور زیادہ باتونی آدمیوں کو ناپسند فرماتے تھے باعمل عالموں سے محبت کرتے تھے اوران کی قدر کرتے تھے مجلس عام ہو یا خاص نماز کے وقت فوراً اٹھ جاتے تھے اور موجود لوگوں کو بھی نماز ادا کرنے کی تلقین فرماتے تھے وقت کی سخت پابندی کرتے تھے مسلک حنفیہ کے مطابق وقت کی پہچان دھوپ کے سایئے سے کرتے تھے حالانکہ جیب گھڑی ہمیشہ پاس رہتی تھی کمرے میں ٹائم پیس بھی لگی رہتی تھی کچھ خادموں نے ''کلاک'' بھی بہم پہنچا کر کمرے میں نصب کردیئے تھے لیکن آپ نے ان کی آواز کو اپنے شغل میں غلل ہونے کی وجہ سے اٹھوایا۔آپ سخت نفاست پسند تھے میل کچیل اور گندگی سے نفرت کرتے تھے لباس صاف و پاک استعمال کرتے تھے سفید لباس زیادہ مرغوب طبع تھا عطر پسند فرماتے تھے تقریباً بیس سال سے

بازار کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے البتہ ایام تشریق میں قربانی گوشت تناول فرماتے تھے۔سال ۱۹ ماہ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ سے آپنے گوشت کھانا بالکل ترک کردیا۔آپ چونکہ دائمی روزہ دار ہوتے تھے افطار کے وقت دودھ اور پانی ملا کر ایک کلو بھر میں تھوڑی سی لپٹن چائے اورتھوڑی سی کھانڈ ملا کر نوش فرماتے تھے۔

سحری میں کچھ نہیں کھاتے تھے رات کو اکیلے رہتے تھے دن کو ایک قریبی ہمسایہ خواجہ سلام جان صاحب خدمت کا حق انجام دیتے تھے اگر کوئی عقیدت مند مکان کی بنیاد ڈالنے کے وقت یا شادی بیاہ اور نکاح خوانی میں شمولیت کے لئے مجبور کرتا ہے تو آپ اول تو دعا کر کے معذرت کرتے تھے کوئی عقیدت مند زیادہ اصرار کرتا اور جانیکے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اس باشرلعیت کوثر افغانی فقیر پیر کے متعلق معلومات کا کچھ حصّہ مرحوم محمد طیب شاہ (چاچا) اور دینی بزرگ حضرت محمد رحمت اللہ صاحب بانڈی پورہ سے ملی چکا ہے مھمد طیب شاہ تو ۱۹۸۲ء اسکے پاس قیام ہو کر چلہ گذاری کی تھی پھر کچھ عرصہ ان کی صحبت میں ویام پذیر رہا کرے تھے۔ساحب کتاب ۲۰۰۰ کے بعد ایک بار اور مئی 2016 دو گھنٹہ مقبرہ احاطے میں حاضری دیکر صبر وسکون حاصل کر چکا ہے

بانڈی پورہ ☆☆☆☆☆☆☆ فرودی ۲۰۱۷ء

حضرت محمد رحمت اللہ صاحب کی دینی خدمات فہم و فراست اور بزرگی

یہ بات اظہر المن الشمس ہے کہ وادی کشمیر جو کہ ہندوں کا مسکن تھا مسلمان بہت کم تعداد میں تھے ہمدان سے حضرت امیر کبیر میر سید علیؒ دین اسلام بھیلانے کے واسطے سات سو سادات کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے خود سرینگر کے خانقاہ معلیٰ میں قیام فریایا جو۔ان کے حسن اخلاق سے لوگ مسلمان بنتے گئے اور تبلغی مشن کے ساتھ بزرگان دین خانقاہوں میں راہ سلوک کی تعلیم دیتے رہے اسلامی دُرسگاہوں کا سلسلہ چالو کیا گیا جس طرح امیر کبیر نے خانقاہوں کے ساتھ درسگاہوں کا طریقہ رانج کیا اس طرح حضرت سلطان العارفین نے کوہ ماران سرینگر کی جگہ درسگاہ قائیم کیا انیسویں صدی میں وادی لولاب نے ایک ایسی شخصت کو جنم دیاا۔جنہوں نے دیو بند جا کر دارلعلوم میں اسلامی خدمات وقف رکھے یہ تھے۔ایک سو سال قبل اسلام کی اشاعت و ترویج کر کے اسکے اثرات نہ صرف ہندوستان پر پڑے سعودی عرب،مصر، افریقہ، ویسٹ انڈیز، اامریکہ اور انگلستان تک اس کی اشاعت کرائی گجرات کے اسلامی مدرسہ کے شیخ الحدیث اور پرنسپل رہے ان کے فرزند حضرت مولٰنا انظر شاہ صاحب شیخ الحدیث دارلعلوم دیو بندر ہے۔میں اسلامی مدارس کی مکافی تعدا موجود ہے ان کی بدولت علوم اسلایہ پروان چڑھا ہے۔جن میں دارالعلوم ندوۃ لکھنوئے مولانا ابوالحسن ندوی کا بھی برا کارنامہ ہے انکے تحت ملک بھر میں اسلامی اشاعت سرگرم میں مدراس۔

کشمیر میں ماضی سے اسلامی مکتب اور رسگاہ یہاں کے مسلمان بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کراتے آئے اس وقت بھی ایسے مدارس کی تعداد کافی ہے مسلمان گھرانوں سے وابستہ لڑکے علم دین حاصل کرتے ہیں مگر بانڈی پورہ میں قائم کردہ ادارہ ممنفرد ہے۔۔اس کی پہچان کشمیر سے باہر مقبول ہو چکی ہے یہ ادارہ کالج سے لیکر اسلامی یونیورسٹی تک کی تعلیم کے درجے تک پہنچ گیا۔ ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کی علی ذہنی ورروحاانی بصیرت کا نتیجہ ہے کہ اس ادرے سے ب تک سینکڑوں طلباء اسلامی علوم سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ یہی طلباء مختلف جگہوں پر اسلامی شاعت لوردینی خدمت میں لگے ہیں۔ اور حطا کہ کئی دگری یافتہ ہو کر اعلیٰ عہدوں پر عمی فائز ہیں۔

سرینگر سے شمالی جانب ۶۰ کلو میٹر دور کوہ ہرموکھ پہاڑی ہرموکھ سلسلے کے ڈھلوان بانڈی پورہ کا اقصبہ ماضی سے ہی علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔اسی علاقے کے متعلق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا خضر سوچتا ہے ڈلر کے کنارے

بانڈی پورہ کے ایک زمیندار میر خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد رحمت اللہ نے صاحب پنچویں دہائی میں جنم لیا۔ ۱۹۷۰ء میں وہ میموریل ہائیر سکنڈری سکول بانڈی پورہ میں سکینڈ ائر میں داخل تھے کسے کہ نان میڈیکل انڈر گریجویٹ طالب علم صرف آٹھ برس بعد ایک حافظ قرآن، عالم اور صاحب، بصیرت ہو کر چمکنے لگے۔ یہ عالم ایسے آفت

آفتاب بن کر نمودار ہوئے جن کی کرنوں سے ہزاروں طالب علم اسلامی عوم سے سرفراز ہوئے۔ ساتویں دہائی دیو بند تعلیم کے حصول متعلق فرما چکے ہیں کہ مولانا غلام حسن ایرج نے ہی ترغیب دی جبکہ ملا محمد اصفر صاحب مدرسے کے چندے کے سلسلے میں کشمیر آئے ہنمائی کی۔ ایک فقیر بزرگ نقشبندی پابند شریعت تھے بانڈی پورہ نزدیک ان کے ہاں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا حضرت کوثر صاحب افغانی وہ جلالی تھے مولانا محمد رحمت اللہ صاحب دیو بند سے کشمیر آئے دوران تعلیم تو ان کے دربار بھی جاتے۔ وہ ان پر مہربان تھے جس طرح کسی درحت کو کوئی پانی دیتا ہے گڑائی کرتا ہے اس طرح ایرج، اصغر صاحب اور کوثر صاحب اور، حضرت مولانا نورا الدین ترالی نے انہیں ظاہری اور باطنی استقامت دیدی۔ والد صاحب سیف اللہ میر ایک معمولی سرکاری ملازم ہو کر اپنی شراف اور دیانتدادنی سے بچوں کی تربیت گرر ہے تھے۔۔ بانڈی پورہ میں ہی سنایا گیا کہ مولانا محمد جب مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کالج میں زیر تعلیم تھے تو ایک استاد نے ان کی فہم و فراست اور قابلیت دیکھ کر بتادیا کہ اس میں ایک بڑا سائنس دان بننے کی صلاحیت ہے۔ آج وہی مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کشمیر کے ایک بزرگ عالم اور دارلعلوم کے ناظم اعلی کے طور دین اسلام کی خدمت وقف رکھے ہوئے ہیں۔ جو مدرسہ انہوں نے خدا کی امید پر ۱۹۷۹ء میں صرف گیارہ طلباء کے داخلے سے شراع کیا تھا وہ آج دینی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔

دارالعلوم کے زیر نگران سکول فیض عام سے فارغ شدہ کئی طلباء ڈاکٹر انجینیر بن کر عوامی خدمت کر کے اور کئی آرٹ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں

دارلعلوم رحیمیہ میں خالص اسلامی اور عربی تعلیم معہ اسلامی قوانین پڑھانے کیلئے شعبہ تحصص ، شعبہ قران کریم ، شعبہ مدارس یومیہ، شعبہ عربی اور دورہ حدیث مختص ہیں۔۵۰۰ سے علاوہ طالبا کے قیام، طعام لباس اور رہایش۔ وغیرہ مدرسہ کی طرف سے فراہم ہوتا ہے جبکہ بقیہ طلبا۔ کو جزوی وظیفہ ودری فیس کتابیں جاتی ہیں۔ ادارہ کا سالانہ خرچہ ۲۰۰۶ء میں ۲۰۰۶ سوا کر مد سے چالیس لاکھ روپیہ تھا۔ جبکہ تعیمرات کا خرچہ اس سے الگ ہے۔ شروع میں دارلعلوم کا سلانہ خرچہ بارہ ہزرروپے تھا۔ ۲۰۱۶ء میں سال خرچہ ایک کروڈ ۲۵ لاکھ روپے تک پہنچا ہے

کشمیریوں کو یہ بات ذہن میں بیٹھ چکی ہے کہ کچھ ایسے علمی ادارے یہاں سرگرم عمل ہیں جنہوں نے قوم کو بہت کچھ دیا۔ بے لوث اور احسن طور یہ کام انجام نینے میں د ارالعلوم رحیمیہ کا Contribution پندرہ برس میں بڑھ چڑھ کر رہا بلالحاظ مسلک علماء کراام اور فضلا اس ادارے سے کافی متاثر ہیں ۔ یہ ادارہ محض اسلامی مشن ہے کئی برسوں میں ناظم اعلی مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کو کڑی آزمایشوں اور مُشکلات سے گذرنا پڑا جو مگر یہ فطرت کا تقاضاا ہے کہ خلوص نیّت سے کوئی بھی کام انجام دیتے والوں کو قدرت غیبی طاقت عطا کرتا ہے

بقول کوئی شاعر

اِرادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

وادی کا ہر مکتب فکر اس ادارے سے ایک جیسی عقیدت رکھتا ہے قلمے، قدمے درے اور سخنے خدمت کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ اس ادارے کا نظام بہت اچھا ہے۔ بانڈی پورہ کے تاریخی قصبہ نے کافی شخصیات پیدا کیں جنہوں نے علمی، ادبی اور سرکاری حلقوں میں نام لکھایا وہیں مولانا محمد رحمت اللہ میر صاحب جیسے بصیرت افروز عالم دین کی کشمیر میں حاص پہنچان ہے۔ جنوبی کشمیر کے ان صاحب کا کافی احترام ہے اور وہ انہیں ایسا شمع علم اور روحانی شخصیت گردانتے ہیں کہ اپنے شاگروں کو ان سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دیتے۔ مولانا محمد سعید مسعودی گاندربل کی وصیت کے مطابق ان کی لاپئر یری کی ایک ہزار کتابیں اس دارلعلوم کو وقف کی گئیں اسکے علاوہ حمنبت اسلام صدر عبدالاحد جامعی اور سکالر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کے علاوہ پرفیسر غلام محمد شاد بچھاڑہ نے بھی کتابوں کا ذخیرہ اس دارالعلوم کیلئے واقف کیا۔

مولانا عبدالرشید بچہ ہاڑہ پلوامہ کو مولانا عقیدت و تعلق رہا ہے۔ مولانا محمد ایوب شاہ شوپیان کو بھی مولانا رحمت اللہ صاحب سے قربت حاصل کیا۔

۱۹۹۳ء ایک نیک دل خاتون غریزا نساء نے نسو میں ۱۴ کنال رقبے کا سیب باغ

دا اار العلوم کیلئے وقف کیا اسی جگہ جدید طرز کا دارلعلوم بنایا گیا۔ مسجد شریف کے علاوہ کتب خانی، اقامتی (ہوسٹل) دفاتر، طلباء کو تعلیم دینے کیلئے کمرہ جات کے علاوہ طعام گاہ، لنگر خانہ، گودام وغیرہ تعمیر ہوئے ہیں چار منزلہ مسجد شریف ۱۱۷ X ۹۱ اور اس کے سامنے کھلے میدان کے دونوں اطراف ومنزلہ دو عمارتیں ۳۰ x ۱۵۰ اور ۳۰ x ۱۵۰ سائز کی کھڑا کی گئی ہیں مشرق طرف جدید لا بریری زیر تعمیر ہے۔ اس کے متصل مزید ارضی خرید کر دارلعلوم کو وسعت دی گئی ہے اُساتذہ کرام کیلئے آقامتی جگہ بھی ہیں طالبات کیلئے علیڈہ جگہ سکول ہے وہاں ایک زمانے میں گھراٹ تھا جسے ایک نیک دل صاحب نے معہ ملحقہ زمین عطیہ دیا۔ میقات الصلوٰۃ کے اجراء کرنے کا جو کام حضرت مولانا محمد رحمت اللہ نے انجام دیا۔ اس کی بدولت دارلعلوم رحیمتہ کے ساتھ مسلمانان کشمیر کو بڑی عقیدت لگ گئی ان کی بزرگی کی وجہ پر سارے کشمیر میں انکے معتقد موجود ہیں اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا دن بدن دارلعلوم رحیمیہ کے پھنے پھولنے کی سب سے بڑی وجہ درجنوں بزرگان دین کی توجہ دعا اور حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب سے سینکڑوں عقیدت رکھنے والوں کی دلی مسرت ہے خوشی ہے کہ سالانہ جلسوں میں بیرون کشمیر کے بہت سے اکابر علماء تشریف آودی ہوتی رہتی ہے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم پانڈوی، افریقہ کا اس مدرسہ سے خاص لگاؤ رہتا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۳ء میں باغ میں نئے دارالعلوم کی مسجد شریف کی سنگ بنیاد ڈالی گئی۔

ایسے بزرگان کے ہوتے مدرسہ کے اونچے درجے تک پہونچے میں حضرت مفتی محمودالحسن گنگوہیؒ اور مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کے حکم اور ارشاد کو خاصا عمل دخل حاصل رہا ہے۔ جنہوں نے جلالین شریف مشکوٰۃ اور دورہ حدیث کے انتظام کا حکم صادر فرمایا۔

ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب دن رات اس دارلعلوم کی نگرانی اور انتظام کو سنبھالتے آئے ہیں۔ کشمیر اور اسلامی مدارس کے جلسوں میں شرکت کی دعوت ملتی ہے۔ انکے خاندان کے اصحاب ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جن میں حافظ ہدایت اللہ پیش پیش ہیں برادر حاجی حبیب اللہ بیروں کشمیر علماء تقریبات اور خاص کر اعتکاف کے ایام میں مہانوں کی خدمت کرنے میں خاصا کردار نبھاتے ہیں۔ فرزندان مولانا محمد حمید اللہ اور مفتی محمد عنایت اللہ دارا ے کی تعلیمی خدمات میں جٹے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم رحیمیہ کو یہ اقبال مندی ملی ہے کہ حُسن و اخلاق کے مُجسمہ اور ہونہار و قابل مفتی نذیر احمد صاحب اسکے ورثے میں آئے ہیں۔ ادارہ سے مفتی مسلم پرنسپل لابورڈ کے لائف ٹائم ممبر ہیں ان کی بصیرت افروزی اور بالغ نظری سے انتہائی پیچیدہ مسائل کا سدباب ہوتا ہے کشمیر عظمیٰ میں قران وحدیث کے حوالے سے ایک صفحہ مخصوص ہر جمعہ رہتا ہے اور اس میں مختلف علاقوں کے مسلمانان اپنے نجی اور اجتماعی مسائل کے متعلق اسوالات کے جواب مفتی ہی دیتے ہیں۔ مفتی اسحاق نازکی اور مفتی یعقوب دارلافہا کے منظم ہیں۔

کشمیر میں مرزایوں کے فتنے اور مسلمانوں کو اس متعلق واقفیت ۔ دلانے میں جو کام دار العلوم رحیمیہ نے کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں کشمیر میں مختلف مکاتب فکر نے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل ہوئی اسوانکی طرف سے حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہتی ہے۔ اسلام کے عقیدے ایمان کی پختگی اور آحرت کی سرخ روئی کے واسطے مولانا محمد رحمت اللہ انفرادی اور اجتماعی طور رہنمائی کرتے رہتے ہیں کچھ سالوں سے کشمیر میں عسیائی کا مسلم معاشرے ہیں میں گھس کر نوجوانوں کو لالچ دیکر راغب کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کی تہہ میں جانے اور اسکا علاج حکیمانہ طور کرنے کیلئے مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کا کردار اچھا رہا اس فکر مندی کیلئے وہ دن رات جٹھے رہتے ہیں ذکر داذ کار اور وظالف کی مجلس صبح شام کے بعد ہوتی ہے۔ مدرسہ کے ساتھ ۲۵ سال کی وابستگی جن اصحاب کا ذکر نہ جائے تو یہ ایک کمی ہوگی۔ ان میں مولوی فیاض احمد قاسمی نثار حمد خان مشتاق شاہ، کئی سالوں سے مفتی شوکت عبدالرشید فاروق صاحب عجاز صاحب۔ مفتی ممتاز احد اور مفتی سجاد حین مدرسہ میں بحسن خوبی کام انجام دینے آئے ہیں۔ بکُ ڈیو کا نظام عبدالر شید صاحب کے ہاتھ ہے۔

(مطبخ کا انتظام احسن طرریقے سے ہو رہا ہے ڈور اور تردیک کے آئے مہانوں کی یہاں پر آوَ بھگت ہوئی ہے۔ رمضان المبارک کے ایام میں مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کے کشمیر کے مختلف گوشوں سے مرید، عقیدت منداور علماء روحانی فیض کے حصول

کیلیے آتے ہیں۔سینکڑوں اعتکاف میں بیٹھ جاتے ہیں۔ذکر واذکار مجلس صبح کو نماز کے بعد ہوتی ہے۔نماز عصر کے بعد طلباء کو روزانہ کو تعلیم اور وظایف کی تعلیم ہوتی ہے۔عشاء کے بعد صلوٰۃ سلام اور سورہ یسن تلاوت کی جاتی ہے۔اسی طرح صبح کو بھی یسن کی تلاوت ہوئی ہے دار لعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کے زیر نگران کئی مکتب اور درسگاہیں علاقہ بھر میں دینی تعلیم کیلیے مخصوص ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۵ءکو کشمیر میں آئے زلزلہ کی وجہ سے اوڑی میں مساجد کی از سر نو تعمیر کرنے کیلیے مولانا محمد رحمت اللہ۔نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔پہلی مرتبہ ۱۴ نومبر ۲۰۰۰ء کو چھ طلباء کو حدیث کورس مکمل کرنے پر مولانا الطر شاہ کشمیری نے ستار بندی جبکہ دوسری مرتبہ میرٹھ کے شیخ الحدیث مفتی محمد روف کے ذریعے سے فارغین کی دستابندی ۲۰۰۲ء میں کی گئی۔دونوں موقعوں پر نہ صرف بیروون کشمیر سے علماء اائے بلکہ کشمیر کے کونے سے علماء فضلاء عوام وخواص اور طلبہ موجو تھے۔

اس ادارے سے یہ کتب اور سالے چھتے س ۱۹۷۹ء سے اردو ماہوار النور شائع ہوتا ہے کئی سالوں سے انور (انگریزی) ۳ کتابوں کی اشاعت درسی کتابیں اردو عربی میں حدیث شریف کتابیں ۵ ختم نبوت پر کتاہس ۶ اصلاحی تبلیغی کتابیں کتابوں کی جلیدی سازی ہوتی ہے پہلے کتابوں کی کتابت ہوا کرتی اب کیمپوٹر پر ہوتی ہے۔ریسل اور کتابیں دیوبند دہلی سے چھپ کر آتی ہیں۔

ہالی شان لابر کیری یں عالمی اسلامی ۔ ملکی ، کشمیر کی تاریخ ادب ، عربی زبان اور درو
ٖغیرہ کی بیں ہزر کتابوں کے علاوہ قرآن مجید قلمی اور دیگر کتابیں موجود ہیں۔ حضرت
مولانا محمد رحمت اللہ نے کئی کتابیں تفیف کی ہیں جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
۔ ترجمہ اور ادفتیحہ معہ رومن انگرریزی وکشمیری ترجمہ فضائل درودشریف شامل ہیں مولانا
کے نظم وضبط اخلاقیات سنیجدگی ، خوش مزاجی ، فہم وفراست بچوں کو پڑھانے کا طرز
دادالعلوم کے ہر شعبہ کی فگرانی کے علاوہ طائرانہ فظر روحانی بصیر قابل دار ہے وہ
خطابات میں جذبات سے بالاتر ہوکر وسع نظرا ہوکر مسلمانوں کے اتحاد واتفاق بنائے
رکھے کی تلقیں کرتے ہیں۔ نہ وہ شہرت کے متلاشی ہیں اور نہ ہی اس کیلئے کوشاں ہیں
عقیدت رکھنے کے ساتھ علماء ادباء روحانی شعراء کے قدردان گفتگو سے عیاں ہے

ماہوار النور کے ہزاروں خریداد ہیں پمفلٹ کتابیں وقت وقت پر منظر عام پر
آتے ہے میقوۃ الصلوۃ (نماز کے اوقات) پوسٹر اور پاکٹ سائیز پر جموں اور کشمیر اضلا
ع کے تقسیم ہوتے ہیں۔ منگوائی کتابیں رعائتی داموں پر بکتی ہیں

ہر ماہ خانقاہ محمود میں خاص مجلس بعد عصر تا بعد عشاء خانقاہ کے تعلق دالوں
کیلئے رہتی ہے آداب اسلامی اور اصلاح نفس کے واسطے گونے کونے سے سفر
کاٹ کے اس جگہ پہنچے ہیں کبھی تعدا ۵۰۰ تک بڑھتی ہے خوردونوش کا انتظام

حاجی جیب اللہ اور محمد جبار خاض طور خدمت ان کے ذمے رہتا ہے۔

مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کو نہ صرف کشمیری میں اسلامی جلسوں میں شریک کی دعوت مہمان خصوصی ہوتی ہے بلکہ علماء کانفرنس مجالس دہلی حیدر آباد، مدراس، کلکتہ، دیوبند، جموں کے علاوہ پاکستان اور افریقہ جانا پڑتا ہے کبھی ان کی واپس ہفتہ بھر ہوتی ہے مگر افریقہ میں ان کا قیام دو ہفتے رہتا ہے عام جلسہ ہوتا ہے کئی سال پہلے انہوں نے آذربائیجان بخارا سمرقند کا بھی تفصیلی دورہ کیا ہے

فردوی ۲۰۱۷ ☆ ☆☆☆☆ بنانڈی پورہ

شاعرِ وطن غلام نبی ظہور کی اَدبی خدمات

یہ بات عیاں ہے کہ جو علاقے اس وقت ضلع پلوامہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اُن میں کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں قدیم زمانے سے ہی کشمیری زبان شاعری اور علم کو آبیاری ہوتی رہی۔ گذرے زمانے پر نظر ڈال کر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ علم وادب کے چشمے اور شعر گوئی کے آبشارے پلوامہ میں ہی وقت وقت پہ پھوٹ پڑے ہیں۔ شعروشاعری نے اچھی طرح قدم بڑھائے اور پر پھیلائے۔

پدَ مان پورہ (پاپنور) کی لل دید کی شعری واکھ کھریوشار کے وہاب کھار کی صوفی شاعری نے مقبولیت پائی۔ رومان پروری شاعری کے طور حبہ خاتون (چندہ ہارہ کی زون) نے خاص مقام حاصل کیا۔ صوفی شاعری کے طور مومن صاحب بہ گام (چندگام) اور سوچھ کرال اندر) نے عارفانہ کلام پیش کر کے کمال پایا۔ قومی شاعری کی حثیت سے پیرزادہ غلام احمد مہجورؔ (متری گام) نے اپنا کردار بخوبی نبھایا بیسویں صدی کے ہی دور میں محی الدین نواز (رتنی پورہ) انقلابی شاعر عبدالستار رنجور (کیگام) اور عبدالرحمان آزاد کو ئیل کے علاوہ بزرگ شاعر رجب حاند (ترال) کی شاعری نے شہرت پائی۔ وہیں غلام رسول غیور تن نے پُر لبسیار گوئی شاعری کی۔ کئی اور شعراء نے علم وادب میں نام کمایا۔

تحصیل پلوامہ کے شمالی مغربی حصّے کو چھراٹ کہا جاتا ہے جبکہ جنوب مشرق حصّے کو

علاقہ شاہورہ (پرانا نام شاہ ورہ) کے نام سے پہچانا اور جانا جاتا ہے کشمیر کے خاص صوفی شاعر سومن صاحب بہ گام (چندگام) کاظم گنائی (ذاسو) اور کبیر میر (آرمولہ) مختلف ادوار کے شاعر ہیں ایک دوسرے جڑے ان گاؤں کے درمیان میں تملہ ہال واقع ہے جو کہ غلام نبی ظہور کا آبائی گاؤں ہے اسطرح چاروں دیہات علاقہ شاہورہ سے جڑے شعری ذرخیریت رکھتے ہیں۔۔

غلام نبی ظہور نے بیسویں صدی میں ضلع پلوامہ کے پُرگو شاعر حثیت سے ناموری حاصل کی ہے جسکا اعتراف کئی شعراء ادباء نقاد ایڈمنسٹریٹر بڑو ہیں غلام نبی ناظر کو لگامی عبدالستار رنجور ڈاکٹر علی محمد پانپور شیخ محمد حسین ڈی سی پلوامہ عبدالاحد فرہاد عبدالرحمان آزاد کر چکے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۹۶۲ء تک انکی چھوٹی شعرانہ کتابیں بازار میں آئیں دیگر شعراء لشمول عبدالاحد آزاد پیرزادہ غلام احمد مہجور عبدالستار رنجور اور فاضل کشمیری بازار میں آتی رہیں رہیں حطا کہ ایک درجن پفلٹ کتابیں کا کوئی نقل شاعر کے پاس بھی محفوظ نہ رہا۔ علاقہ شاہورہ کی اکثر ادبی شعری اور شادی بیاہ تقریبات پر اس شاعر پہلے شاد رنجور پھر غلام نبی ظہور کا کلام گونجتا رہا۔ ان نغموں اور گیتوں میں رومان پروری اور انقلابی جوش ہے عشق مجازی کے علاوہ صوفی شاعری کا جو رنگ ان کی شاعری میں جھلک گیا کسی حد تک ادبی حلقوں میں پہنچ گیا۔

جہاں مہجور کی گریس کور (کسان کی بیٹی) فاضل کی کرالہ کور (کمہار کی بیٹی) اور لالہ آرگامی (آرگام بانڈی پورہ) کی بٹہ کور (پنڈت لڑکی) کشمیری شاعری میں ایک منفرد سرمایہ ہے وہیں غلام نبی ظہور کی چھانہ کور (ترکھان نجار کی لڑکی) بھی ادبی شعری کا سرمایہ ہے جو دوبار شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ ظہور نے بچپن ہی سے شعر گوئی کی باطنی طور حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ (بحوالہ داستان حیات غلام نبی ظہور) اور صوفی شاعر عبدالاحد زرگر کے طالب بن کر ظہور نے وہ مقام پایا جس کے متلق بہت سارے ادبی حلقے اعتراف کرتے ہیں ہیر دیں سیر دیں علماء شعراء کی صحبت میں رہ کر ان کی شاعری میں نیا انداز کا جوش اور ولولہ پیدا ہوا نئے ہر صنف میں شعر گوئی کر کے ان کی شاعری نئے انداز سے جوڑ دی گئی۔

غلام نبی ظہور پیشہ کے لحاظ سے خوشنویس تھے ۱۹۵۸ء سے لیکر ۱۹۷۱ء تک آفتاب، مارتنڈ، چنار، زمیندار، ہمدرد، سرینگر ٹائمز نوجیون، ہمارا کشمیر اور مزدور سے وابستہ رہے اس دوران وہ سیاسی حلقوں اور اخباری دُنیا میں گم ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۷۱ء کو افالج بیماری سے کچھ دن موت وحیات میں مبتلا ہو کر رہ گئے اپنے روحانی کمالات پیر دمرشد کی دعاؤں اور بیوی فاطمہ بیگم اور بڑے لڑکے (حمید شاندار) کی دن رات خدمت سے انہیں [illegible] بند زبان پھر بونے لگی اور دوست حکیم غلام

مصطفٰے پنگلنہ کے علاج و معالجہ سے چھڑی کے سہارے چلنے پھرنے لگے۔ دائیاں ہاتھ بازو جواب دے کر بھی بائیں ہاتھ سے قلم کو تیر بنا کر اور زندہ دلی سے اسکو چلاتے رہے۔ نہ صرف شعر گوئی کی بلکہ ادبی انجمن محفل بہار ادب شاہورہ کی بنیاد ڈال کر ۲۱ ممبران کی کمانڈ سمجھنا لیے رہے۔ آدم تہ نوح، گفتار الفت، اسرار عشق، انوار معرفت تین درجن چھوٹی شاعری کتابوں کے علاوہ ۱۹۷۶ء میں باغ و بہار کا حصہ اول شائع کر کے حضرت امیر خسرو دہلوی (فارسی شاعر) اور میر امن دہلوی (اردو ادیب) کے زیر اثر ہے یہ اسی وقت کا ظہور صاحب ہے کہ مفلوجی کے دوران اور کم قلیل آمدنی کے باوجود شاعری اور ادب کی خدمت کرتے رہے سورہ یوسف کا منظور کشمیری ترجمہ، باغو بہار کے تین حصے اور باقی شاعری قلمی سرمایہ محفوظ ہے شعر گوئی کی نقل اور معاون کے ان کے فرزند حمید صاحب تھے گاؤں کے دوست ماسٹر غلام مصطفٰے ملک نے بھی قلمی خدمت انجام دی۔

وزیر اعلیٰ سید قاسم نے سماجی ادبی حشیت کے طور تا عمر ماہوار ۵۰ روپے کا وزیفہ عطا کیا عرڈرما نگار ادیب دینا ناتھ نادم کو ریاستی حکومت نے نقد ۵۰۰ روپے کا انعام اور شال فراہم کیا بھری تقریب میں نادم صاحب نے نصف رقم ظہور صاحب کو ہی ادا کرنے کو کہا کہ اسکا ادبی خدامات قابل فخر ہیں پھر محمد یوسف ٹینگ سیکرٹری اکیڈمی آف آرٹ کلچر

انیڈ لنگو یجز کی سفارش پر وزیر اعلیٰ محمد اللہ نے ڈیڑھ سو روپیہ کا ماہوار وظیفہ

" منظور کر وایا۔ جو تا حیات فروری ۱۹۸۲ء تک ملتا رہا۔ اسکے بعد اسکی اہلیہ کے نام منظور ہوا۔ جو دسمبر ۲۰۰۶ء ان کی رحالت تک ملا

غلام نبی ظہور کا بڑا قلمی سرمایہ منظوم تواریخ شاہورہ ہے جھپی تو کئی شعراء، ادباء و کلاء، اساتذہ، محکمہ مال کے اہلکار اس کے گرویدہ ہو گئے ۱۹۷۵ء۔ ظہور صاحب نے علاقہ شاہورہ کو صفحہ قرطاس پر لا کر محفل بہار ادب کے ذریعے سجانے کا کام انجام دیا۔

دُوبارہ فالج کا حملہ برداشت نہ کرتے ہوئے یکم مارچ ۱۹۸۲ء بروز پیر صبح کے وقت ۵۶ سال کی عمر میں یہ علم وادب کا چراغ اللہ کو پیارا ہوا گیا۔ اسے تملہ ہال کے ٹیلے پر واقع نشت گاہ حضرت سعید جعفرؒ کے آستان کے آگے دفن کیا گیا۔ یہ اک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ کسمپرسی کے ساتھ اُنہوں علم و ادب کی خوب خدمت کر کے عزت اور خودادی سے زندگی بسر کی اور ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنائی علاقہ شاہورہ میں ان کی شعر وادب خدمات کو شعراء و ادباء نے پہلے سراہا ہے منظوم خراج عقیدت میں ایک شعر رشید صدیقی نے اسطرح لکھا ہے۔

یتھ ہارہ ولنس منزژہ کھٹیتھ بُول تھاوان چھکھ

تتھ تار رخبر کاتہِ پھر کوڈ داش ظہورن

اس بولتی مینا کے جنگل میں تم جو اپنی بولی چھپا کر رکھتے ہو
اس تار کو کونہ جانے کتنی بار ظہور نے جھنجھوڑ کر کے رکھ دیا

غلام نبی ظہور کو ادبی اور عام حلقوں میں پہچان کرانے میں فرزند حمیداللہ حمید نے جو کام انجام دیا۔ ان میں انکے شعری اور کشمیری زبان کی خدمت کو احسن طریقے سے نمایاں کرنا شامل ہے۔ ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو دوردرشن کیندر سرینگر سے شاعروطن نام سے غلام نبی ظہور پر آدھ گھنٹے کی ڈاکومنٹری ٹیلی کاسٹ ہوئی۔ مارچ ۱۹۹۷ء میں انکے کشمیری کلام پاٹی وردن نام کی کتاب کلچرل اکیڈمی کے مالی معاونت سے شایع کرائی۔ کئی برسوں مارچ کے مہنیہ میں ان کی سالانہ برسی مناتے ہوئے خراج عقیدت کے طور ان پر مقالات اور بحث ومباحثہ رہا ہوا۔ علمی ادبی سیاسی اور سماجی شخصیات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ غلاام نبی ظہور پر اتبک کئی مضامین اخبارات میں شایع ہوئے ہیں۔

ان کی یادگار کے طور سرینگر میل اخبار انکے دوسرے فرزند منظور ظہور کئی سال شائع کرتے رہے۔ ۲۰۰۹ اور ۲۰۱۱ء میں بڑے پیمانے پر پلوامہ میں کلچرل اکیڈمی انفارمیشن اور بہار ادب کے متتہ کہ اشترک سے ظہور صاحب کی برسیاں منائی گئے۔ منظور ظہور نے کلچرل اکیڈمی کے تعاون سے کلام غلام نبی ظہور نزرانہ نام سے شائع کیا۔ رسم اجراء ۵ دسمبر ۲۰۱۷ء کو پریس کلب جموں میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆

پتھر کھانے والے قلندر کنہ مُت

کتاب کے مضامین مسودات معلومات جمع کے دوران والدہ مرحوم محترمہ فاطمہ بیگم سے کئی برس قبل کنہ مُت یاد پڑا کہ اسکی سہیلی اس کی نواسی رہی جبکہ نواسا اسی گاوٗن میں ٹھہرا ہے سڑک پر جاتے وقت وہ اکثر ملتا اُسے میں نے گھر آنے کی ترغیب دی دو گھنٹے تذکرہ چلتا رہا چائے کے دو دور چلے۔ غلام قادر گنائی کے والد مرحوم عبدالرحیم گنائی ۶۰ سال قبل انتقال کر چکے ہیں جبکہ اسکی لڑکی ۳۰ برس قبل فوت ہو چکی ہے اب غلام قادر خاندان کا فرد واحد بطور نرنہ نواسا موجود ہے گذر بسر کرتا ہے بزرگ کی عمر ۷۵ برس ہے اور چھڑی کے سہارے چلتا پھرتا ہے اس نے ہی کنہ مُت کے متعلق معلومات سے روشن سے کیا۔

کنہ مُت تو خاصا مقبول رہ چکا ہے اسکی ماں کاڑی چک نائرہ پلوامہ کی تھی اسکا اصلی نام عبداللہ ڈار عرف عام میں لوگ ابل ڈار بھی پکارتے تھے جنونی حالت میں رہا کرتا۔ مسجد کو آگ لگادی گاوٗں والوں نے نکال دیا۔ جنونی حالت میں جہاز بنادیا ۱۹۴۷ء کی بات ہے چلو چلو چلاتا رہا کہ ایکدم دہلی سے جہاز آنے لگے۔ چنار پر چڑھ گیا جہاز کر گیا پھر چڑھ گیا تب سے ہی پاکستانی قبائل حملہ ہونے لگا۔ لوگوں نے اس کو درگور کیا کتے آئے اور مٹی کھرچ کر اُسے واپس نکالا۔ جوتا پہن گھر اندر رہا فاتحہ پڑھنے لوگ گئے قبر کھلی

تھی۔ گھر کے اندر وہ گھاس کی چٹائی کے نیچے بھیٹا تھا گھر افراد شام کمرے میں بسترہ چھوڑنے آئے تو حیران ہوئے گھر کو مکمل طور خیر آباد کہاہ۔ بیوی کو خونخوار نالہ آڑہ لے ڈوب گئی۔ دوسری بیوی کے دواولا دتھے۔ اس کا نیادورشروع ہوا کہ بھاگتے ہوئے مغرب کیطرف شوپیان کے گرد میمندر رنزدیک مشہور ٹیلے سر سبز درختان علاوہ دیودار درختان لہن ٹھہرتر پورہ قیام کیا۔ شرف پورہ پارتوت کے درخت کٹوادے جبکہ اس دور میں یہ کافی جرم گردانا جاتا تھا پولیس آگئی گرفتار کر کے سرینگر سنٹرل جیل پہنچادیا گیا۔ داروغہ سے چابیاں لیکر مُنہ میں رکھ کرنگل جیلر نے شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کوفون کر کے حالات بتادئے وہ سنٹرل جیل آئے کنہ مُت کو پانچ پانچ انچ مینہ (کیل) حوالہ کر گئے۔ ان کوان کو چبا کرنگل لیا۔ دہکتے انگارے بھی سامنے رکھے گئے تو ان کو چٹ کیا پولیس ساتھ دیکر گاڑی میں واپس نائرہ کاڑی چک پہنچادیا ایک مہینہ ٹھہر کر ہالو پورہ گیا جہاں اس کا بیٹا تھا۔ شوپیان رتن پورہ پھر لہن ٹھہر دامن قیام پذیر رہا

غلام قادر گنائی نے واقعہ سنایا۔ جاڑے کا موسم تھا صبح چایئے پی رہا تھا چیلے پنچرن اچھن پلوامہ نالہ ربی آرہ کنارے کا بھی ایک بیٹھے تھے وہیں میں اور میری بہن رہتی تھی کہ اسی دوران ڈائن آگئی۔ ڈائن خوفناک جنگلی جانور عورت ذات جو غائیب ہوتی ہے حاضر رہی ہے نمودار ہوئی۔ ہمارے نانا نے ہم دونوں بھائی بہنوں بچے تھے اس جگہ

سے دور ہٹا دیا۔ وہ ڈائن بتاتی رہی کہ اُسے لینے واسطے آئی ہے وہ اسکے کندھے پر خود ہی چڑھا مگر ڈائن اُٹھ نہ سکی۔ وہ ڈائن منت وسماحت کرنے لگی

کہ خدا واسطے چھوڑ دو۔ کندھے سے اُترتے ہوئے کنہ مُت نے زور سے تاکید کی وٹونا سوز کے نمبردار کو ہی لے جاؤ کیونکہ اسکا ظلم بڑھ چکا ہے آنا فانا یہ ڈائن غایب چلی"۔

غلام قادر گنائی کا کہنا ہے کہ میری بہن کا نام رحتی دوسری بہن نام فضی جبکہ بڑی چچری بہن کا نام زیبہ بیوہ مرحوم حیات ٹھوکر، باقی بہنوں کا نام عشی اور خدیجہ اور میرے خالو ترچھل کے زیلدار ولی محمد الائی رہ چکے ہیں۔ جبکہ نائرہ کے زیرک عبدالرحمان پرہ بھی کنہ مت کے رشتہ دار تھے اور ہمارے بھی کنہ مت نیاز و بنڈار ہر سال دو مرتبہ کرتا تھا اور پیروں کو کھلاتا پلاتا تھا اور ہمسایئوں کو بلایا۔

اسی بنڈار دعوت پیر ملاؤں کو آزمایش سمجھانے کا ولدز واقعہ دلچسپ مشہور ہو چکا ہے ناہرہ کاڑی چک گھر پیر اماموں کو بلایا۔ درود واز کار ختم اطظمات کی مجلس آراستہ ہوئی۔ قہوہ پلائے کے بعد کھانا کھلا کے رخصت کے وقت بطور ہدیہ ختم انتظار کرنے لگے۔ کنہ مت بولے آج نقدی کے بجاے سری اور پائے لے جاؤ جو بیگوں میں رکھے ہیں خوشی خوشی اُٹھا کر لے گئے گھر والون کو حوالے کے ہر پیر کے صحن میں رقص بسمل ہوا اور یہ شرکت مجلس قے کرتے رہے۔ چھوٹے کتون کی سری اور پائے ہی تھی۔

ٹہاب کا سکول مرکز تھا اُدھر اذان دیدی کہ کتے کو کوئی مارتا تھا آدھوں نے بتایا اُس نے ٹھیک ہی کیا۔ پھر بالو پورہ میں مر گیا۔

وزیر اعظم بخشی غلام نے کنہ مت کو اپنے ساتھ کئی جگہ لیا اترام سے ایک جگہ یہ واقع ہے کہ اسکے پاس جمع کیے عطیہ طور آئے ۵۰ ہزار روپے کنہ مت نے جلا ڈالے۔

ابل ڈار یعنی محمد عبداللہ ڈار تو کنہ مت رتپھروں کا مجذوب اسلئے مقبول تھا کہ اکثر وبیشتر پھتر کھایا کرتا تھالہن ٹھہر شوپیان کے بلند پہاڑی ٹیلے کے دامن میں اکثر رہا پھر ہالو پورہ واپس آ گیا۔ بیٹے کے پاس رہا اُدھر ہی غار بنائی لوگ آیا کرتے تھے ہالو پورہ کے نمبردار کی بیٹی اور اسکے ساتھ اپنے بیٹے کی شادی کرادی آج سے ۶۰ سال اس کا انتقال ہوا بالو پورہ میں پہلے ہی قبر بنائی تھی۔ اسکے فرزند کا انام اکبر ڈار ہے۔

☆☆☆☆☆

راقم ۲۰۱۷ء سخت سفر کاٹ کے بالو پور گیا اور اکبر ڈار سے ملاقات کی مصنف۔ میرے ساتھ کیمرہ مین شیخ بلال اور ڈرائیور تھا ہمارے سامنے کنکروں کو یہ منہ میں ڈالتا رہا جیسے کہ یہ اس نے یہ باپ سے ورثہ میں پایا شوپیان ضلع کے درگاہوں کے متعلق بنائے ویڈیو کسیٹ میں یہ بھی آیا ہے۔

غلام محی الدین بلہ پوری شوپیان

کشمیر میں قوالی کو متعارف کرنے اور رائج کرنے والے جس فنکار نے کام سرانجام دیا ہے غلام می الدین ملک ہے جو جون ۱۹۲۶ء میں سرینگر سے شوپیان جانے والی سڑک پر پلوامہ سے ۱۵ کلومیٹر دور بطرف مغرب ۲ کلومیٹر آتا ہے پیدا ہوئے۔ اسکا خاندان امیر اور تجارت پیشہ تھا باپ کا نام خواجہ ولا ور ملک مروجہ تعلیم پانچویں حاصل کرتا۔ قرآن شریف اور اسلامی علم سے سرفراز ہو کر رہا۔

لاہور پاکستان جا کر قوالی کا فن سیکھا اس ضمن میں محمد علی فریدی مبارک علی فتح علی خان اور آخر پر امرتسر کے احمد قوال نامی گرامی اُن کے اُستاد ہے۔

قوالی فن کو کشمیر میں اُن کے رول کو بھلایا نہیں جاسکتا یہی وجہ ہے ۱۹۵۰ء میں انفارمشین اینڈ بڑا کاسٹنگ نے انہیں ریڈیو کشمیر سرینگر میں آرٹسٹ کے طور تعنیات کیا اس سے پہلے اننت ناگ کے غلام محمد بٹ ہی آرٹسٹ کے طور ملازم تھے بلہ پوری صاحب نے پہلے فارسی اور پھر اُردو میں قوالی پیش کی پھر کشمیری شعراء کے کلام کو قوالی کا روپ دھار کر کے مقبولیت حاصل کی جشن کشمیر اور کلچرل محاذ میں بلہ پوری صاحب نے فخر یہ طور کام کیا۔

۱۹۷۶ء میں کلچرل اکیڈمی کے ذریعے اقبال تقریبات کا سلسلہ رہا اس دوران

گائے کی محفلوں کا اہتمام رہا۔ بلہ پوری صاحب نے پہلا انعام حاصل کی کچھ سال ریڈو کشمیر کے آڈیشن کمیٹی کے ممبر منتخب رہے سر تال اچھی طرح جانتے تھے اُن کا تلفظ اردو اور فارسی میں سندر تھا۔ جون ۱۹۸۶ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو مئی ۱۹۹۷ء کو انتقال فرمایا۔

صاحب مضمون نے محی الدین بلہ پوری سے ایک بار ۱۹۸۸ء میں ملاقات کی جب ڈسٹرکٹ کلچرل سوسائینٹی پلوامہ کی خاص نشت ان کی قیام گاہ پر رہی۔

مرحوم بلہ پوری کے تین فرزندان ہیں عبدالرشید بلری ڈپیارٹمنٹ میں ہیں جبکہ اطر بلہ پوری محکمہ انفار مشین شبعبہ تمدن میں آرٹسٹ کے طور کام کرتے ہیں۔ وہ بھی قوال گاتے ہیں

مسعود عباس بلہ پوری سینیر ماسٹر کے طور ریٹائر ہو چکے ہیں ریڈیو پروگراموں میں نام کما چکے ہیں۔ کافی تجربہ یافتہ ہیں۔ فرودی ۲۰۱۷ء کی جزل کونسل باڑی میٹک ہیں۔ محفل بہار ادب شاہورہ کا سرپرست چُنا گیا حمید اللہ حمید کو پھر صدر اور رشید سدیقی کو جزل سیکرٹری۔



شمیم احمد شمیم کشمیر کی عہد ساز شخصیت

راقم انت ناگ میں ڈیوٹی پر تھا اور نزدیک ہی ایک رشتہ گھرانے میں رات کو قیام پذیر تھا۔ صبح کو ریڈیو کشمیر سرینگر سے شمیم احمد شمیم کے وفات کی خبر سن کر دل رنجیدہ ہوا اسطرح ۱۹۳۵ء میں پیدا ہونے والے یہ شخصیت ۴۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ شمیم کو آخری سال عمر دکھ سہنے پڑے اور وہ سیاست کا شکار ہو گئے۔ بقول مشاعر

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پہنیاں ہو گئیں

اپنے والد صاحب سے شمیم صاحب کے متعلق کچھ واقفیت ملی تھی کہ ان سے مراسم تھے جب وہ ایجسلیٹو اسمبلی ممبر تھے اور ساتھ ہی ہفت روزہ آئینہ نکالتے تھے ایک دو صفحہ آئینہ کی کتابت کچھ عرصہ کرتے تھے راقم بھی شمیم احمد شمیم کا گرویدہ ہو گیا۔ کہ لڑکپن سے کبھی کبھی آئینہ پڑھتا کچھ خطوط مراسلے اس میں شائع ہو چکے تھے آئینہ کا مخصوص عنوان چراغ بیگ کے قلم سے قارئین کی دلچسپی کا موجب تھا اسمبلی میں اس آزاد ممبر اسمبلی کے سامنے باقی ممبران چپ سادھ لئے رہے۔ ان کی ظرافت اور حاضر جوانی بے مثال تھی ان کے لہجے میں مٹھاس اور تاثیر تھی کہ کشمیر کیا ہندوستان کے قدآور شخصیات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے قلم سے ایسی بے باکی حقیقت جھلکتی تھی کی برصغیر کے اردو

زبان کے واقف کار واہ واہ کرتے۔

۱۹۷۱ء میں شمیم احمد شمیم نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد کے خلاف انتخاب لڑا۔ اس ضمن میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ دہلی جیل سے ان کی حمایت کیلئے اپنی اہلیہ بیگم اکبر جہاں کو جلسوں جلوسوں میں ساتھ ساتھ رہنے کو کہا تھا۔

۳۶ سالہ نوجوان پارلیمنٹ ممبر بنا ان پانچ سالوں میں ہندوستان لوک سبھا کی تاریخ میں انگریزی میں پیلو مودی، ہندی میں اٹل بہاری واجپائی اور اردو میں شمیم احمد شمیم بہترین مقرر مانے جانے تھے۔ انگریزی جریدہ کے ایڈیٹر خوشونت سنگھ نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ بھارت پارلیمنٹ اردو میں اب تک شمیم کے پائے کے کوئی دوسرا مقرر پیدا نہ کر سکی۔

شمیم احمد شمیم کا حلقہ احباب دہلی اور ممبی میں کافی وسیع تھا مزاج کے طور پر شمیم احمد شمیم نہ صرف خوددار بلکہ باغیانہ ذہنیت رکھتا تھا وہ حساس بھی تھا اور بے خوف ہو کر بولتا اور لکھتا تھا آئینہ کا شخصیات نمبر نکلا تو اس میں لکھا ''شیخ صاحب ایک خوبصورت آغاز اور ایک حسرت ناک انجام کی علامت ہیں وہ ہماری امیدوں آرزوں اور تمناؤں کا مغزن بھی ہے اور مدفن بھی۔

شمیم احمد شمیم پاکستان گئے وہاں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات ہوئی رخصت کے وقت کہنے لگا ''اچھا شمیم صاحب اب سرینگر میں ملاقات ہوگی''۔ شمیم

صاحب نے جواب دیا" جی شوق سے آئے ہم بطور سیاح آپ کا استقبال کریں گئے۔

سیاست میں مصروف رہ کر بھی انہوں نے اردو صحافت کی بے بوث خدمت کر کے مقبولیت حاصل کی۔ وزرا اعلی، وزراء، ممبران اسمبلی، سیاسی شخصیات، صحافی، ادباء شعرا تو شمیم کے قدر دان تھے بلا ناغہ اخبار آئینہ پڑھتے جو بعد میں روز نامہ کی شکل میں بازار میں آیا۔

شمیم احمد شمیم نے اردو ادب کی بھی خدمت کی وہ تو ادیب بھی تھے مفکر بھی آئینہ میں ان کے چستہ ظرافت کالم چراغ بیگ کے قلم سے ان کی ادبی صلاحیت آشکارا ہوتی رہی آئینہ کے شخصیات نمبر میں کشمیر کی تاریخ ساز اور قلم وادب کی معروف شخصیات کے خاکے کھچنے گئے ہیں۔

گریجویشن کے بعد ۱۹۶۰ سے پہلے شمیم احمد شمیم کو وزیر اعظم بخش غلام محمد نے محکمہ انفارمشین میں فیلڈ پبلسٹی آفیسر کے طور بھرتی کرایا اسکے بعد ہی شمیم نے ماہوار جریدہ تعمیر اُردو میں نکالا جو ۱۹۸۷ء تک مقبول؛ عام رہا وہیں Kashmir Today بھی اسی محکے کا نکلنا شروع ہوا۔ محمد یوسف ٹینگ اسٹنسٹ انفاد مشین آفیسر تیغات ہوئے

شیم ڈیوٹی کے نہ پابند تھے نہ ہی سنجیدہ۔ آزاد طبعیت کے اکثر اوقات

دوستوں کے ہمراہ ریذیڈنسی روڈ کافی ہاوس گپ شب میں گزارتے۔ناظم اطلاعات نے اس معاملے میں کچھ نصیحت جھاڑ دی۔شیم نے استعفی دیدیا اور علی گڈھ چلے گئے۔ایم اے ایل ایل بی ڈگری حاصل کر کے واپس آئے۔نام کیلیئے عدالت گئے۔ ہفت روزہ اخبار آئینہ نکلا۔

شکل وصورت سے شمیم حسین وجمیل تھے اور ہنس منکھ سٹائل کے طور فلمی ہیرو لگ کر پُرکشش تھے۔گونگھریالے بال،میانہ قدوقامت،گوری رنگت چمڑی وجیہہ متناسب گھٹا جسم،گول،مٹول سرخی مائل چہرہ گلاسوں کے پیچھے مسکرائی بھوری آنکھیں۔عمدہ اور صاف وشفاف لباس زیب تن ہونا قدرتی تھی۔ہنستی مسکرائی مترنم آواز سے لگتا کہ دوران گفتگو مونہہ سے پھُول جھڑ رہے ہیں۔

غلام نبی خیال نے شیراز کے شیم احمد شیم نمبر میں اسطرح خیالات کی ترجمانی کی ہے۔اسکی خودسری کا عالم اسکے کئی احباب کو اس کے دشمنوں میں تبدیلی کرنے کا باعث بن گیا۔

مظہر امام کا اظہار ہے کہ شیم تو شہاب ثاقب کی طرح کشمیر کے افق پر چمکے اور دیکھے ان خلاؤں کی جانب سفر گئے جہاں کوئی واپس نہیں آسکتا لیکن انہوں نے مختصر عمر (۴۴ سال) میں کارنامے انجام دئے وہ انہیں زندہ جاوید بنانے کیلیئے کافی ہے

عبدالستار رنجور نے کہا کہ شیم نے ادب صحافت میں کار رہائے تمایاں انجام دئے مگر سیاست میں جا کر غلطی کی جو اسکا فطری میدان نہ تھا۔

ریاست کی موجودہ سیاسی اور تہذیبی فضاء کو نظر میں رکھتے ہوئے۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ریاست میں اردو زبان کو ایک تاریخی رُول ادا کرنا ہے اور جب تک اس رول کی ضرورت باقی رہے گی اردو زبان وادب کا متقبل بھی روشن رہے گا اسکے بعد کیا ہوگا میں کچھ نہیں کہہ سکتا شاید اسوقت کوئی دوسر شیم آ کر اس موضوع پر آپ کی سمع خراشی کرے۔

شیم احمد شیم کے انتقال کے بعد ان کی ہمشیرہ قرۃ ترہ العین نے ان کے نگارشات کو منظر عام پر لانے کیلئے اقدامات کیئے ۱۹۷۹ء کے ایام تھے میں اننت ناگ ڈیوٹی سے واپس شام کو پہنچا تو میری بیوی آرہ ہامہ شوپیان حضرت داتا گنج بخش کے آستان عالیہ سے واپس آئی تھی اُس نے بتایا کہ اُدھر شیم صاحب کی دو بہنین زار وقطار روتی رہیں اور اپنے بھائی کی صحت یابی کیلئے دُعا کرتی رہیں۔

اننت ناگ دفتر میں شیم احمد شیم کی بات اٹھی تو اُسوقت عبدالغنی راتھر اُسکا جو قریبی واقت کار تھا نے شیم صاحب کی یادوں کا خزانہ کھول کر رکھا

شیم احمد شیم کلچرل اکیڈمی کا شائع کردہ ضخیم نمبر اس عظیم شخصیت کی حیات اور کارنامو کا آیئنہ دار ہے جو اس وقت کے سیکرٹری اکیڈمی ظفر اقبال منہاس کی کاوشوں سے یہ منظر کام پر آیا ہے۔

جن اصحاب نے شیم کے متعلق اظہار رائے مضامین تحریر کئے ہیں اُن میں ظفر اقبال نہاس آل احمد سرور، بلراج پوری، پدما سچد یو یو جی ایم باون، رحمان راہی، زاہد مختار، سعید شجاعت یحادی، شوریدہ کشمیری، ظریف احمد ظریف، عبدالفریز زدگر، عبدالغنی شیخ لداخی، غلام نبی خان، غلام نبی گوہر، کرشن چندر بمئی، کمال احمد صدیقی، گوپی چند نارنگ، محمد شفیع خان۔ محمد یوسف ٹینگ، مشعل سلطان پوری، مظہر امام، میر غلام رسول نازکی، اور وید راہی اور غلام نبی خیال شامل ہے۔



عبدالاحد نیامئہ کشمیریت کے علمبردار

یوں تو عبدالاحد نیامئہ دور بخشی غلام محمد وزیر عظم جموں وکشمیر سے معروف ہو کر جشن کشمیر میں بھر پور حصّہ لیتے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ بخشی غلام محمد پیر شمش الدین، خواجہ غلام محمد صادق اور سید میر قاسم تو جا چکے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کا دور تھا۔ سرینگر کے شعبہ تمدن سے فنکار آ کر دیہات میں لوگوں کا ذالقہ میٹھا کرنے کیلیئے سٹیج سنبھالتے پھر ہی وزیر، ممبر اسمبلی آتا۔ ان میں عبدالاحد نیامہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتا۔ کبھی لوگوں کو ڈراما سکٹ سے ناظرین کو ہنساتا کبھی لگانے کی محفل سجاتا چھکری اور رُف منفرد انداز سے گاتا۔ ایکشن سانگ اور ناچ بھی پیش کرتا۔

۱۹۲۵ء کے ۱۵ دسمبر ۱۹۲۴ء میں کا کہ پورہ مغرب طرف سڑک پر آئے نیامن گاؤں کے امیر گھرانے میں پیدا ہوئے والد کا نا محمد رمضان شیخ تھا۔ آٹھویں پاس کیا۔ عبدالغفار خان المعروف غفار لوجری سے پہلے موسیقی سیکھی۔ دوسرا اُستاد میاں طفیل احمد پاکستانی تھا اور تیسرا اُستاد غلام احمد خان ریڈیو کشمیر سیتار نوار مراف کدال سرینگر سے ترتبت حاصل کی تھی۔

نیامئہ صاحب نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں فنکار کے طور محکمہ اطلاعات میں جوائن کیا

کشمیر کے کئی علاقوں میں اپنے فنکار کا مظاہرہ کیا خاصکر اُن کا روشن دور بخشی غلام محمد وزیر اعظم تھا اس دوران کشمیر سے باہر بھی جانا پڑا۔ کلچرل محاذ میں سرگرم ہو کر کام کیا۔ شادی بیاہ تقریبات اور گھریلو محفلوں کے علاوہ کلچرل اکیڈی پروگراموں میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ مشہور گلوکار محمود شہری سے محمد سلطان نجار (سُلہ چھان) سے تعلقات

سُر اور تال سے احد نیامہ مکمل طور واقف تھے۔ صوفی شاعروں کے کلام کو مجلسوں میں گایا کرتے۔ سازوں میں ہارمونیم اور گاگر (نوٹ) استعمال کرتے تھے۔ نیامہ صاحب کے کشمیر میں کئی گلوکار شاعر تھے جن میں محمد سجان راتھر حیات پورہ ساز ندر اور ڈانسر رہا ہے۔ رحمان دیوسری کے علاوہ عبدالغنی ترالی اسلام آباد تھے۔ ۲۷ نومبر ۲۰۰۴ء کو رحمت حق ہو گئے۔

یہ صاحب کتاب محکئہ اطلاعات میں تب آیا شیخ محمد عبداللہ کا دوسرا تھا سرینگر سے فنکار آ کر ضلع اننت ناگ میں وہ سٹیج گرماتے جہاں وزارا ءممبران اسمبلی کو خطاب کرنا ہوتا کبھی کھبار۔ ان ہی ایام میں غالباً ۱۹۷۷ء فنکاروں کی ایک ٹیم آئی ملی جل کر پہلگام میں تمدن پروگرام پیش کیا کافی سراہنا ہوئی۔ عبدالاحد ینامہ کو پہلی بار دیکھا۔ تعارف ہوا۔ شاید محمد ابراہیم بٹ فنکار ضلع ناگ نے کرایا۔ پھر کئی بار سرینگر دوسری جگہوں پر ۱۹۸۶ء

کو میرے گاؤں تملہ ہال (شاہورہ) میں شاعرِ وطن غلام نبی ظہور کی چوتھی برسی پر مقالات محفل مشاعرا اور ڈراما سلکٹ سے پہلے گانے کی محفل سجی عبدالاحد نیامہ نے مشہور گلوکار غلام احمد صوفی کے ہمراہ چھکری اور روف دکلام غلام نبی ظہور پیش کیا۔

جم غیفر تھا تملہ ہال اور گردو نواح کے لوگ محظوظ ہو کر داد دیتے رہے پر کلچرل آفیسر کشمیر عبدالغنی راتھر، فیلڈ پبلسیٹی آفیسر غلام محی الدین بانڈے پی آر او نے پروگراموں کی نگرانی کی۔

عبدالاحد نیامہ کے متعلق معسود عباس بلہ پوری شوپیان کی کشمیری کتاب راز اندازن دربار میں وسیع مضمون شائع ہوا ہے۔



مقبول گلوکار عبدالغنی راتھر غنی ترال کے ساتھ جڑی یادیں

محکمہ اطلاعات میں میری بورڈ آرڈر کے تحت سلیکشن ہوتے ہی محمد سجان راتھر (سبلی بچہ) نے مخصوص کمرے میں گانے کی محفل آراستہ کی گویا کہ استقبالیہ طور خوشی کا اظہار کیا جائے میری عمر ۱۸ سال پار کر چکی تھی۔ دفتر ٹاون ائریا عمارت میں تھا اس موقعہ پر عبدالغنی راتھر کے ساتھ ساتھ محمد یاسین قادری ڈپٹی ڈسٹرکٹ آفیسر بھی خوش نظر آئے قادری صاحب نے میرے سلیکشن پر ممبر سیکرٹری کے طور میری کامیابی تو کرانے میں خاص رول نبھایا تھا۔ کچھ ماہ بعد دفتر کاڑی پورہ پرائیویٹ مکان منتقل ہوا جہاں وسیع صحن بھی تھا میرے چارج میں ریڈنگ روم اور لائبریری دی گئی۔ اکثر میں ریڈنگ روم میں بیٹھا کرتا کبھی کھبار بلانے پر آفیسر کے پاس حاضر ہوتا۔ راتھر صاحب اخبار کا مطالعہ ضرور کرتے کہ باقی گلوکار ناخواندہ ہی تھے کبھی کبھی کتاب بھی پڑھ لیا کرتے ان کو میں نے جہاندیدہ پایا۔ مذہب اسلام پر بھی دسترس حاصل تھی اولیاء اللہ آستان کے معتود تھے۔

راتھر صاحب کی نفاست پسندی بے باکی حوصلہ مندی سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ گلوکاروں حمزہ داس، محمد ابراہم بٹ، عبدالغنی نمتہ ہالی عبدالغنی بوچھو ترالی وغیرہ اپنے کمرے میں گانے کی ریہرسہل کرتے تو میں بھی جاتا کبھی مہجور محمد دگامی، رسل میر، آزاد کے

گانوں کے علاوہ فلمی نغموں کی گونج سنائی دیتی کبھی کبھار عبدالغنی راتھر صاحب ان کی رہنمائی کرتے مگر گاتے نہیں تھے راتھر صاحب Exhibition Assistant کے طور محکمہ میں تھے۔ چونکہ دوروں پر آنے والے وزراء سے قبل محکمہ کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو محظوظ کیلئے گانے کی محفلوں کا بندوبست ہوتا۔ اکثر ہارمونیم اور گاگری پر راتھر صاحب پارٹی کی لیڈ کرتے تھے ایک روز پہلگام میں اژدہام تھا۔ گلاس ڈانس کیلئے لوگ فرمائش کرنے لگے تو عبدالغنی راتھر نے جامہ پیشوازہ پہن کر پہلگام کلب کے سامنے تھر کھتے جسم اور بجتی موسیقی پر لیٹے ہوئے پانی بھرے شیشے کے گلاس کو ماتھے پر رکھا اور آہستہ آہستہ بیٹھے اور کھڑا ہوئے اور ناچ لگے مگر پانی گلاس گرا نہیں ہجوم نے تالیاں بجائیں سیاح بھی گلاس ڈالنس دیکھ کر دنگ رہ گئے پھر گانے کی محفل جمی عبدالغنی راتھر کے مشورے پر ضلع آفیسر عمل کرتے ضلع آفیسر گوہر صاحب تھے انکے بعد جب وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے نعیم اختر اندرابی (موجودہ وزیر تعلیم کو سرینگر سے بدر کر کے کہ وہ جنتا پارٹی کی در پردہ حمایتی ہیں کو اننت ناگ بیجدیا کبھی کبھی راتھر صاحب کے گھر بردن کے کھانے کا بندوبست رہتا پھر محمد یاسین قادری ڈسرکٹ آفیسر بن کر آگئے جو ڈوروشاہ آباد کے تھے۔

ابتداء میں میرا ڈھیرہ محلہ ریشی پورہ نزدیک آستان عالیہ ریشی مالو میں تھا کہ گاؤں تک معقول ٹرانپورٹ کا انتظام نہ تھا۔ پھر گرمی ایام آتے ہی میں نے ڈھیرہ چھوڑ دیا

کبھی کبھی راتھر صاحب کے گھر آنچی ڈوروارات بھر گذارتا کبھی منظور احمد راتھر کلرک کے گھر۔ جبکہ محمد ابراہم بٹ ملخ ناگ کے گھر پر اکثر راتیں گذرتا۔ خیر خوش کن ماحول میں نوکری کے سات سال گذرے اس دوران محمد رمضان ترالی KCG کے ساتھ میر ادوستانہ محکمہ میں داخلہ سے ہی پختہ ہو چکا تھا محمد ابراہم اور شیام لال آپریٹر ہماری دوستی پر طعنے کستے ۔اور کان پکڑتے کہ اسلام آباد کی گلیاں کوچے تمہاری گہری دوستی پر شک کرتے ہیں۔ یہ ہنستے کہتے کہیں آپ اکھٹے نہ مر جاؤ ایک قبر میں دفن ہوا کشر پروجکٹر پر فلمیں دیکھا کرتے۔ سات سال ۱۰۰ فلمیں دیکھیں ہونگی کبھی کبھار ہی ٹیم کے ہمراہ کہیں جاتا فلموں کی نمایش کے نگران کے طور۔ عبد الغنی راتھر نے کئی بار مجھے نصیحت کی میں اس سے سبق حاصل کر گیا کہ Dedication سے field work انجام دیتا۔ کئی جگہوں اچھ بل گوکرناگ، پہلگام، اسلام آباد شبر باغ عیش مقام، ہاکورہ بدسگام ہوٹمرہ ویریناگ اور دور مقامات پر گانے کی محفلیں سجتیں جن کی قیادت راتھر صاحب کرتے۔

دفتر کے فدا علی ڈپٹی ڈسٹرکٹ آفیر اور محمد یاسین خان اسٹنٹ انفارمین آفیر کے حسن اخلاق سے راتھر صاحب متاثر تھے اور گھل مل جاتے ۔ منظور احمد راتھر کو محکمہ میں لانے کا سہرا عبد الغنی راتھر کو ہی رہا جو بعد میں ہونہار قابل ثابت ہوا۔

عبد الغنی راتھر نے سدا بہار گلوکار کی حشیت سے کشمیر میں نام کمایا ملزمت سے پہلے ترال ٹھ

ٹھہر کر اسے غنی ترال نام پڑ گیا۔ ویسے اسلام آباد کے گردونواح اسے غنی انو ڈوری عبدالغنی آنچی ڈور) پکارتے ہیں۔ مارچ ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے والد کا نام محمد سعبان راتھر تھا۔ آٹھویں تک مروجہ تعلیم پڑھی بچپن سے گانے بجانے کے شوق کی وجہ سے گانے اور ناچنے میں کافی محنت صرف کی۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میرے فن کو وسعت پیدا کرنے میں جنوبی کشمیر کے قدآور گلوکاروں خاصکر عبدالاحد نیامہ گپہ بچہ اور عبدالکریم ڈارمندین پلوامہ نے حضوصی کردار نبھایا ہے۔

محمد سجان راتھر نے مجھے ایک روز بتایا کروزیراعظم بخشی غلام محمد صاحب کے دور میں جب جشن کشمیر ہوتا رہا تو کشمیر کے نامااور فنکاروں کی ٹیم گاؤں، دور مقامات، قصبہ جات اور شہر سرینگر بھی جاتا جنہوں نے اپنے فن سے لوگوں کے دل خوش محفوظ کرتے۔ بخشی صاحب کا یہ اقدام عوام پسند کرتے گئے ان میں غنی ترالی خاصکر مقبول تھا۔

اس جشن کشمیر میں عبدالاحمد نیامہ بھی شامل ہوا کرتے میں بھی تو عمر کا چھوٹا تھا میں بھی بچہ کٹ کے طور کبھی شمولیت کرتا مگر یہ تو حقیقت ہے کہ بخشی غلام محمد کو ان دونوں فنکاروں سے رابطہ تھا اُنس تھا کہ ان کی ہی بدلت محکمہ انفارمیشن میں شعبہ تمدن وجود میں لایا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں دونوں آرٹسٹ گلوکار بھرتی ہوئے پھر گلوکار، سازنواز اور ڈانسر بھی تعینات ہوئے۔ پرتھوی راج کپور کشمیر آئے تو تمدنی پروگرام کا انعقاد ہوا وہ عبدالغنی راتھر

کے ناچ گانے سے متاثر ہو کر بول اٹھے، غنی ترالی صاحب کے ناچ میں کشمیری ڈانس کی مخصوص پہنچان ہے۔

پہلے عبدالغنی ترالی چھکر روف، داستان مثنویاں گایا کرتے تھے ان کا ریڈیو سے کبیر میر آرہ مولہ کا زین مزور اور معراج نامہ کئی بار نشر ہوتا رہا ۱۹۵۰ء سے ریڈیو میں گانا شروع کلچرل اکیڈمی درو درشن کے پروگراموں میں حصّہ لیا کرتے۔ سرتال اچھی طرح جانتے تھے۔ بھوپال، مدراس اور ممبی میں کئی پروگراوں میں شرکت کی کچھ الفامات حاصل کئے ہیں بھجن سوپوری نے حال ہی میں ان کے اعزاز میں استاد انعام پیش کیا ہے۔

۱۹۹۰ء میں اسٹنٹ کلچرل آفیسر کے طور نوکری سے سبکدوش ہو چکے ہیں تب سے گھر سے کم ہی باہر نکلتے ہیں۔ فنکار سدا بہار رہتا ہے اور کبھی بوڑھا نہیں ہوتا ہے یہ میں نے اسوقت مشاہدہ کیا جب ۱۴ مئی ۲۰۱۶ء کو اسلام آباد جانا پڑا بطور کنٹرولنگ آفیسر ۲۰۱۲ ادھر کے ملازمین کے کچھ دستاویزات دستخط کرتے تھے میں گھنٹہ بھر گیا۔ راتھر کے گھر پہنچ کر تو عبدالغنی راتھر نے فوراً پہنچان لیا دونوں گلے ملے ۸۱ سال کا غنی ترالی سفید داڑھی ہو کر مجھے جواں سالی دل کا لگا۔ اپنی کتاب آیئنہ لداخ پیش کی یادوں کو سجاتے ہے۔



مسنود عباس بلہ پوری نے کشمیری کتاب رازہ اندزان دربار میں راتھر صاحب کا تذکرہ تفصیل سے چھیڑا ہیں۔

میرا ہمسفر محمد رمضان ترالی

کچھ ایسے سرکاری آفیسر اور ملازمین ہوا کرتے ہیں۔ جو کم تعلیم یافتہ ہو کے بھی قابل ہو نہار خوش اخلاق محنتی پابند ڈیوٹی اور اپنی کام کی نوعیت پہنچان کر خوش اسلوبی سے سرکاری کام سرانجام دیتے اور ترقی پاتے ہیں ملازمت سے ریٹائر ہو کر بھی گہری چھاپ چھوڑ کر ان کا ضمیر مطمئن رہوتا ہے ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی یادتازہ ہوتی ہیں ایسے ہی ایک سرکاری اہلکار محمد رمضان پرے ترال کا نام فخر سے لینے کے قابل ہے ترال کے متصل گلشن پورہ کے یہ میٹرک امتحان کی کامیابی کے بعد محکمۂ اطلاعات ورابطہ عامہ میں بطور درجہ چہارم ملازم بھرتی ہوئے۔ کافی محنت لگن اور فرض شناسی قابلیت سے ترقی پہ ترقی حاصل کر کے اسٹنسٹ انفارمشن آفیسر ریٹائر ہو کر آیا۔ سرینگر، اننت ناگ پلوامہ کپواڑہ، پہلگام میں ڈیوٹی دے کر عوامی رابطہ سے بھی منسلک رہا۔ ۲۰۱۰ء مے ملازمت سے سبکروش ہو کر گھر سھنا لنے، ینا مکان بنائے کے علاوہ بڑے لڑکے کو قانون کی ڈگری دلانے میں کامیاب ہو کر اسے دکالت پشیہ کیلئے تیار کیا دوسرے لڑکے کو بھی تعلیم سے سر فراز کر کے محکمہ جنگلات میں کیجول طور بھرتی کرایا اپنے ہی گاؤں میں شادی کر کے میاں بیوی خوشحال سے بسر کرتے رہے نماروں کے پابند، صفائی ونفاست پندی اور خوش مزاجی کے علاوہ دراز قد کے خوبصورت اوپر کشش والی یہ شخصیت

یٹومر بیماری میں مبتلا ہوئی دہلی میں علاج ہوتا رہا۔راقم کا ان سے گہرا سمبندھ کا چرچا محکمہ اطلاعات میں مثال رہا۔ اننت ناگ میں سات سال اکھٹے ہو کر ہماری دوستی پر سٹاف ممبران محمد ابراہیم بٹ گلوکار اور محمد سجان بٹ کہا کرتے کہ تم دونوں ایک ہی وقت مر جاؤ گے۔ان کی ہر دل عزیزی سے پلوامہ کے دکاندار کافی متاثر تھے۔رحلت سے چند روز قبل ان سے فون پر بات ہوئی مگر آواز رندھی تھی۔میرا تو پیس میکر کی وجہ سے احتیاط وعلاج چلتا تھا۔محمد رمضان کی موت ۱۱ مئی ۲۰۱۴ء کو ہوئی۔گھر والوں نے اسلئے روکا تا کہ میں زیادہ متاثر ہو کر یہ صدمہ برداشت نہ کر سکوں۔ڈاکٹری ہدایات کے تحت مجھے تعزیت والی جگہوں پر جانے پابندی تھی۔سال بھر میں تڑتیا رہتا یادوں کا ابار اندر سموئے رہا کہ پھٹنے نہ آوں۔دل کی ٹھہر اس نکالتے کیلئے ۲۸ جون ۲۰۱۶ء جمعہ کو پلوامہ سے حبیب اللہ آہنگر کے ہمراہ ادھر گیا۔ان کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی تصویر آنکھوں کے سامنے سمائی اور دل میں یادوں کا جھرمٹ کہ کئی ہچکیاں لگ گئیں۔اس کا فرزند بھی آیا اور چند اور بھی کہ ایصال ثواب فاتحہ پڑھی اسکے گھر جا کر سونا سونا لگا کہ بیوی جزباتی تھی ہو کر زرو قطار روئی کہ محکمہ میں سب اتنے نزدیک دوست تھے لداخ سے آنے کی فرصت ہی نہ آئی۔

میں نے واضع کیا کہ لداخ سے کب کا آچکا ہوں اور ادھر ریٹائر ہو چکا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رمیش کمار ملہ سے عوام الناس مطمئن

I fell honour to Serve the people irrespective of race religion and enesure.As every body honours. Heath is wealth and play an important role in enomic development so treating the patient for recovery from illness is worship and helped meat every mode of life.

ان خیالات کا اظہار ر ڈاکٹر رمیش کمار نے برملا کیا ہے آگے وہ کیا کہتے ہیں۔

Everything is up to God but it is our special duty & responsibility to guide the people gowards right path

ڈاکٹر رمیش کمار ملہ ۲۵ برس سے ڈاکٹری پیشہ اختیار کئے ہوئے ایمانداری اور لگن سے کام کر کے ضلع پلوامہ میں گہری چھاپ چھوڑ چکے ہیں اسلئے ضلع انتظامیہ اور محکمہ صحت نے پلوامہ سے ان کے تبادلہ کی ضرورت محسوس نہ کی علاقہ کی آبادی ان کے حسن اخلاق شرافت نرم مزاجی خلوص مندی اور دردمندانہ علاج کے گیت گاتی ہے سنگم اونتی پورہ سے ل

لیکر پلوامہ تک کیلر سے نالہ ربنی آرہ کے پار شوپیان دیہات کے مریض ڈاکٹر رمیش کے پاس علاج کرنے آتے ہیں اور صحت مند ہو جاتے ہیں۔ ایمر جسنی پچیدہ امراض کا بھی علاج کرتے ہیں۔ علاقہ شاہورہ میں اگر چہ چند اور ڈاکٹر چند سالوں سے علاج و معالجہ کرتے رہئے ہیں میں مگر حقیقت میں ۵۰ دیہات میں ڈاکٹر علاج معالجہ کے طور ڈاکٹر رمیش چمکتے ستارے کے مانند ہیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کردوبیاں

(ڈاکٹر سر محمد اقبال)

ڈاکٹر رمیش اپنے دل سے نکلی آہ کا اسطرح اظہار کرتے ہیں اس سے لگتا ہے کہ وہ کتنے اُونچے خیالات رکھتے ہیں۔

I am folowing the old peoverb i- e

BE GOOD DO GOOD AND HAVE GOOD.

If the same tried is being adopted by every body then on can fell peace , happiness and smooth

functioning of every thing.

God is one and every one is his follower.
God has send us in this univers as human being .We showed follow humannity irrespective of any race, religion and censure. So for as region is concerned .It is a way for Living in this Universe

ٹہاب کے اچھے خاندان میں جنم پانے والے رمیش کمار نے میٹرک گاؤں میں ہی پاس کیا اور پلوامہ کے مہجور میموریل ہائر سکنڈری سکول میں ۱۲ ویں جماعت پاس کیا۔ ۱۹۸۹ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری گورنمنٹ میڈیکل کالیج امرتسر سے حاصل کی Medicans۔ اور Gastroentelogy اور Residency ۱۹۹۰ء میں کی۔ اسی سال میڈیکل آفیسر کی حثیت سے جموں وکشمیر ہلیتھ سروسز میں جوائن کیا۔ پہلے SMHS ہسپتال سرینگر اور لل ید ہستپال PacdurtueBed ہسپتال سرینگر،

ڈاسٹرکٹ ہسپتال پلوامہ میں کام کیا دو سال پھر ٹہاب اُسے مستقل طور کام کرنا پڑا جب لوگوں نے حکومت سے مانگ کی۔ ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر
رمیش کو بلاک میڈیکل آفیسر کے طور ترقی سے نوار گیا۔

کئی سالوں سے بلاک میڈیکل آفیسر ٹہاب کے طور اپنے فرایض منصبی انجام دیے والے یہ ڈاکٹر مغرب جانب کیلر سنگرونی سے لیکر مشرق جانب سنگم تک ضلع پلوامہ کی لصف آبادی کو بلاک ٹہاب صحت کی بہتری کیلیۓ انتظامات کی ذمہ داری نبھار ہے ہیں اس بلاک کے اندر مختلف لوغیت کے ۵۷ طبی ادارے ہیں جن میں ایک کمیونٹی ہیلتھ سنڑ ۹ اپرائمیری ہلیتھ سنڑ ۸ NT پرائمیری ہلتھ سنز اور ۳۹ سب سنٹرس سرگرم عمل ہیں۔ کئی مقامات پرائمیری ہلتھ سنز اور سب سنٹروں کی عمارتیں تعمیر کرانے اور دیوار نبدی کے لئے کوشیاں رہتے ہیں۔

ڈاکٹر رمیش کمار ملہ کام کو عبادت جان کہ اور اپنے والدین کے خدمت گذار ہیں اور ہائیشی مکان کے آگے نالہ وانکرن کنارے تعمیر قدیم مندر کے اندر پوجا یارٹ کرنے بھی جاتے ہیں۔ ان کی شادی کولگام میں ہو چکی ہے اور ان کی پتنی سرکاری مدر سے میں ٹیچر ہے۔

ڈاکٹر رمیش کمار اپنے خیالات کا اسطرح اظہار کرتے ہیں

Served the Community with good faith and dedication and fell happy whiite treating the parents .|Everyone satified with thetreatment and God Cured them. I fell work is worship.

It is God who support and give stringth is doing any activity.

اپنے گاؤں تہاب کے سازگار ماحول سے مطمئن ہو کر جموں ہجرت نہ کرنے کے متعلق اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

I am thankfull to the inhabitents of my village birth place tahab who have supported me in every field.keeping in view the traid of Be good, Do good, Have good.I helped every one being poor or rich old or young, male orfemale. with the good faith and dedication .Despite of various turmoil in Kashmir vally i have not migrated from Kashmir to

any other state or country and getapportunity to serve my people being HinduMuslim Sikh neighbours friends and people of the other areas. I have never consider the profession as fusiness, beacuse by adopting such strategy it is failur.

ڈاکٹر رمیش کمار ملہ کے کام کاج سے اُسکا ضمیر مطمئن ہے اسکا گھر خوشحالی اسکا سٹاف اسکے نظم وضبطا اور طور طریقے سے واقف ہے۔عوام الناس اسکے علاج سے مطمئن ہے وہ مبارک بادی کے مستحق ہیں ان کے طور طریقے سے باقی ڈاکٹروں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ لوگوں میں ہر دل عزیزی پانے اور خدا کی خوشنودی کے حصول کیلئے دولت کو لات مادانی چاہئیے ۔خدا سے دُعا ہے کہ اس ڈاکٹر کی سلامتی برقرار ہے اور عزت وآبرو میں اضافہ ہوا۔



سرینگر کا باہمت عاشق نگینی علیحدہ طرز کا شاعر

عاشق نگینی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں وہ ایک منجھے ہوئے شاعر و قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ مقام کے صوفی بزرگ بھی ہیں ان کی شاعری ہو بہو ان کی ظاہری زندگی کی عکاس ہے ان کی شاعری میں جہاں عشق کی بات درج ہے وہیں تڑپ بھی ہے جہاں آرزو ہے وہیں انکساری بھی ہے جہاں رنگا رنگی ہے وہیں آنسو بھی۔ جہاں تہذیب کی باتیں ہو رہی ہیں وہی ثقافت کو موضوع بنایا ہے غرض اُن کا ادبی دور انگنت رنگوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اُن کی ایک منفرد اور بالکل ہی ایک الگ پہنچان ہے۔

عاشق نگینی کا اصلی نام غلام محمد ڈار ہے نگین باغ حضرت بل سرینگر کے رہنے والے ہیں ان کا جنم ۱۵ اپریل ۱۹۳۵ء کو ایک درمیانہ طبقے کے گھرانے میں ہوا۔ والد صاحب کا اسم گرامی خواجہ علی محمد ڈار ہے جو زمین و زراعت کے پیشے سے منسلک تھے اپنی شرافت اور نیک نامی کی وجہ سے اپنے علاقے اور دور دور تک ہر دل عزیز تھے۔ محترمہ جانہ بیگم ان کی والدہ کا نام ہے جو نیک عورت ہونے کے ساتھ ساتھ صوم و صلواۃ کی ہمیشہ ہی پابند رہی ہے۔

عاشق نگینی اپنے لڑکپن ہی سے اچھی ذہانت کے مالک رہے اور اسی کو مدنظر رکھ

کر والدین نے انہیں بڑے ذوق وشوق سے اعلیٰ تعلیم سے نوازا۔

ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہری سنگھ ہائی سکول رعناواری سرینگر میں پائی۔ میٹرک کرنے کے بعد سرینگر کے ایس پی کالیج سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی محکمہ جنگلات میں بطور فارسٹر تعنیات ہوئے مگر کم ہی وقفے کے بعد اپنی والدہ محترمہ کے اسرار پر جنگلات کی نوکری سے استفیٰ دیا۔ اس کے بعد وہ مرکزی دفتر اکونٹ جنرل سرینگر میں تعینات ہوئے انہوں نے نہایت ایمانداری اور جان فشانی سے سرکاری کام کوانجام دے دیا اور ۱۹۹۳ء میں بنفس نفیس سبکدوش ہوئے۔ دوران ڈیوٹی بہ سلسلہ آڈیٹر پارٹی کشمیر کے کئی جگہوں دُوردں پر رہنا پڑا اس ضمن میں لداخ بھی کئی کئی ماہ رہنا پڑا۔ اسطرح فیلڈ آفسفر کے کافی علاقہ دیکھا۔

۱۹۹۴ء میں اپنی شریک حیات عایشہ بیگم کے ہمراہ حج کا فریضہ ادا کیا۔ عاشق نگینی صاحب کے پانچ اولادوں میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں عبدالمجید محکمہ انمیل ہنیڈری میں کام کرتے تیسرے فرزند محمد امین جموں وکشمیر نیک منیجر دوسرے بیٹے بشیر احمد جو پیشے سے انجینر ہے نے اپنے والد صاحب کی صحبت خدمت ہی شاعری کا فن حاصل کر لیا۔ جو شبنم بشیر کے نام سے ادبی حلقوں میں جانے جاتے ہیں جن کا اردو شاعری مجموعہ ''بازگشت'' ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آیا۔ ۲۰۱۳ء میں ان کا کشمیری شاعری مجموعہ ''درد نے'' کی رسم رونمائی پروفیسر ڈاکٹر شاد رمضان اور وادی کے مشہور قلم

کارو براڈ کاسٹر عبدالاحد فرہاد نے سرینگر ایک پروقار تقریب کے دوران کی۔ والدین کے فرمانبردار بشیر نگینی خوش اخلاق ہیں

عاشق نگینی بچپن سے ہی ادب اور شاعری سے مائل رہے پہلے پہل اردو زبان میں لکھنا شروع کیا مگر بعد میں اپنی مادری زبان کشمیری اپنایا اور اسی میں شعر گوئی کر کے کتابیں شائع کرتے رہے۔

شعر و شاعری سے پہلے افسانہ نگاری میں طبع آزمائی کی۔ روشنی کی کرن ان کا پہلا اردو افسانہ ہے جو نہ صرف وادی کے ایک نامور اخبار آفتاب میں قسط وار چھپ گیا جبکہ دہلی کے ایک مشہور رسالے میں بھی شائع ہوا۔ اس افسانی کی ادبی حلقوں میں بہت پزیرائی ہوئی۔ انہوں نے ڈارمہ نگاری میں بھی ایک کوشش کی کچھ ڈرامے سرینگر کے دور درشن ٹیلی کاسٹ ہوئے۔ اپنی نوکری کے ایام کے دوران انہوں نے اپنے دفتر میں بھی ایک کلچرل ونگ کی تشکیل عمل میں لائی۔ جہاں مختلف ادبی سرگرمیوں کوانجام دیا جاتا تھا۔

عاشق صاحب کے کلام میں نظمیں غزلیات بھی شامل۔ بچپن لڑکپن شاعری میں عشق مجازی کا روپ نظر آتا ہے عشق حقیقی کی تاروں کو ہی جھنجوڑ کر صوفی شاعری کا سرمایہ بھی موجود ہے بچپن سے خدادوست بزرگوں شعرا سے میل ملاپ رہا ہے گھر کا ماحول بھی ایسا ہی رہا جہاں وقت وقت خدادوستوں کا آنا جانا رہتا تھا اس وجہ سے عاشق صاحب کے دل ودماغ نے ان بزرگوں کی صحت کا اثر قبول کیا۔ لڑکپن جوانی ہی سے صوفیت کے

رنگ میں رنگ لگے اور راہ حق کی تلاش میں ہمیشہ کوشاں رہے اور اپنی روحانی پیاسی کو بجھانے کے لئے انگنت بزرگان دین پیر حضرات وصوفیائے کراموں کی مجلسوں میں حاضری دیتے رہے۔ سب سے پہلے وادی کے ایک مشہور و نامور بزرگ دین فقیر ملت جناب میرک شاہ کاشانی صاحبؒ شالیمار سے رجوع کیا اور ان کی تربیت و تعلیم سے مستفید ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ فقیر و قلندر جناب رحیم صاحب پنجابی صدرہ بلی سے بھی فیض حاصل کیا۔

صوفی شاعر عبد الاحد زرگر کے علاوہ صمد میر کے ساتھ بھی ملاقاتیں رہیں مجلسوں میں اکثر و بیشتر حاضری دینے اپنے شعری فن کو لکھارنے اور روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے تگ و دو میں لگے رہے۔

غلام احمد فاضل کشمیری کہنہ مشق شاعر کے ساتھ عاشق نگینی کے قریبی مراسم رہے۔

عاشق نگینی نے پہلے ہانز کور (ہانجی کی لڑکی) اور بعد میں کرالہ کور (کمہار بیٹی) منظر عام پر لائی جس کی شعر ادبی حلقوں میں سراہا گیا۔

غلام نبی ظہور شاہوری کے ساتھ اخبار آفتاب ملاقات ہو کر پھر شعری کتابوں کی کتابت سے تعلقات بڑھ گئے ایک گہری دوستی کا رشتہ قائم ورایم رہا اور ظہور صاحب کی

اول مارچ ۱۹۸۲ء رحلت تک برقرار ہی۔۱۹۵۸ء کچھ سال ان کی وساطت سے عاشق صاحب کے شعری مجموعے چھپ کر منظر عام آئے۔ظہور صاحب کی فالج بیماری ساتویں دہائی میں ان کے ساتھ عاشق صاحب نے فرض دوستی اسی کی وقت سے نبھائی جب سعید صاحب حقانی سو یہ بگ بڈگام کے مرید اور اکثر اکھٹے سعید صاحب کے دربار میں حاضری دیکر روحانی فیض حاصل کرتے تھے غلام نبی ظہور کا چھڑی پر دوران سرینگر عاشق نگینی کے گھر کبھی قیام ہو کر اُدھر اُن کا خاس رکھا جاتا دوستی کی خاص قابل دید ہے۔صوفی بزرگ ہونے کے ناطے عاشق صاحب نے اپنی شاعری میں ان تمام مراحلوں کا تذکرہ کیا ہے۔جن مراحل سے ایک سالک کو راہ حق کی تلاش میں گزرنا پڑتا ہے اور اپنے تجربات احساسات اور مختلف رموزوں کو اپنے منفرد طریقے سے پیش کیا ہے ان کی شاعری کا مطالبہ کرتے وقت یہ ایسا لگتا ہے کہ ان کے شعروں میں جو سقبت کرئے خود بخود ٹپکتا ہے اسطرح اسکی پہنچان منفرد ہے۔

عاشق صاحب کا بقیہ کلام منظر عام پر آچکا ہے ان کا انداز فکر اور انداز بیان علحدہ ہے یہ شاعری ایک پیش ہمت سرمایہ ہے جو نوآموز شعراء کی رہنمائی کرتی ہے بچپن سے ہی حساس عاشق نگینی نے زندگی میں کئی آتار اور چڑھاؤ قریب سے دیکھ لئے کہیں جان و مال کے نقصانات پر دکھ ہو جانا اور بے اعتنائی اور بے شباتی کی حقیقیت جان کر

ہمیشہ ہی فکر مند ہی رہے اور اسی بات کو ذہن نشین کر کے دنیا کی رنگینوں و آلائشیوں سے دستبردار ہو کر راہ حق اور صداقت کی فکر میں ہر ہمیشہ رواں دواں رہے۔ جسمانی محنت و شفقت بڑھاپے میں بھی کر رہے ہے۔

عاشق صاحب رشتوں کو برقرار رکھنے کی ہمیشہ تلقین کرتے اپنے قرابت داروں سے ہی کرتے ہیں زندگی میں بیشمار تکالیف اٹھائے مگر وہ کبھی بھی مایوس نہ ہوئے ہمیشہ ایک پرسکون اور ایک نئی تابناک صبح کی تلاش رہ کر نئی نئی اور خوش آہندہ آرزوں کو اپنے دل میں جگہ دیتے رہتے ہیں۔

عاشق نگینی صاحب کے شعری مجموعے شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں جو ۱۹۶۰ء سے ہیں منظر عام پر آئے۔ تعداد ہ ۵۰ کے قریب ہے۔

۱۔ ہائز کور حصہ اول

۲۔ ہائز کور حصہ دوم

۳۔ کرالہ کور حصہ اول

۴۔ بہار نگینی

۵۔ نازو نیاز

۶۔ کرالہ کور حصہ دوم شامل ہیں

۷۔ آرام کور

۸۔ بہارِ نگینی

۹۔ خمار الفت

۱۰۔ پھر کلیات عاشق نگینی

رٹیائرمنٹ کے بعد اور حج واپس کے بعد بے شمار نعت لکھئے رہے ۳۰ کتابیں تا حیات شائع کیں جوان کے متعقد شاعر اور گلوکار بطور تحفہ لیے رہے۔

۲۰۱۳ء میں گنج نگینی کے کلام حیات النبی عشق رسولؐ کا خزانہ ہے عبدالاجد فرہاد معروف براڈ کاسٹر و ادیب اظہار ائے کرتے ہیں عاشق نگینی کو سمجھے کی بھر پور کوشش ہونی چاہے۔

عاشق نگینی کے پاس عقیدت مندوں کا آنا جانا رہاتا اور جھاڑ پھونک تعویز سے کئی حاجت مندوں کو کامیابی حاصل ہوتی رہی ہے

ستمبر ۲۰۱۴ء کے سیلاب میں نگین باغ میں ان کی رہائیش گاہ کو کافی نقصان پہنچا اور قلمی کتابی سرمایہ بہہ گیا اس دوران چھوٹے فرزند محمد امین کی نئی رہائیش گاہ بٹہ پورہ میں کچھ عرصہ قیام کرنا پڑا۔

عاشق نگینی کی زندہ دلی خوش مزاجی فقیرانہ طور طریقہ سجید گی صبر و استقامت سے

دوسروں کیلئے سبق آور رہی کافی بردیار رہی صحت کی ناسازی سے یاداشت پر کچھ اثر پڑا
نگیں باغ کے جنوب صدرہ بل اور شمال جانب حضرت بل تک ایک جیسی شخصیت کی قدر
دانی عزت کا مقام رہا ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

جولائی ۲۰۱۶ء کو مضمون تیار ہو چکا مضمون کتاب میں شامل ہو رہا تھا کہ اچانک ۳
جنوری ۲۰۱۷ء کو عاشق نیگنی صاحب

۳ جنوری ۲۰۱۷ روز منگلوار مطابق ۳ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بعد دوپہر ایک بجے
نگین باغ سرینگر میں وفات پا گئے۔ نماز جنازہ میں گرونواح رشتہ واحباب عقیدت
مندان کی خاصی تعداد تھی۔ اسی شام مقامی قبرستان میں مدفون ہوئے کئی ادبی، سماجی
تنظیموں وشخصیات نے ان کی وفات پر خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کے انتقال کو فات
کے چالیسویں تقریب پر نگین کلب سرینگر میں پژھه ہیندپر تو کی رسم رونمائی
انجام دی گئی ۵۰۰ صفحات مجلد شاعری کتاب پر مرحوم نے کافی سرمایہ لگایا تھا۔ اللہ ان کے
درجات بلند کرے۔

☆☆☆☆☆☆

تذکرہ فقیر محمد عبداللہ ڈار

یہ ہے کہ کشب ریشی کے وقت سے کشمیر میں بدھ مت اور ہندو دھرم پھلا پھولا مگر زمانہ گذرنے کے ساتھ یہ دور مانند پڑ گیا اور اسلام کا بول بالا ہونے لگا۔ پوری دنیا میں یہ ایک مثال ہے کہ کشمیر وہ جگہ ہے جہاں جنگی فتوحات کے بغیر بودھ مت اور ہندو مت سے وابستہ گھرانوں نے اسلام قبول کیا۔ اسکا سہرا ابتدا میں حضرت بلبل شاہ لنکر کے بعد حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ اور اسکے طالب حضرت شیخ کامل شیخ نورالدینؒ کا طور طرز ہے امیر کبیر کے ساتھ سات سو سادات آئے اور اکثر کشمیر میں ہی قیام پذیر رہ کر مختلف طریقوں سے اسلام پھیلایا۔ کئی سادات نے تبلیغ دین اور واعظ سے خانقاہوں میں ٹھہر کر یہ کام کیا البتہ کچھ نے صوفی طریقہ کار کو تھامے رکھا اسطرح اسلام کو آبیاری ہوئی اور انسانیت کا پیغام کشمیر میں پھیل گیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ کچھ نے شیخ العالمؒ کا طریقہ اپنا کر ریشیت اور کچھ نے شعر و شاعری اختیار کی۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کشمیری شعراء کا امام یہی مادر زاد اولیاء حضرت شیخ کامل رہا جو بلکل ناخوانداہ تھا اسکے والد سلر سنز کشتواڑ نے حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کولگام کے ارشاد پر اسلام قبول کیا اور سالار دین نام سے جانا جانے لگا۔ اسی کے پس منظر میں کشمیر کے کچھ بلکل ان پڑھ صاحب دلوں نے صوفی شاعری نام کمایا۔

صوفی بزرگان اور شعراء نے طریقت کا راستہ اختیار کرے راہ سلوک حاصل کیا جن میں لسہ خان بڈی ہار سرینگر کا نام بھی آیا ہے جو کہ بیسویں صدی کا بلکل ان پڑھ بزرگ شاعر تھا اسکو کشمیر کے کئی مقامات پر طالب و مرید رہے ایک طالب خاص کا نام محمد عبداللہ ڈار تھا جو کہ ۱۸۸۲ء میں پلوامہ کے مغرب جانب ۵ کلومیٹر دور راجپورہ کے بلکل نزدیک واقع ہے بلکل ناخواندہ ڈار صاحب کو پیر و مرشد لسہ خان بڈی باری کے ساتھ گہرے روابط تعلقات تھے فقیر محمد عبداللہ ڈار کم گو شریف النفس اور حلیم نرم مزاج کا تھا بلکل آہستہ سے بولتا تھا اسی میں یہ صلاحیت تھی کہ اسکو پیر و مرشد نے خط ارشاد دیا اور سینکڈوں مرید اور عقیدت مند حوالہ کئے انکے طالب سرینگر، بارہمولہ، اسلام آباد، بڈگام اور پلوامہ علاقہ جات میں تھے۔ محترم ڈار صاحب وظائف ذکر و اذکار کی طرف متوجہ رہا کرتے اور اپنے طالبوں کو بھی اسکی طرف راغب کرتے تھے اسکے ساتھ ساتھ کشمیری گانوں کی محفل بھی جماتے تھے مقصد یہی تھا کہ شب خوانی ہوتی رہے اور کشمیری زبان میں مقاجات، نعت اور منقبت خوانی ہوتی رہی ڈار صاحب اپنی پوری زندگی اپنے ہی گھر بیلو درگنڈ پلوامہ میں طالبوں کی رہبری کرتے تھے کبھی کبھی طالبوں کی دعوت پر کشمیر کے کئی مقامات پر جایا کرتے تھے۔

پلوامہ کے جنوب جانب ۷ کلومیٹر دور تملہ ہال شاہورا آنا جانا رہتا جہاں اسکے کئی گھرانے مرید بن گئے۔ اپنی رحلت سے قبل ڈار صاحب نے کشمیر کے مختلف مقامات پر

پانچ طالبوں کو خط ارشاد دیا جن میں میر عزیز تملہ ہال شاہورہ بھی شامل تھے۔ تملہ ہال میں ہر سال اکتوبر انکی یادگاری مجلس ہوا کرتی ہے

میر عزیز ابتداء میں پولیس میں ملازمت کر کے چھوڑ گئے اور جوانی کے دور سے ہی فقیر محمد عبداللہ ڈار کی مجالس میں گایا کرتے تھے۔ مرشد کے رموزات اور کرامات کی وجہ سے ان کے مریدی ہو گئے۔ میر صاحب کا کہنا ہے کہ علاقہ شاہورہ کے پنجگام گاؤں میں ایک بیمار کو ڈاکٹروں اور حکیموں نے لاعلاج قرار دیا ایک روز ڈار صاحب نے اس کے گھر پر شب خوانی کی اس کو پیاز اور مصالہ سے تیار کردہ مرغا تیار کروایا بیمار کو یہ کھلانے کو کہا اگلے روز یہ بستری مریض ٹھیک ہوا اور کام کاج کرنے لگا۔ پلوامہ کے ہی نزدیک برلب سڑک بنڈوزہ میں ایک صاحب معدے کے کینسر کی وجہ سے لاعلاج قرار دیا گیا تھا۔ رات بھر اس کے گھر پر شب خوانی اور گانے کی محفل جمی رہی اگلے روز وہ تندرست ہو گیا تیسرے سال وہ انتقال کر گیا۔

محترم ڈار صاحب کوئی دعا کیلئے استدعا کرتا وہ دعا کرتے اور اللہ کے فضل و کرم سے اس کی مراد پوری ہوتی کوئی عورت اولاد کے واسطے دعا کی التجا کرتی تو دعا کر کے وہ صاحبِ اولاد ہوتی۔ پلوامہ کے نزدیک ترچھل گاؤں میں دو میاں بیوی تو اولاد کے لئے

کئی علاج کر چکے تھے اور بے تاب تھے کہ ڈار صاحب کے پاس آئے پورے نو ماہ کے بعد اللہ نے ان کو صاحب اولاد بنایا۔ کئی اصحاب سے سنا ہے کہ فقیر عبداللہ ڈار کے خاص طالب بیلو درگنڈ کے غلام رسول ژاٹھ بھی ہیں صوفی شاعری کرتے ہیں۔ شاعری کتابیں شایع ہوئی ہیں۔

اصل میں فقیر محمد عبداللہ ڈار کا مدعا اور مقصد یہی رہا کہ بلالحاظ مذہب و ملت عوام کو راحت اور سہولیات پہنچانا روحانی طور طریقہ سے، تملہ ہال شاہورہ میں اس نے کئی اصحاب کو تربیت دی تھی ان میں کشمیری شاعر غلام نبی ظہور کی بیوی فاطمہ بیگم بھی تھی اگر چہ ظہور صاحب کا سلسلہ حقانی خاندان سویہ بگ سے منسوب تھا اور حضرت صاحب سعید صاحب حقانی سجادنشیت کے قریبی طالب تھے اس نے اپنی اہلیہ کو بھی اعتراض نہیں کیا کہ تم کیوں اسکی تربیت میں ہو اگر چہ فاطمہ بیگم اپنے خاوند کے حقائی خاندان کے ہاں بھی جایا کرتی۔ ظہور صاحب کیا کرتے کہ فقیر محمد عبداللہ ڈار کا مجھے احترام ہے اگر چہ وہ ان پڑھ ہیں ان مین کچھ ایسے گن ہو سکتے ہیں جن سے عام لوگ ناواقف بھی ہوں۔ رشید صدیقی نیلورہ بھی ۱۹۸۹ء سے فقیر عبداللہ ڈار کے متعقد ہیں اور کئی برس تک میر غریز کی مجانس میں آیا کرتے تھے۔

پلوامہ شوپیاں سڑک پر واقع گابر پورہ ہال کی ایک نیک سیرت خاتون خطجی بیگم کا بھی فقیر محمد عبداللہ ڈار نے اسکو اپنے مریدوں میں شامل کیا تھا اس خاتون کو ڈار صاحب

پر پورا اعتماد اور یقین تھا۔

فقیر محمد عبداللہ ڈار ۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔



صاحب کتاب نے یہ مضمون کشمیری میں ۵ ستمبر ۲۰۰۵ء کو منعقدہ پڑ وقار مجلس میں سنایا جس میں مختلف علاقے سے آئے شعراء سماجی اصحاب بشمول محمد ایواب بے تاب شوپیان اور اشرف نازش ترالی بھی موجود تھے۔

مختصر آپ بیتی

میں پانچ سال کی عمر کا تھا تو اتنا یاد ہے کہ شہر سرینگر سے میرا گھرانہ اپنے آبائی گاؤں منتقل ہوا۔ گاؤں کے ایکٹو بیسک سکول میں داخل ہوا۔ چونکہ والد صاحب سرینگر کے کئی اخبارات آفتاب، ہمدرد، مزدور چنار، مارتنڈ اور نوجیون کے علاوہ سرینگر ٹائمز میں عرصہ چودہ سال بطور خوشنویس کام کرتے تھے اسلئے ہمارا گھر پھر سرینگر منتقل ہوا اور کرایہ کے مکان میں گذر بسر کرنے لگے۔ ہندو ہائی سکول سے مڈل اور گورنمنٹ ہائی سکول بٹہ مالو سے میٹرک پاس کیا۔ اسکے بعد امر سنگھ ڈگری کالیج میں داخلہ لیا۔ اسطرح میرا بچپن اور لڑکپن سرینگر کے ماحول میں پروان چڑھا۔ بچپن سے خوشنویسی، آرٹ، تاریخ، ادب، شعر و نغمہ اور ڈراموں سے میری دلچسپی کی وجہ میرے والد صاحب کی صحبت کا خاصا دخل رہا۔ چھٹی جماعت سے ہی ڈرائنگ اور کالج کی تعلیم میں سیاست اور اردو میرے منتخب مضامین رہے۔

بڑے بھائی کے ۱۸ سال عمر میں فوت ہوئے اور پھر والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے میرا گھر کافی متاثر ہوا۔ اسلئے پھر گاؤں منتقل ہونا پڑا۔ مالی بحران کی وجہ میرے والد صاحب کی بستری علالت رہی۔ اسطرح میری یہ خواہش مکمل نہ ہوسکی کہ گریجویشن کے بعد یا تو بمبئی جا کر فلم انڈسٹری میں گھس جاؤں یا یونیورسٹی میں داخلہ لیکر قانون کی

ڈگری حاصل کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کر سکوں میرے ارادے تقدیر کے پاؤں تلے دب گئے اسلئے میں نے گھر کو سنبھالنے اور والد صاحب کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ سروس سیکشن بورڑ نے محکمہ انفارمشین انت میں تعینات کیا۔

۱۸ سال کی عمر میں ہی ماں یتم خالہ زادہ بہن سے شادی ہوئی اسطرح گھریلو معاملات اور سرکاری ملازمت میں جھگڑنا میری قسمت رہی۔ والد صاحب کی پدرانہ شفقت نے مجھے گھر چھوڑنے نہ دیا۔ انکی شعروادب کی سرگرمیوں میں ہاتھ بٹانا میری اہم ذمہ داری رہی۔ دس سال تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ وفات پا گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے چنار کا درخت جڑ سے اکھڑ گیا اور میں سایہ سے محروم ہوا۔ ۲۶ عمر تک میں مجھے مکمل طور والد مرحوم کی شعرانہ کاموں کو مقدور کے مطابق اجاگر کرتا رہا خود افسانے اور مضامین لکھتا رہا۔ افسانے بھی لکھے۔ کچھ چھپ بھی گئے ۱۹۹۵ء میں دوردرشن کیندر سرینگر سے مرحوم والد کے شاعروطن نام سے ڈاکومنٹری ٹیلی کاسٹ کرائی۔ ان کے منتخب کشمیری نظموں اور غزلیات پاٹی وردن (ریشمی لباس نام سے) کو کلچرل اکیڈمی سرینگر کے مالی امداد سے چھپوا کر اسے ادبی حلقوں میں متعارف کرانے میں کامیاب ہوا۔ ملازمت کا حصہ چار پانچ سال سرینگر میں گذرا خسری ماحول بچپن میں بھی اتنا ہی وقت مصروف تر تھا۔ کہ حکومت نے مجھے لداخ تبدیل کیا اسطرح میں تین سال کشمیر سے کٹ کے رہ گیا۔

لداخ میں قیام کے دوران میرے مزاج میں کافی سلجھاؤ اور نرمی آگئی میرا دل کافی وسیع ہو گیا۔ سفر اور سخت موسمی حالت اور تنہائی کے ماحول میں صبر کا ہتھیار ہی میرا ساتھی رہا۔ ادھر کئی تقاریب میں لیکچر دینے کا موقعہ آیا اسطرح میرے انداز بیاں میں بھی سدھار آیا۔ تنہائی کے ماحول میں لکھنے کا موقعہ آیا۔ نیلے آکاش تلے ننگے کوہساروں سے گھری ڈھلوانی صحرائی وادی نیو ماچنگ تھنگ میں ہی میری شاعری خود بخود چھلک اٹھی۔ جو موم کا پتھر عنوان سے خوشخط رنگین طور اُدھر ہی تحریر کی ہے۔ ٹھنڈے خشک آب وہوا میں میرا گذر بسر ہوا۔ ماحولیاتی آلودگی سے پاک اس جگہ اتنے مضامین اردو اور انگریزی میں لکھے صرف اسی پہاڑی دیس پر۔ جن کو آئینہ لداخ (شائع ۲۰۰۶) لداخ کے قوس قزاح شائع ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء رحمت سفر (زیر چھاپ) تصویر لداح Cloders Desert Land موم کا پھتر اور نال ادھورا پریم کے علاوہ لداح ڈاوئری کی تخلیقات شامل ہیں۔ تین برسوں میں لداخ ٹھہراؤ کے دوراں حالات واقعات اور اقتصادی ترقی کے متعلق کئی آرٹیکل اخبارات میں چھپتے رہے۔

۱ مارچ ۲۰۱۸ء　　پلوامہ



سندھو درشن کے موقعہ پر ریاست کے وزیر اعلیٰ محترم مفتی محمد سعید صاحب کی تقریر کا خلاصہ

۱۸ جون ۲۰۰۴ء صبح کے دس بجے بروز جمعہ

بمقام سندھو گھاٹ شئے لیہہ (لداخ)

لداخ کی اپنی علیحدہ شناخت ہے اور بھائی چارہ کے لحاظ سے لداخ میں لوگ امن پسند اور ایماندار ہیں۔ پورے دیش کی کوشش ہونی چاہئے کہ لداخ کو ایک مثال بنائیں۔ میں نے لداخی بچوں کو حاضر جواب پایا جب اُن سے کھل کر بات کرنے کا موقعہ آیا۔ کئی برس سے تعلیم کیطرف لداخی بھرپور توجہ دیتے ہیں اس وقت نہ صرف بیشتر سرکاری سکول ہیں بلکہ پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی۔ اگرچہ ناموافق حالات کی وجہ سے کئی سال تک سیاح کشمیر نہ آئے مگر یہاں امن وآشتی کی وجہ سے سیاح آتے رہے۔ آج تو سرینگر زوجیلا کے علاوہ منالی راستے سے بھی صرف دو دن لگتے ہیں۔

پہلے لداخ کیا تھا پورے ایشیاء کا گیٹ وے تھا تاشقند کاشغر اور سکیانگ سے تجارتی قافلے آتے تھے لیہہ تو تجارتی منڈی بھی چشول کے نزدیک پنگوگ جھیل کا نصف سے زیادہ حصہ تبت میں ہے رہا کیلاش مالنسرور کھولے کا معاملہ اترانچل سے راستہ دور کا بھی ہے اور کافی کھٹن ہے جبکہ دمچوک سے یہ راستہ اتنا کھٹن نہیں یاتری ماروتی کی

چھوٹی گاڑی میں بھی ادھر جا سکتے ہیں اس بارے میں یہ معاملہ وزارت داخلہ فارن منسٹری اور وزیر اعظم کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔

رہا پاکستان کے ساتھ معاملہ! ہم تو نفرت کی دیواریں گرانا چاہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو پاک میڈیا یہ Impress دیتی ہے کہ سرینگر Capital of Force ہے جو کہ صیح نہیں پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ ایشیاء کو ایک کھڑکی بنانا چاہتے تھے۔

۵۶ سال میں پہلی بار پاکستان سے ادھر لداخ کچھ لوگ دعوت پر لائے گئے ہیں جو اس وقت میلے میں موجود ہیں۔

ہل ڈیولپمنٹ کونسل کو اس ہماری حکومت نے زیادہ اختیارات دئے تا کہ لداخی لوگ سہولیات اور حاصل کر سکیں۔ میں پچھلے سال سے جب حکومت کی بھاگ ڈور سنھبالی اب تک چھ بار لداخ آیا۔ کیلاش مانسرور کا معاملہ محکمہ ٹورازم کے ساتھ بھی اٹھایا جائے گا۔ جتنے ٹورسٹ لداخ آنا چاہئے آجائیں۔ جموں و کشمیر کی ریاست ایسی ہے جو کہ تمام موسموں کیلئے بہتر ہے رہا اس سرکار کا برتاؤ۔ یہ سرکار جو بن گئی ہے ہر خطہ چاہئے کشمیر ہو جموں ہو یا لداخ ہر خطہ کے ساتھ برابر سلوک کرنے کا عظم کیا ہوا ہے۔

صاحب کتاب سرکاری ڈیوٹی طور یہہ سے ۱۸۲ اکلومیٹر دور چنگ تھنگ سب ڈویژن تین سال تھا کبھی کبھی لداخ انتظامیہ کے آڑ در پر لہیہ بھی آنا پڑتا۔ وزیر اعلیٰ مفتی

محمد سعید صاحب سے لیہہ میں ۲۱ جولائی ۲۰۰۳ کو چند منٹ ملاقات کی جب
International Association Ladakh studies
conference کے افتتاح کو تشریف لائے اور اُسی روز واپس چلے گئے سندھ درشن
پر دوسری ملاقات کا موقعہ اسطرح آیا کہ انکے پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا اختتام تقریب اُن سے
پھر تعارف کیا۔ وہ بولے ابھی تم اُدھر چنگ ٹھنگ سے واپس نہ آئے۔ میں نے مسکرا کے
جواب دیا کیا قسمت میں لکھا کون مٹا سکتا ہے سمجھے اُدھر ہی سکون ہے



میر غلام رسول نازکی بانڈی پورہ کی قد آور شخصیت

میر غلام رسول نازکی بدھوار ۴ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر غلام مصطفے نازکی نے ۱۹۱۱ء میں سرینگر سے ہجرت کر کے بانڈی پورہ میں سکونت اختیار کی۔ غلام رسول نازکی کا بچپن وہیں گزرا۔ انھوں نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد سے حاصل کی جو عربی اور فارسی کے بڑے عالم تھے چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیئے سرینگر سے مڈل کا اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی کا امتحان پاس کیا اس دوران والد کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا تھا اور اب گھر میں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہین تھا چنانچہ انھیں ہندوارہ میں عربی و فارسی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کرنا پڑی۔ ملازمت کے دوران ہی انھوں نے منشی عالم، میٹرک، منشی فاضل، ادیب فاضل اور ایف اے کے امتحانات پاس کیے۔ ادیب فاضل میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں مشہور ماہر تعلیم اور اس وقت کے ناظم تعلیمات خواجہ غلام السیدین نے نازکی صاحب کو لٹریری اسٹنٹ بنا کر اپنے ساتھ رکھا اور علمی رسالے "تعلیم جدید" کا مدیر مقرر کیا۔ اس رسالے کے مدیر کی حیثیت سے نازکی نے ادبی حلقوں میں اچھی شہرت پیدا کی اس کے بعد ان کا تبادلہ زبان کے

استاد کی حیثیت سے ٹیچرس ٹریننگ اسکول میں ہوا کچھ عرصہ تک وہ اسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز بھی رہے ۱۹۴۸ء میں میر رسول نازکی ریڈیو کشمیر جموں سے وابستہ ہوئے اور پھر ان کا تبادلہ ریڈیو کشمیر سرینگر میں ہوا جہاں سے وہ ملازمت سے سبکدوش ہوکر وظیفہ یاب ہوئے اور ۱۶مارچ ۱۹۹۸ کو انتقال کر گئے۔

میر غلام رسول نازکی کی طبیعت شروع سے ہی شعروسخن کی طرف مائل تھی گھر کا ماحول علمی وادبی تھا ان کے والد عربی وفارسی کے علاوہ سخن شناس بھی تھے انھوں نے نازکی صاحب کو ادب کی نزاکتوں اور نفاستوں سے روشناس کرایا۔ محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آب حیات'' کے مطالعہ نے انھیں اردو شاعری کا گرویدہ بنایا۔ شروع میں قدیم اساتذہ کی پیروی میں غزلیں کہتے رہے غزل کے علاوہ نظم، قطعہ اور رباعی کے اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے وہ نعت بھی خوب لکھتے تھے اردو کے علاہ انھوں نے کشمیری میں بھی شعر کہے ہیں اردو میں ''دیدہ تر''، ''چراغ راہ'' اور ''متاعِ فقیر'' کے نام سے ان کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جب کہ ''نمرودنامہ''، ''آواز دوست'' اور ''کادینہ وول'' نام کے شعری مجموعے کشمیری میں ہیں۔

نازکی صاحب کی شاعری میں عام طور پر حسن وعشق، غم روزگار، دنیا کی بے ثباتی ، قدروں کی پامالی اور درد وحسرت کے موضوعات ملتے ہیں وہ عصری شعور سے بہرور تھے اور جدید دور میں فرد اور معاشرے کے پیچیدہ مسائل سے آشنا تھے۔ اس لیے ان کی

شاعری میں نئے لہجے کے ساتھ نئے نئے موضوعات شامل ہیں ان کی شاعری کا بنیادی اور اہم ترین موضوع غم ہے وہ غم کو زندگی کی اہم تر حقیقت مانتے ہیں یہاں تک کہ غم ہی کو بندہ اور مولا کے درمیان رشتے کی وجہ قرار دیتے ہیں ناز کی فطرت نگاری میں بھی کمال تھا وادی کشمیر کے دلفریب مناظر سے انہیں جو تحریک ملی ہے اس کی بدولت انھوں نے اپنی شاعری میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔

اس شوخ کو کیا دیکھا آنکھوں میں سمٹ آئی
شیراز کی شادابی کشمیر کی رعنائی

رہ رہ کے مرے دل میں اک درد سا اٹھتا ہے
اپنے لبوں سے دے پیغام مسیحائی

ہر شئے کی حضوری میں جھکوادیا سر میرا
اے ذوق جبین سائی! اے لذتِ رسوائی

شرمندۂ الفت ہوں رسوائے محبت ہوں
دامن میں چھپا مجھ کو اے گوشۂ تنہائی

کب سایہ فگن ہوگا وہ سرو دلارائی



تنہا انصاری بارہموالہ کی شاعری پر مختصر نظر

تنہا انصاری کا اصل نام حسین علی انصاری ہے ان کے والد کا نام حسن علی انصاری تھا جو ایک مشہور مدرس ہونے کے علاوہ عربی فارسی اور اردو کے جید عالم تھے تنہا انصاری کے دادا اودھ (اتر پردیش بھارت) سے ہجرت کر کے کشمیر میں سکونت پذیر ہو گئے تھے وہ ایک بڑے تاجر تھے اور علم و فضل میں شہرت رکھتے تھے تنہا انصاری ۴ فروری ۱۹۱۴ء کو دلنہ بارہمولہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دلنہ میں حاصل کی۔ گھر میں سخت دشواریوں کے پیش نظر انھیں مڈل سکول پاس کرنے کے بعد ہی ملازمت کرنا پڑی۔ پہلے محکمہ امدا باہمی میں ایک محرر کی حیثیت سے کام کیا چند ماہ بعد اپنے والد کی تقلید میں محکمہ تعلیم میں چلے آئے اور اڑتیس سال مدرس کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے ملازمت کے دوران ہی انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک، ایف اے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے اور ۱۹۵۳، ۱۹۵۴ میں جموں و کشمیر یونیورسٹی سے بی اے اور بی ایڈ کی ٹیچرس ٹریننگ اسکول میں اردو زبان کے استاد کی حیثیت سے ہوا اس کے بعد ناظم تعلیمات کے لٹیری اسٹنٹ مقرر ہوئے اور خلیفہ عبدالحکیم کے ساتھ منسلک رہے کچھ اور اسکولوں کے سربراہ کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے ۱۹۶۰ء میں حکومت ہند نے انہیں بہترین استاد ہونے کی بناء پر قومی ایواڑ سے نوازا۔ انصاری اپنی

ریٹائرمنٹ سے انیس دن قبل ۲۳ فروری ۱۹۶۹ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔

تنہا انصاری کا شمار شمائی کشمیر کے صف اول کے شاعروں تحقیق نگاروں میں ہوتا ہے اردو کے علاوہ انھوں نے کشمیری میں بھی شعر کہے ہیں وہ ایک اچھے نثر نگار کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں ان کے خطوط کا مجموعہ ''خاطر احباب'' کے نام سے شائع ہوا ہے جو ان کی رنگا رنگ شخصیت کے ساتھ ساتھ اردو نثر پر ان کی غیر معمولی قدرت کا آئینہ دار ہے ''تعلیم زبان'' اور ''صحیح اردو بولئے'' ان کی دو اور کتابیں ہیں جو اردو کی درس و تدریس سے متعلق ہیں اس کے علاوہ انھوں نے تحقیقی، تنقیدی اور، علمی مضامین بھی لکھے ہیں لیکن ان کا خاص میدان شاعری ہے ان کے شعر مجموعے اردو میں ''شبنمستان'' اور کشمیری میں ''فرات'' کے نام سے ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئے۔

تنہا انصاری کی ابتدائی شاعری رومانی اور عشقیہ ہے جس میں روایتی طرز اظہار ملتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے نئی سماجی اور تہذیبی تبدیلیوں کے پیش نظر اپنے شعری رویوں میں بھی تبدیلی لائی اور حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے گرد و پیش کی دنیا کا مشاہدہ کرنے لگے اور اپنے تاثرات کو شعر کا جامہ پہنانے لگے۔ حسن و عشق کے موضوعات کے علاوہ ان کی شاعری میں آزادی محبت سچائی اور انسانی قدروں کی پامالی کا موضوع بہت ہی نمایاں ہے وہ اپنے دور کے حالات و واقعات کی عکاسی طنزیہ انداز

میں بھی کرتے ہیں تنہا انصاری نے اپنی شاعری میں کشمیر کی خوبصورتی اور اس کے فطری حسن و جمال کے بھی بڑے دلکش مرقعے کھینچے ہیں۔

میرے والد مرحوم غلام نبی ظہور کو انصاری خاندان سے تعلقات تھے اسی پس منظر میں ساتویں دہائی کے آخری سالوں اُدھر ہیڈ ماسٹر نشاط انصاری اور شوکت انصاری مدرس کے نام مکتوب لکھ کر روانہ کیا ان ایام میں بسوں کا سفر تھا اور بارہمولہ سفر پہلی بار تھا۔ پلوامہ سے بارہمولہ بس سفر میں ۵ گھنٹے لگے۔ پہلے شوکت انصاری ملے اور شام کو نشاط انصاری گھر آئے۔ خط کا جواب لکھو کر دیا۔ کافی خاطر تواضع کی اگلے روز صبح ۱۰ بجے پہلی بار سوپور وٹلب راستے بانڈی پورہ سے واپس سرینگر آیا۔



شوریدہ کاشمیری

آپ کا اصلی نام غلام محمد ملک اور شوریدہ تخلص تھا ۱۸ مارچ ۱۹۲۴کو شوپیان کے نزدیک پنجورہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد عبداللہ ملک تھا جو معمولی پڑھے لکھے تھے مگر اپنے بیٹے کی تعلیم کا انھیں بے حد شوق تھا شوریدہ کاشمیری نے آٹھویں جماعت تک تعلیم شوپیان میں حاصل کی سرینگر کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور یہیں سے اچھے میٹرک کا امتحان پاس کیا ایس پی کالج سرینگر سے بی اے کی ڈگری حاصل کی بعد میں محکمہ مال میں ملازم ہوئے محکمہال کی ملازمت سے دلچسپی رہی اسلئے محکمہ تعلیم میں استاد کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی دوران ملازمت ہی شوریدہ کاشمیری نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پرائیوٹ امیدوار کی حیثیت سے ایم اے کا امتحان پاس کیا بعد میں گورنمنٹ ڈگری کالج انت ناگ میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ کالج سطح پر برسوں تک درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکاری نوکری سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۹۰ء میں نئی بستی اسلام آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

شوریدہ کاشمیری کو بچپن سے ہی شعروشاعری کا شوق تھا کالج میں داخلہ لینے کے بعد انھوں نے شاعری کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کی۔ شاعر نے طالب علمی کے زمانے سے ہی اردو کلاسیکی شعراء کے ساتھ ساتھ آزاد، حالی، اقبال، اور دوسرے شعراء

کی جدید شعری روایات کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا شروع کیا اور ان کے اثرات سنجیدگی سے یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں قدامت پسندی کے ساتھ ساتھ جدت پسندی کا رجحان صاف نظر آتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ منظوم کلام ہے لیکن کہیں کہیں ایسے اشعار بھی نظر آتے ہیں جو آپ کے تخلیقی ذہن کا پتہ دیتے ہیں آپ نے غزل کے علاوہ نظم قطعہ اور رباعی کے فن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن بنیادی طور پر آپ غزل کے شاعر ہیں آپ کے دوشعری مجموعے جوش جنوں اور جذب دروں شائع ہو چکے ہیں ان دونوں مجموعوں میں غزلوں کے علاوہ قطعات رباعیات اور نظمیں بھی شامل ہیں۔

صاحب کتاب دوارن ڈیوٹی اننت ناگ شوریدہ کشمیری سے کئی بار ملا وہ ہماری محکم کی محفلوں میں بھی آیا کرتے تھے۔



چکبست لکھنوی

شعراء کی آماجگاہ اور مشاعروں کی زینت بڑھانے میں لکھنو تو اول درجہ ہے ادھر ہی یہ حساس شاعر مقبول عام ہوئے۔ پنڈت برج نرائن چکبست اور تخلص بھی حکومت تھا والد کا نام پنڈت اودت نرائن چکبست تھا۔ وہ بھی شاعر تھے اور یقین تخلص تھا اصلا کشمیری برہمن تھے ان کے اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے آئے تھے چکبست ۱۸۸۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکیل ہو گئے وکالت کی وجہ میں لکھنو آنا جانا لگا رہتا تھا اسلئے ۱۹۲۶ء میں وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہاں کے ممتاز وکلاء میں شمار کئے جانے لگے ۱۹۴۶ء میں رائے بریلی کے ریلوے اسٹیشن پر فالج بیماری کا شکار ہو گئے اور چند ہی گھنٹوں میں انتقال کر گئے۔

چکبست کا اردو کا مطالعہ بہت وسیع تھا شعر کے رموز و نکات پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے کلام پر غالب اور انیس کے کلام کا اثر صاف نظر آتا ہے مسدس رامائن کا یک سین پڑھتے وقت انیس کا رور بیان اور جذبات انسانی کی ترجمانی یاد آجاتی ہے۔

چکبست کی غزلوں میں غالب کا فلسفیانہ انداز اگرچہ کم ہے لیکن بہت خوب ہے زبان اور بیان پر آتش کا اثر ہے ان دونوں کے امتزاج سے ان کی ذہانت اور فکر رسا نے اپنا ایک انفرادی رنگ پید کر لیا تھا ان کا مجموعہ کلام صبح وطن چھپ چکا ہے۔

چکبست حقیقت میں قومی شاعر تھے اس زمانے کی قومی تحریکوں کی طرف ارباب وطن کو رغبت دلانا اور وطن کے نوجوانوں کو وطن کی محبت اور اس کی ترقی کی طرف متوجہ کرنا ان کا اصل مقصد تھا ان کا مشرب یہ تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن کا دامن پکڑے بغیر اگر مغربی تہذیب میں کوئی اچھی بات ہے تو اسے اختیار کر لینا چاہئے اسی خیال کے تحت وہ ہوم رول کے مطالبہ کے دل سے حامی تھے بہر حال اپنے کام میں انھوں نے اس زمانے کے سیاسی حالات کو بڑی خوبی اور کامیابی سے پیش کیا۔ نمونے کے طور پر چکسبت لکھنوی کا کلام مندرج ہے۔

☆☆☆☆☆

وہ صبح کو کہسار کے پھولوں کا مہکنا

وہ جھاڑیوں کی آڑ میں چڑیوں کا چہکنا

گردوں پہ شفق کوہ پہ لالے کا دہکتا

مستوں کی طرح ابر کے ٹکڑوں کا بہکنا

ہر پھول کی جنبش سے عیاں ناز پری کا

چلنا وہ دبے پاؤں، نسیم سحری کا

وہ طائر کہسار لب چشمہ کہسار

وہ سرد ہوا اور کرم ابر گہر بار

وہ یوں خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار
اک آن میں صحت ہو جو برسوں کا ہو بیمار

یہ باغ وطن روکش گلزار جناں ہے
سرمایہ ناز چمن آرائے جہاں ہے

چھوتے ہوئے اس باغ کو گزرا ہے زمانہ
تازہ ہے مگر اس کی محبت کا فسانہ

عالم نے شرف جن کی بزرگی کا ہے مانا
اٹھتے تھے اسی خاک سے وہ عالم ودانا

تن جن کا ہے پیوند اب اس پاک زمین کا
رگ رگ میں ہماری ہے رواں خون انھیں کا

راقم الحروف کو چکبست لکھنوی سے آٹھویں نویں جماعت میں دوران تعلیم اردو کتاب شعر گوئی میں فطرت کی منظر کشی لبھاتی تھی ایسے معلوم پڑتا کہ اسکا گرویدہ ہوں اسی تناظر میں یہ مضمون قلم سے پھوٹ پڑا۔



پشکر ناتھ

پشکر ناتھ سرینگر کے محلّہ بٹہ یار میں ۳۱ مئی ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور ایک مدت تک اکاونٹنٹ جنرل کے دفتر سے منسلک رہے عمر کا زیادہ حصہ جموں میں گزارا۔

پشکر ناتھ ہماری ریاست اور بیرون ریاست کے ادبی حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہیں ان کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۳ء میں ملک کے نامور جریدے بیسویں صدی میں ان کے پہلے افسانے کہانی پھرادھوری رہی۔ کی اشاعت سے ہوا اس کے بعد ان کی کہانیاں برصغیر ہندوپاک کے بہت سے رسائل و جرائد میں چھپنے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوپاک دونوں ممالک میں ان کی شہرت ہونے لگی۔

پشکر ناتھ کے افسانوں کے جو مجموعے شائع ہو کر مشہور ہو چکے ہیں ان میں ''اندھیرے اجالے''، ''ڈل کے باسی''، ''عشق کا چاند اندھیرا'' اور ''کانچ کی دنیا'' شامل ہیں پہلے دو مجموعوں پر انہیں ریاستی کلچرل اکاڈمی کی طرف سے انعامات ملے۔ افسانوں کے علاوہ انھوں نے بہت سے ریڈیائی اور اسٹیج ڈرامے بھی لکھے ہیں ان ڈراموں کو بھی وقتاً فوقتاً اعزازات سے نوازا گیا ہے۔

فنی اعتبار سے پشکر ناتھ کی کہانیاں اور ڈرامے یہ ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ وہ

افسانے اور ڈرامے کے فن کی نزاکتوں سے واقف ہیں اپنے ڈکشن پر انھیں مہارت حاصل ہے الفاظ کا انتخاب بڑے محتاط طریقے سے کرتے ہیں کشمیر سے تعلق ہونے کی وجہ سے یہاں کے مناظر پھل پھول دریا جھرنے، چرند و پرند آب و ہوا اور موسم کا ذکر ان کی کہانیوں میں اکثر ملتا ہے پشکر ناتھ کی کہانیوں سے کشمیر کے دکھ درد کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

پشکر ناتھ جموں میں انتقال کر گئے۔

☆☆☆☆☆☆

اخبار آفتاب آئینہ سرحیات سے لیکر خبر و نظر تک

خواجہ ثنا اللہ بٹ صاحب وہ معروف اخبار نویس ہیں ان کے پاس لیڈر، منسٹر، اعلیٰ حکام اور معروف شخصیات ملاقات کو اُنکے دفتر روزنامہ آفتاب آیا کرتے ان کا اخبار معروف مقبول اخبار تھا جہاں میرے والد مرحوم صاحب غلام نبی ظہور بطور کاتب خوشنویس ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۶ء تک کام کرتے تھے میں ان ایام میں معصوم بچہ تھا اس کو میں نے کئی بار دیکھا ہے عید الفطر کے روز انہوں نے عیدی بھی دیدی اور مجھے پیار کیا۔ کئی بار جاتا رہتا ہمارا گھرانہ ان ایام میں زیندار محلہ کے کرایہ مکان میں قیام پزیر تھا کافی ہنس مسکھرانے کے باوجود وہ بارعب نظر آرہے تھے

ان کی شخصیت کے مختلف پہلوں کے متعلق والد مرحوم سے سن چکا ہوں موئے مقدس کی تحریک میں اخبار آفتاب کو آگ لگانے کیلئے جلوس آیا ۱۹۶۳ء کی بات ہے خواجہ ثنا اللہ اپنے دفتری سٹاف کے ہمراہ باہر نکلے اور اخبار دفتر جلانے کو کہا ہجوم نے کہا کہ تم عوام کے ساتھ ہو یا حکومت کے ساتھ جواب دیا اخبار تو لوگوں کا ترجمان ہوتا ہے میں تو عوام کے ساتھ ہوں اور عوام کے ساتھ ہی رہوں گا کہیں غلط فہمی ہوئی ہے کس نے بہکایا ہے آپ کو یہ اخبار تمہارا ہے اگر جلانا چاہتے ہو تو خاکستر کردو۔ ہجوم آفتاب زندہ آباد کے نعرے لگاتے ہوئے خواجہ صاحب کو آگے آگے معہ سٹاف ممبران لے لیا اور لال چوک

میں خواجہ ثنااللہ زندہ آباد نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑے خواجہ صاحب مسکراتے ہوئے سٹاف کے ہمراہ آفتاب پر واپس پہنچے اور اگلے روز اخبارات میں یہ خبر بھی چھپ گئی تب سے آفتاب دوسرے اخبارات ہمدرد، خدمت سے بازار میں زیادہ بکنے لگا اور مقبول عام رہا۔

خواجہ ثنااللہ بٹ جو کہ بابائے صحافت کشمیر کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے گو کہ ظاہری طور اس دنیا میں نہیں ہے مگر کشمیری صحافت میں ان کا نام زندہ رہے گا آج بھی ان کا اخبار مقبول عام ہے اور کشمیر کے اردو اخبار میں پہلے نمبر پر اس کی اشاعت ہے دوسرے نمبر پر کشمیر عظمی ہے اور تیسرے نمبر پر سرینگر ٹائمز ہے اسکے بعد تعمیل ارشاد ہے چٹان تو ہفتہ روز کی حیثیت سے مقبول عام تھا مگر روزنامہ کے بعد یہ اپنے مقام سے نیچے گر گیا جبکہ اخبار آئینہ کو کوئی بھول نہیں سکتا۔ محمد شعبان وکیل کا اخبار الصفا مقبول عام رہا اسکے شہادت سے ۲۰۰۷ء سے مقبول ہوتے ہو کر نیچے گرنے لگا حالانکہ اس کی مقبول ویری، حمید حامد، شوکت حمید اور اظہر رفیقی قیوم زلفی صحافیوں نامہ نگاروں نے محنت کر کے اسے مقبول کر لیا تھا۔

آئینہ اخبار نے چھٹی ساتویں دہائی میں تہلکہ مچا دیا وہیں خبر و نظر نے ہفتہ وار کے طور پر علم وادب میں ۱۹۹۶ء سے دس سال تاریخ رقم کی۔ عبدالرحمان آزاد کے سرچشمہ حیات نے

ضلع انت ناگ میں شائع ہو کر ایسی تاریخ رقم کی جو بھولنے کے لائق نہیں کہ اس وقت کے بابائے قوم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے قوم کے ساتھ بے وفائی برتنے کئی تبصرے ادارے مضامین لکھتا رہا اور کوئی اخبار جرات نہ کر سکا عوام الناس کا یہ نعرہ کہ اللہ کرے گا وانگن کرے گا شیر کرے گا شیر کرے گا ایشیاء کا سر بلند ستارہ شیر کشمیر مست ہاتھی کی طرح نوجوان مرد و خواتیں طرح سڑکوں پر آ کر ناچا کرتے اور ۱۹۷۷ء الیکشن تک رہا شیخ عبداللہ اپنے آپ کو دوسرا بڈشاہ بننے کے خواب میں ڈوبا تھا اقتدار کی طلاق شدہ عورت سے نکاح کر کے اسے حسین و جمیل بنا دیا قوئل پلوامہ کے جوان جوشیلے صحافی جو معدے کے مرض میں مبتلا ہو کر بھی زمین بیچ چکے تھے اور ڈاکٹر علی جان کے زیر علاج ہو کر اس کے نزدیکی دوست بن چکے تھے شعلہ بیانی بے باکی باغیانہ بن سچائی ان میں کوٹ کوٹ بھری تھی اس وقت کوئی اخبار جرات ہی نہ کر سکتا تھا کہ حکومت وقت کے خلاف لکھ سکے مگر آزاد نے بے باگی صفحۂ قرطاس پر لا کر سر چشمہ حیات میں ڈول تہ ڈلنک بہانہ پر ژھتوس ۔بہک گیا تو بہکنے کا بہانہ پوچھو۔

”محاذ رائے شماری سے کا ہچرائی تک“

”ہوس اقتدار یا سیاسی حکمت عملی“

جیسے اداریہ لکھ کر وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو جھنجوڑا نتیجا عبدالرحمان آزاد کو ایمر جنسی کے ایکٹ کے تحت کیس بنا کر گرفتار کر کے سنٹرل جیل بھیج دیا گیا ۱۹۷۶ء کی یہ کہانی اس گھرانے

کیلیئے کتنی بڑی آزمائش تھی کہ اسکی نیک سیرت بیوی زیرِ تعلیم دو بچے کسمپرسی کی حالت میں پڑ گئے مقدمہ چلا اور عدالت میں اسے جج کے سامنے پیش کیا گیا جہاں وہ اپنے طور پر مقصد پر ڈٹے رہے اس کا سر چشمہ حیات نبد ہو چکا تھا اور حکومت نے اپنا نزلہ عبدالرحمان آزاد پر گرادیا فائنل اخبارات کا غذات مضبط کی گئی عبدالرحمان آزاد نے پھری عدالت میں کہا کہ میرے گھر سے میری بیوی بچوں حطا کہ گائے اور مرغ مرغیوں کو بھی سنٹرل جیل بھیجد و مگر میں سچ لکھ کر ہی رہوں گا کہ کشمیری قوم کے ساتھ دغا بازی ہوئی ہے۔

کون سا وکیل عبدالرحمان آزاد کی وکالت کر رہا تھا کہ عبدالرحمان آزاد کی سلاخوں سے آزاد کیا گیا مگر سرمایہ قلم کا غذات لٹ چکے تھے فرمابزدار عورت کے طور آزآر کی بیوی عزی بیگم واقعی قابل تعریف ہے آزاد نے دونوں بیٹوں کو تعلیم دلانے میں خاص توجہ دی کیریئر بنا کے لئے کافی محنت کی اس کو دہلی میں پیس میکر بھی لگانا پڑا اور تمبا کو کو سگریٹ پر قطعی پابندی لگ گئی عبدالرحمان آزاد نے قلم کو موڑ دیا شعر و شاعری تنقیدی مضامین لکھا رہا اور ریڈیو پروگراموں کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھا۔ مجبوری کا نام اندرا گاندھی بو بول کر وہ ٹی وی کا عارضی پروڈکشنر بھی بن گیا مگر یہ بھی راس نہ آیا کہ کرہنہ ماز کنجھ ہ (جگر کے ٹکڑے) انہار وغیرہ کشمیری سعری کتابوں کو شائع کرتا رہا۔ ان کا یہ غزل ریڈیو سے بجتے رہے۔ جو مقبول

عام ہوئے ساتویں دہائی سے

تابه دامان ستم بالئے۔

واله بڑ زلف کھمیا له ئے

اس کے علاوہ نظم

میه پیو چانه موکھ دل سمندر بناون

ووتهمه دکنه اوش پیوم گوہر بناون

کھٹتھ موکھ مببه پے چانی ہوجلئوه ہاون

چھۂ کس دوه قیامت گرندی گژ هته راون

میه پے پانه عدلک دفتر سجاوں

عبدالرحمان آزاد کا سب کچھ بکھر گیا مگر صحافت کی تاریخ اس کا نام زندہ جاوید رہے گا اسی نے کشمیری زبان میں پہلی مرتبہ خطوط پر مبنی ''غبار'' بازار میں لاکر اپنے دل کی ٹھبر اس نکالی سر چشمہ حیات ہی گمنامی میں پڑ گیا غبار کو کشمیری ادب میں منفرد طور تسلیم کیا گیا۔

آزاد نے خاموشی میں زندگی گذارنے کو ترجیح دی اسکے لکھے شمار قلمی مضامین ڈائرماں، تبصرے کہیں نظر نہیں آتے کئی انعامات حاصل کرنے والے عبدالرحمان آزاد کی خاموش تیز مزاجی حاضر جوابی اپنی مثال آپ تھی آپ نے چند روز صورہ ہسپتال میں گذار

کر ۱۱ جون ۱۹۹۶ء کو اس فانی دنیا کو چھوڑ دیا اسکا احوال نامہ خبر ونظر میں شائع ہو چکا ہے
اور حکیم منظور کیا کرتے تھے حمیداللہ صاحب شرافت سے زندگی گذاری ہے
ایک دفعہ اُسے گوش گذار کیا آپ کی شکل وشمائل عبدالرحمان آزاد سے ملتی جلتی ہیں اور کسی
حد تک وہ فرما گئے ویسے آداز صاحب سے ناآشنا ہوں۔ اور ہم کبھی آپس میں ملے نہیں
ہیں۔ میں نے کشمیری میں اوحال ناما عبدالرحمان آزاد کشمیری میں تحریر کیا جس کو حکیم
منظور صاحب نے اپنے اخبار خبر نہ نظر میں شائع کیا۔ آزاد صاحب کی مزاج پرسی کو صورہ
سرینگر گایا۔ صرف چار دن بعد ۱۱ جون ۹۱۹۶ء وہ وفات پا گئے۔ ان کے ساتھ میری مراسم
۱۹۷۵ء سے نہ رہے۔ جب کہ حکیم منظور صاحب سے ۱۹۹۶ء سے دس سال رہے جو
دسمبر ۲۰۰۶ء میں وفات پا گئے۔

حکیم منظور برصغیر کے نامور اردو شاعر رہے بطور ناظم تعلیمات کشمیر اور ڈی بار
ہمولہ رہ چکے تھے۔ کشمیر کے اطراف سے شعرا ادبا ان کے پاس حاضر ہو کر تے
تھے۔ وہیں آزاد کے دور میں پلوامہ کے آس پاس نو آموز شعراء اور قلم کاروں کے علاوہ
سماجی اصحاب کا آنے جانے رہتا۔ آزاد اور منظور نہ صرف مزاج میں یکساں تھے بلکہ حاضر
جوابی میں بھی ملتے جلتے تھے۔ جوش اخلاقی اور خندہ شیانی سے پیش آتے تھے۔



حضرت شاہ قاسم حقانی قدس سرہ اعلیٰ درجہ کے ولی کامل

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ کے ہمراہ سن ۷۸۵ھ کے دوران جو لوگ کشمیر آئے اعلیٰ نسب سب کے سب صاحب ہوش وکمال تھے عالم باعمل ان عالموں میں سے میر شمس الدین شامیؒ بھی تھے جن کے اراکین نسل سے تعلق رکھنے والے حضرت شاہ محمد قاسم حقانی قدس سرہ ایک ایسی علمی شخصیت تھی کہ اس زمانہ میں دبدبہ آپ کا تھا علم و عمل سیرت ومہارت کے منبع تھے ہر کسی کی رہبری کرتے اور اچھے لوگوں کی صحبت میں اٹھتے رہتے اور وقت صرف کرتے تھے جس وقت میر محمد ابن میر یوسف صوفیانہ گانے سن سن کر رقص کرتے کرتے وجد میں آئے تھے یہ حضرت اُن سے اس بارے میں علمی بنیاد پر سوال کرنا چاہتے تھے وجد وحال میں مست د مدہوش میر محمدؒ خلفیہؒ اور اسکے مریدوں خلیفوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں ان کو ایک ایک سو کوڑے مارنا چاہوں گا؟

(خدا ہی بھیدوں کو جاننے والا ہے)

تاریخ اولیاء میں آیا ہے کہ پھر وقت آیا کہ حضرت شیخ یعقوب صرفی قدس سرہ دہلی سے آگے اکبر آباد گئے تھے حضرتؒ نے وہاں سے ہی میر محمد خلیفہ کو پرزہ پر لکھکر بھیج دیا کہ ملا قاسمؒ آپ کو اس بارے میں کچھ باز پرسی کرنے کا خیال رکھتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ایسی قید میں گرفتار ہو جائے گا کہ دیکھنے والے عبرت لیں گے اسکے بعد کچھ عرصہ گذار کر

وہاں سے یہ جماعت جب واپس کشمیر پہنچی تو ایک دفعہ کا بیان ہے جو کہ جلد سوم تاریخ حسن سے براہ راست نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ ایک دن میر محمد خلیفہؒ نے پانپور میں محفل سماع رچائی تھی ملا قاسمؒ کو پتہ لگا خشم ناک ہو کر محفل میں گئے۔ جو خلیفہ کے چہرے پر نظر پڑی۔ تھر تھر کانپنے لگے خلیفہ نے شیخ یوسف شوقی کو اشارہ کیا۔ شکار کا وقت ہے یوسف نے یہ شعر ترنم کے ساتھ شروع کیا:

خنجر کشیدہ بر سر قتلم شتاب چیست

خود کشتہ میشویم وترا اضطراب چیست

ترجمہ: (میرے قتل کیلئے خنجر نکالنے میں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو خود ہی قتل ہو جائیں گے؟ تجھے کس بات کی بے چینی ہے؟) ملا قاسم وجد میں آکر بیہوش ہو کر گرے۔ جب پیشین (دوپہر کی نماز) کا وقت نزدیک آیا۔ شیخ یوسف نے یہ بیت شروع کیا:

اے گرفتار وصالش تا بہ کے گردی بروں

اندر آتا گویمت اسرار از دروں

(اے!) اس کا وصل چاہنے والے کب تک باہر پھرتے رہو گے۔ اندر چلے آؤ تا کہ تمہیں چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف بنائیں گے۔

کہ ملا قاسم نے آنکھ کھولی اور خلیفہ کے پاؤں پڑ گئے۔ جب نماز کی اذان ہوئی۔ ملا نے خلیفہ کے وضو کے لئے پانی لایا۔ خلیفہ نے نماز کے بعد فرمایا اے ملا قاسم ملا رہو گے یا شاہ کہا جو فرمائیں گے خلیفہ نے کہا حضرت ایشان نے مجھے فرمایا ہے۔ آج جس کسی کو میں تمہارے پاس بھیجتا ہوں اس کو شاہ کہنا چاہیئے اب تم کو خطاب شاہ ہی دے دیا کچھ دنوں کے بعد حضرت خلیفہ کریری تشریف لے گئے اور جناب شاہ کو میر حمزہ کریری کے ساتھ خلوت نشین رکھا اور شاہ نے کچھ عرصے میں سلوک کے سات طریقوں اور منزلوں کو طے کر کے تکمیل کے درجے کو پہنچ کر سب سے مافوق ہو گیا جب حضرت ایشانؒ کشمیر آئے تو انہوں نے حضرت شاہ کو اپنا خاص آدمی بنایا۔ آخری وقت پر اپنا خرقہ پہنایا۔ اور خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت شاہ آن جناب کی عنایت اور مہربانی سے اس حال پر پہنچے۔ کہ ایک دن ذکر کی گرمی سے ان کے پہنے ہوئے کپڑوں میں آگ لگی۔ ایک دن نماز تہجد کے غسل کے بعد سردی کی شدت سے سارے بدن سے لہو نکلنے لگا۔ حضرت ایشان کو خبر ہوئی انہوں نے اپنا جامہ پہنایا خون بند ہو گیا اور یہ ٹھیک ہو گئے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت ایشان کے ساتھ شاہ کہیں جا رہے تھے سامنے سے ایک سوار آیا۔ گھوڑے سے نہ اترا اور تعظیم بجالایا۔ حضرت شاہ نے قہر کی نظر ڈالی۔ سوار گر کر بیہوش ہو گیا۔ حضرت ایشان نے اٹھوالیا اور شاہ کو کہنے لگے منع آئندہ ایسا نہ کرنا چاہے۔ حضرت شاہ قاسم حقانیؒ چلتے تھے دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے

تھے ایک نے کہا حضرت ایشان خدا کے پیاروں میں سے ہیں دوسرے نے کہا ارے کیا کہتے ہو؟ ایک ملا ہے اور کہا ہے یہ بات سنتے ہی شاہ صاحب خشم ناک ہو گئے اور جلال کی نظر ڈال کر وہیں ڈھیر کر دیا واقعہ ہے حضرت ایشان نے جمعہ کی نماز کے وقت فرمایا اس وقت کون میرے ساتھ آئے گا حاضروں میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت شاہ نے کہا حضرت میں حاضر ہوں دونوں مجلس سے غائب ہو گئے۔ مکہ معظّمہ میں نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ منورہ میں سرور کائنات ﷺ کو سلام کیا۔ حضرت سرور دو عالم ﷺ نے جواب سلام کر کے حضرت ایشانؒ سے فرمایا۔ یہ تمہارا بیٹا عجم میں بے مثل ہے اور تمہارا آخری پہلوان ہے تمہارے نام کو زندہ رکھے گا اور صحابوں نے شاہ کے قاسم خقانیؒ حق میں دعا کی حضرت ایشان پھر مجلس میں آئے اور اہل مجلس کو سنایا کہ آج کے دن مہربانیاں کا ابنار نچھاور رہوا۔ جو اس جوان شاہ حقانی کے نصیب میں آیا۔

حضرت ایشان صاحبؒ کی وفات کے بعد شاہ قاسمؒ حج کو روانہ ہوئے کچھ تذکروں میں آیا ہے کہ حضرت شیخ صرفیؒ کے انتقال کے بعد ارادہ حج کی نیت سے کشمیر چھوڑ کے نکلے تو دوران سفر راستے میں بڑے بڑے خدا دوستوں سے ملے۔ صوبہ اجین میں شیخ فیض اللہ قادریؒ کی زیات سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت شیخ ایک جنگل میں خلوت نشین تھے حضرت شاہ بھی چالیس دن پے در پے روزہ رکھ کر چلہ (اعتکاف) میں بیٹھے۔ اور چلہ گزرنے پر ہرنی کے دودھ سے افطار کیا۔ جب شیخ فیض اللہ نے ان کی ریاضت

اور مجاہدہ کو دیکھا پھر سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا کی اور حضرت غوث الاعظم کا ایک جامہ مبارک اور حضرت شاہ ہمدان کا ایک خرقہ اور تسبیح تبرک کے طور پر ان کو بخش دی ان کی اولاد کے پاس نزیرستان میں آج تک موجود ہیں دوران سیاحت جب حضرت شاہ خراسان پہنچے سپاہیوں نے ان کو بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا حضرت شاہ نے ایک نظر ڈالی اور سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے بادشاہ کو خبر ہوئی اور وہ بذات خود ان کے پاس آیا اور گھر آنے کی دعوت دی۔ جب دستر خوان بچھایا گیا اور خدمت گذاروں نے کھانا لایا۔ ایک طباق میں بنا ہوا مرغ تھا جب حضرت شاہ نے ضیافت کی چیزوں کی طرف نگاہ فرمائی۔ مرغ والے تھال میں سے مرغ زندہ ہوا اور حضرت شاہ سے بولا مجھے میرے مالک سے زبردستی لایا گیا بادشاہ یہ حال دیکھ کر حیران ہو گیا اور حضرت شاہ کی بیعت کر کے مرید ہو گیا۔ جب سورت بندر گجرات میں پہنچے خواجہ جمال الدین معروف بہ خواجہ دیوانہ سے ملاقات کی ان کی اجازت سے ان ہی کے حجرہ خاص میں ایک چلہ کو خلوت میں بیٹھے اور سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی خواجہ جمال الدین خواجہ بزرگ خواجہ بہاءالدین مشکلکشا کا کمر بند اور رومال تبرک کے طور پر انہیں عطا فرمایا۔

سورت بندر میں حضرت شاہ قاسم حقانیؒ کی شہرت پھیل گئی اور وہاں کے راجہ نے بھی سنا کہ کشمیر کا ایک بہت بڑا ولی کامل فقیر آیا ہے۔ اس نے امتحان کے طور پر ایک رنڈی کو رانی کے ٹھاٹھ باٹھ سے نوکر ساتھ دے کر ہاتھی پر سوار کر کے ان کے پاس بھیج دیا

رنڈی تو حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولی کہ میں یہاں کے راجہ کی رانی ہوں۔ بے اولاد ہوں مدت سے درود شریف پڑھ رہی ہوں آج رات میں نے حضرت سرور عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ شاہ قاسمؒ کے پاس جاؤ وہ تمہارے ننگے پیٹ پر یہ دعا پڑھیں گے اور ایک صالح بیٹا تمکو نصیب ہوگا حضرت شاہ نے کہا خلوت کے دن ختم ہونے کے بعد تمہارا علاج کروں گا اس نے رٹ کی حضرت شاہ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے کہا بختاور حضرت شاہ بولے اچھا بختاوری ہو اور ایک لات ماری۔ بختاور بیہوش ہو کر گری۔ ہوش میں آئی حضرت شاہ نے نائی منگوا کر اس کا سر منڈوایا اور بال بادشاہ کے پاس بھیج دئے بختاوری نے اپنا سارا مال واسباب فقیروں اور مسکینوں میں بانٹ دیا ایک کالا کمبل پہن لیا خدا کی بندگی کے لئے کمر باندھی اور خدا کے نیک بندوں میں بلند مرتبہ والی عورت ہوگئی۔

تذکرہ اولیاء میں آیا ہے کہ جب حضرت شاہ فتحپور پہنچے تو حضرت شیخ سلیم چستی کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی حضرت شیخ نے ان کی استعداد دیکھ کر سلسلہ چشتیہ میں ان کو داخل کیا اور سلسلہ چشتیہ کا ارشاد عطا کر کے خواجہ معین الدین چشتی کی لکیر والی پگڑی جس کو کشمیری میں لونگی کہتے ہیں تبرک کے طور پر بخش دی سیر و سیاحت کے دن ختم ہونے پر حضرت شاہ واپس آئے اور کشمیر کے لوگوں کو راہ خدا دکھانے میں مصروف ہوگئے سینکڑوں بندگان خدا کو تعلیم و تلقین فرمائی۔ سینکڑوں بندگان خدا کو درجہ شہود پر پہنچایا کہ ایک دن کا

واقعہ ہے۔ حضرت شاہ اپنے گھاٹ پر کشتی میں بیٹھے تھے اور حضرت خواجہ مسعود پانپوری ان کے ملاقات کو آئے شوگہ بابا ان کے ساتھ تھے بات چیت میں شوگہ بابا کی زبان سے کوئی گستاخی کی بات نکلی۔ حضرت شاہ نے جلالی نظر ڈالی خواجہ مسعود نے ان کی نظر اور شوگہ بابا کے نظر درمیان ہاتھ رکھا یکدم ان کی آستین میں آگ لگی۔ اور حضرت شاہ سے معافی مانگی شوگہ بابا کو ڈانٹ پلائی اور صاف کہا کہ اگر ہاتھ بیچ میں نہ رکھتا جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے۔ ایک دن حضرت شاہ قاسم حقانی نے پل پر جاتے ہوئے ایک سریلی آواز سنی وجد میں آ کر دریا میں گرے تھوڑی دیر بعد پانی سے نکلے اور کشتی میں بیٹھ گئے کپڑے بالکل سوکھے تھے۔

عجیب واقعہ ہے کہا یک دن ایک قصائی نے ایک گائے کو ذبح کر کے سری الگ کی تھی حضرت شاہ موقع پر پہنچے یوں ہی سر کو گلے کے ساتھ لگایا زخم نہ رہا گائے زندہ ہو گئی کئی اور واقعات ان کے ساتھ منسوب ہیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ کشمیری ۲۹ پھاگن۔ پھاگن شدی اول کو انتقال فرمایا۔ علاوالدین پورہ میں دفن کیئے گئے مقرب خاص تاریخ ہے لکھتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے مقبرے پر سرکنڈے لگ گئے۔ یہ جگہ آج مزپرستان نزدیک. فتح کدل سرینگر واقع ہے۔ حضرت شاہ قاسم حقانیؒ کے حال شاہ تبرکات ان کی ذریات. کے پاس سویہ بگ بڈگام کے

صحن میں قدیم چنار درخت کے اوپر لکڑی کے بنے چھوٹے کمرے میں محفوظ ہیں ان کو کھولنے کی جرات کوئی نہیں کر سکتا۔ اپنے وقت کے دوران کس قدر مقبول حق تھے شاہ قاسم حقانی کے اولاد شاہ یعقوب حقانی کتاب معرفتہ الحقانی میں یوں تحریر کرتے ہیں۔ حضرت شاہ کے مرض موت کے دنوں میں ان کا ایک مرید کا نقاہ معلیٰ میں تھا کسی نے اس سے پوچھا تمہارے پیر کا اب کیا حال ہے مرید نے کہا بیمار ہی ہیں اس آدمی نے کہا خدا اس کا آخیر اچھا کرے مرید نے کہا ایسے بزرگوں کا انجام کیوں اچھا نہ ہوگا ایسے لوگوں کو تم جیسے آدمیوں کی کیا ضرورت ہے کہ تم دعا کریں اس نے کہا تمہارے پیر ہمیشہ شریعت کے خلاف نغمہ اور موسیقی سنتا تھا اسی لئے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہوگا مرید پیر کی عیادت (بیمار پرسی) کو کیا وہاں حضرت شاہ نے پوچھا کہ فلانی آدمی خانقاہ معلیٰ میں تمہارے ساتھ کیا گفتگو کر رہا تھا سچ سچ بتانا اس نے کیا کہا اور تو نے کیا جواب دیا۔ اس نے ساری حقیقیت بیان کی۔ حضرت شاہ جوش میں آئے اور فرمایا کہ میں نے عمر بھر ساز اور بانسری کو سنا اگر میرا انجام بخیر ہوگا تو میری مٹی سے قیامت تک نرسل اگتا رہے گا اگر میرا انجام اچھا نہ ہوگا اور نرسل کے پودے میری قبر سے نہیں اگیں گے تو مجھ پر نفرین کرنا اور میری لاش کو قبر سے نکال کر مائیسمہ کے مرگھٹ میں جلانا۔ تا کہ کوئی صوفیانہ کلام سننے والا پھر درویشی کا دعوی نہ کر۔ ے۔ حضرت شاہ وفات پائے اور جونہی اسکی قبر کو ڈھانپا گیا اور فاتحہ پڑھی گئی سر مبارک طرف ایک نرسل کی ڈھنٹھل نے سر نکالا۔ ایک دن رات

میں سارا مقبرہ سرکنڈوں سے سبز ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کی قبر کے نزدیک ایک لوہار کا گھر تھا اور حضرت شاہ کے عقید تمندوں نے مقبرہ کو وسعت دینے کیلئے تھوڑی سی زمین اس سے مانگی۔ اس نے رقبہ دینے سے انکار کیا دوسرے دن اس کی بھٹی میں سرکنڈا اگا جو آگ میں سونے کے رنگ کا ہو گیا۔ دوسرے دن آہرن میں سے سرکنڈا نکل آیا۔ لوہار نے جب یہ حال دیکھا زمین اور گھر کو آستانہ کے لئے وقف کر دیا۔ دوسری طرف سے ایک قصائی کا گھر تھا اس کی بیوی بے خبری کے عالم میں جھاڑو دیکر کوڑا کرکٹ دھول راکھ بے ادبی سے مقبرہ کی طرف پھینک دیتی تھی۔ اس کے چولھے میں سرکنڈے نکل آئے۔ قصائی گھر چھوڑ کر بھاگ گیا اور رقبہ بھی مقبرہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔

محمد شریف اشائی جو مقبرہ کے ساتھ ہی سکونت کرتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے مقبرہ کا ادب کرنے میں لاپرواہی برتی چولھے میں سرکنڈے اگ آئے جن کا رنگ آگ جلانے پر بھی نہیں بدلتا تھا شاہ یعقوب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہتے ہیں کہ شروع کے سالوں میں جب جاڑ آنے پر سرکنڈے سوکھے جاتے تھے لوگ ان کو کاٹ کر تین بڑی بڑی گھڑیاں باندھ کر کے دریا میں ڈالتے تھے اور سرکنڈے ڈوب جاتے تھے ایک دفعہ ان کے پوتوں میں سے ایک نے مزار سے سوکھے ہوئے سرکنڈ گھر لا کر چولھے میں جلائے رات کو اس کے پارچہ کے پانچ کرتے جو نماز جمعہ پر لگا کر امامت کرتا تھا جل کر راکھ ہو گئے یچہ دار باہر سے بالکل ٹھیک تھا امام

صاحب پریشان ہوکر اپنے مرشد کے پاس گئے اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔انہوں نے
حضرت شاہ کی طرف توجہ کی حضرت شاہ نے فرمایا اس نے میری ہڈیاں جلائیں اگر اس کا
کچھ سامان جل گیا تو کون سی بڑی بات ہوئی اس سے کہہ دو کہ پھر دوبارہ ایسی حرکت نہ
کرے اور نہ کوئی دوسرا ہمارے تر پرستان کو کوئی نقصان پہنچائے کہتے ہیں کہ حضرت شاہ
کے انتقال کے پچانویں برس بعد ابراہیم خان صوبیدار کا ہاتھی جس کا نام الہدلوکھوٹھہ تھا
دیوانہ ہوکر گلی گلی پھرتا تھارات کولوگوں کے گھروں کے پاس جا کر کان لگا تا تھا اور اگر کوئی
ہاتھی برائی سے یاد کرتا ہوا پاتا تھا تو اس کو سخت تکلیف پہنچاتا اور اس سے انتقام لیتا تھا ایک
دن مقبرہ سے گزرا اور ایک سرکنڈے کو سونڈ سے کاٹ کر منہ میں ڈال دیا۔مگر کرامات کہ ر
ادھر ادھر ہل نہ سکا سرکنڈے کو منہ سے نکال کر سونڈ سے پھر مقبرے میں ڈال دیا اور
خطرناک طریقے سے چنگھاڑتا ہوا سجدہ کو جھکا۔سجدہ کر کے سر اٹھا کر وہاں سے بھاگ
گیا۔فارسی میں تحریر تاریخ عالم قلمی صورت میں سویہ بگ کی ذریات کے پاس ہے
عزیز اللہ حقانی کا تحریر روضۃ شہدہ چھپ کر مقبول ہو چکا ہے وہیں لطایف الحقانی دو بار
شائع ہو ہے۔ ان کی اولا اعلیٰ صاحب حقانی صاحب کا بلند مرتبہ تھا کشمیر کے اطراف
داکناف معتقد مند آیا کرتے ان کی باہری پھاٹک منجانب سڑک بند رہی تب ہی کنڈی
کھلتی جب وہ اجازت دیتے، ۔مہاراجہ ہری سنگھ والئی ریاست جموں وکشمیر ہاتھ جوڑ کر
آتے ان ناکارہ کو والد مرحوم غلام نبی ظہور نے سیعد صاحب خقانی کے پاس ۱۹۷۴ء سے

آنا جانا رکھا۔ان سے شریعت طریقت کے رموزات سے جالکاری ہوئی سات سال نزدیک طالب رہے کہ شب ۶ ذی الالیج خانقاہ معائی سرینگر اکٹھے حاضر ہوتے ت۔ ان کے ہدایات پر احیائے العلوم' اکسیر سعادت دیوان حافظ اور دیگر اسلامی کتابیں دیو بند سے منگوائیں ۔حضرت محمد سعید حقانیؒ کے فرزندان حمید اللہ حقانی اور زاہد صاحب حقانی کے علاوہ دودختران اور بیوہ حیات ہیں۔دونوں فرزندان مریدوں طالیوں کی تربیت کرر ہے ہیں۔سویہ بگ اور نر پرستان میں روحانی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے ان کے چاہنے والے پلوامہ تحصیل پاپنورہ ضلع بڈگام، تحصیل سوناواری اور ضلع بارہمولہ میں ہیں۔ حقانی خاندان سویہ بگ ماضی ہی سے عزت واحرام سے جانا جاتا ہے حقانی میموریل ٹرسٹ کے تحت شیری بارہمولہ میں دارالعلوم سرگرم عمل ہے۔خاندان حقانی کو عظمت روحانیت باطنی عطائی ہے۔



شاعر انقلاب عبدالستار رنجور کشمیر کی تاریخ ساز شخصیت

کشمیری زبان کے مشہور ترقی پسند انقلابی شاعر، نثر نگار، تہذیب شناس اور محقق عبدالستار رنجور کی پیدائش ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء پلوامہ سے شوپیان سڑک پر واقع کیگام میں ایک اوسط درجے کے کسان گھرانے میں ہوئی لڑکپن سے ہی توہمات اور فرسودہ خیالات سے عادی تھے صرف سترہ سال کی عمر میں ادھوری تعلیم چھوڑ کر قادیان سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے جہاں تین سالہ قیام کے دوران فیروز الدین منصور، چراغ حسن حسرت، سنگھ جوش، مرزا غلام الدین غوث، میاں امیر الدین کشمیری اور نواب افتخار الدین مشہور شخصیات سے مراسم بڑھے اور بعد میں ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال سے ملاقی ہو کر باقاعدگی سے ہر اتوار کو ان کی مجلسوں میں حاضر ہوا کرتے تھے وہاں پر ان کی صحبتوں سے متاثر ہو کر پنجاب مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں کشمیر واپس آ کر نیشنل کانفرنس میں شامل ہو کر معرکہ آراء جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ''لال بازو'' نامی رضا کار تنظیم قائم کر کے جاگیری نظام کے کسانوں خلاف کو متحرک کیا ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کے دوران مشہور مقدمہ ''پلوامہ سازش کیس'' میں ملوث ہونے پر ڈیڑھ سال تک روپوش رہ کر ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد کرتے رہے اور جنگلوں دُور افتادہ جگہوں پر ٹھکانے بدل کر تکالیف جھیلنا پڑے۔ ۱۹۵۰ء میں نیشنل کانفرنس کی غلط پالیسوں کے خلاف احتجاج

کے طور پر مستعفیٰ ہو کر ''ڈیموکریٹک یوتھ لیگ'' کی بنیاد ڈال کر نیشنل کانفرنس کی غلط پالیسیوں کے خلاف میدان عمل میں کود پڑے ۱۹۵۷ء میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس'' کے قیام اور تنظیم کاری میں اہم رول نبھایا۔ ۱۹۶۶ء میں ہندوستان کمینونسٹ پارٹی کے تحت کشمیر شاخ کے آرگنایزینگ سیکرٹری نامزد ہو کر ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۹ء تک پارٹی کے ریاستی سیکرٹری منتخب ہوتے رہے اور کسانوں اور محنت کش طبقوں کو اپنے مسایل کے حل کے لئے جدو جہد پر آمادہ کرتے ہوئے ۱۹۷۱ء میں سب سے بڑے جلسہ کی قیادت کرتے بڈشاہ چوک سے پار اسمبلی پھاٹک تک مارچ کیا۔ وزیر اعلیٰ سید میر قاسم باہر آئے ان کو کسانوں مزردوں کے مطالبات کا میونڈم پیش کیا ''دہلی چلو'' کمیونسٹ پارٹی کے جم غیفر جلوس میں کارکنوں کے ہمراہ شرکت کی۔ ۱۹۷۰ء کی آواخر میں وکیل موتی لال مصری کے ہمرہ سوویت یونین (روس) کا ۴۰ یوم کا دوئرہ کیا مزدوروں اور کسانوں کو ترقی پسندی تربیت دئے رہے صحافت کی بھی آبیاری کرتے رہے کمیونسٹ پارٹی کا ترجمان اخبار ''ہمار کشمیر'' ہر ہفتے اسی کی ادارت میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۹ء تک لگاتار شائع ہوتا رہا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو کشمیری زبان وادب، تہذیب اور انسانیت کو عزیز رکھنے والا روشن خیال شاعر اور سیاست دان کو بندوق برداروں نے شام کے وقت اسکے گھر گھس میں گھس اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کی اسطرح تحریک کشمیر میں اپنا نذرانہ پیش کیا۔ حالانکہ رنجور نے علیحدہ پسوں تحریک کے خلاف نہ بیاں دیا تھا نہ ہی کسی کو ترغیت دی۔

رنجور اپنے لڑکپن کے دور میں روحانی شاعری کی طرف مایل تھے لیکن لاہور میں اپنے تین سالہ قیام کے دوران متذکرہ بالا روشن خیال اور ترقی پسند اصحاب اور خاصکر علامہ اقبال کی صحبتوں میں رہ کر اس کی شاعری کا لہجہ بدل گیا انہوں نے لاہور سے ہی انقلابی شاعری کا آغاز کیا چنانچہ اب وہ اردو میں بھی شعر کہنے لگے اور شاعری کا یاک مجموعہ ''بانگ انقلاب اردو'' نام سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔

پڑھ بلند رنجور بانگ انقلاب اٹھ ہو کھڑا

ہے نماز انقلاب اب کر ادا تکبیر کو

چونکہ رنجور سیاست کے میدان میں مارکسی نظریے کا قایل تھا اس لئے اس کی شاعری پر بھی سیاست غالب آگئی اس کا ماننا تھا کی شاعری ایک ایسا فن ہے جس کو باضابطہ مقصد ہونا چاہیئے کیونکہ شاعری انسان کے نازک حواس کا خوبصورت اظہار ہے جو عام لوگوں کے دماغ پر ایک جادوئی اثر کرتی ہے۔ اسلئے شاعروں کو اپنی شاعری عام لوگوں کے جذبات اور امنگوں کی ترجمانی کرنی چاہیئے جو سوز کے ساتھ ساتھ سوئے ہوئے اور دبے کچلے عوام کو بیدار کرنے کے لئے اذان ثابت ہو۔ رنجور کی شاعری میں یہی ایک بڑا عنصر موجود ہے انہوں نے خود اس کو یوں بیان کیا ہے۔

آسہ یتھ منزلود خیال پا غام نود
تتھی دپان رنجور سوی گیہ شاعری
شاعرن چھ پنن سوز پنن ساز پننی لے
رنجور سی اتہ بیون پُنن گفتار رباسان چھم

ریاست میں شخصی راج کے دور میں عوام کو قسم قسم کے مظالم برداشت کرنے پڑتے تھے کسانوں کو اپنے کھیتوں سے سال بھر کے لئے غذائی پیداوار حاصل نہیں ہوا کرتی تھی نتیجے کے طور پر اکثر لوگ فاقہ کشی کرنے پر مجبور ہوا کرتے تھے۔مزدوری کہیں ملتی تھی کیونکہ یہاں مزدوروں کی ضرورت ہی نہیں تھی اسلئے جوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ سردیوں کے چھ مہینے مزرودی کرنے کے لئے پنجاب اور دیگر ملحقہ ریاستوں میں جایا کرتے تھے ۱۹۴۷ء میں شخصی راج سے آزادی حاصل کرنے کے بعد عام لوگوں کا خیال تھا کہ اب ان کی اندگی میں تبدیلی آئے گی لیکن یہ سب سرآب ثابت ہوا ایسے حالات سے متاثر ہوکر رنجور جیسا ذی ہوش شاعر خاموش کیسے رہ سکتا تھا وہ نئے حکمرانوں سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

یوتہ ادسکھ ژی امس مظلومہ سندی غم کھیوان
ازتہ چانس قدرتس منز فاقہ ہتی مسکین مری
ونستا متھ یمن وتہ ہاو کین پتھ ززوژ وٹھ بے سود

گھ ستھ تم کرسین پیٹھی شیر گڑھ دتھ تاری دروازن

(ماخوذ بانگ انقلاب ۱۹۵۲ء

رنجور ابتداء سے ہی حق خود اختیاری کے حامی ہو کر خود مختار کشمیر کی تشکیل چاہتے تھے چنانچہ جب دہلی میں آزاد ہندوستان کے لئے آئین سازی کا عمل چل رہا تھا تو ایسے میں ریاست کے اس وقت کے حکمران شیخ عبداللہ کو یوں مشورہ دیتے ہوئے مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرتے ہیں۔

وارتھو ہا کاشریو جانک تہ بیہ پانٔک خیال
چھکھ ژ کاشر تھاوآزاد کاشر ستانک خیال
دشمنا ینہ دوست لاگی مس ویی ہاوس طمع
لور پیٹھی تاری سروف ینہ تازیارانک خیال
نادہتھ قوہچ بوڈکھ ینہ ناوعع منزا ہوش کر
نندرگزھ بیدار تھودوتھر تھاوطوفانک خیال
فیصلس مقسپومہ کس بوزم ژے چھی دسخط کران
سونچی سونچی پری زیرونٹھی تھوی زتھد شانک خیال
منتخب از بانگ انقلاب مطبوعہ ۱۹۵۲ء

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کے ناطے ۱۹۶۵ء میں دوسری جنگ کے موقع پر کشمیری عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جبکہ پاکستان فوج سول لباس میں ہتھیار لے کر کشمیر کو ہتھیانے کے لئے داخل ہوئی اس موقع پر رنجور صاحب کشمیری عوام کی بے چارگی اور مظلومیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

خیالن ذوق پاکستانہ کے چھم
زنگن زولانہ ہندستانہ کے چھم
لمان ہم ہور کن نوم یور کن چھم
میے مامارن پیومت غم پانہ گے چھم

رنجور کو اپنے آبائی وطن کشمیر سے بے حد لگاؤ تھا جس کا اظہار انہوں نے شاعری میں جا بجا کیا ہے۔

وہ ہندوستان داہ سویزان تر گستان شین
میانہ وطنچہ وار ہندس یار سنز ارس نثار
قدر رنجوزن کرنی ہثیر پننہ یمہ وطنچ تیلے
عالمس اندر تہ یلہ ڈیوٹھن نہ کنہ۔تھ لالذار
ظلم گوو بیداد و وتھ فریاد ہر سو شور و شر
عدل گوو بے کار انصاف روو جھنہ کانہہ دادگر

فریب دتھ غریبن کڑکھ بے وفائی چھ بدنام گامژ توے رہنمائی

یہ تھوو دولہ ناک قومہ کیو باک بازو بنتھ رہنما دکھ ذیت دوکھ بازو

وعظ مکرک مرگہ زارن پری ویاروہو

مورد مالس طورد بردم کری ویاروہو

(خوذ آزاد مطبوعہ ۱۹۵۳ء)

مشہور ترقی پسند شاعر عبدالاحد آزاد کے بعد رنجور نے کشمیری ادب کی دونوں صنفوں یعنی نثر اور شاعری میں باضابطہ طور طبقاتی شعور اور جدلیاتی مادیت کا نظریہ پیش کیا ان کے نظریے سے اختلاف کی گنجایش ہوسکتی ہے لیکن اس بات میں دورائیں نہیں ہوسکتی ہیں کہ انہوں نے انسانی محبت اور مساوات کو زندگی کا مقصد جان لیا جس کے لئے انہوں نے شاعری اور ادب کو بہترین وسیلہ گردانا۔ اشتراکی نظریے کا قایل ہوتے ہوئے رنجور عمر بھی اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہوئے ایک ایسا سماج تعمیر کرنے کے لئے جدو جہد میں مصروف تھا جس کی بنیاد انصاف اور مساوات پر ہو جس میں نہ کوئی جابر ہو اور نہ کوئی مجبور اس خیال کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے۔

یوان چھم جیر ہم بٹھی بیرو چھی وچھی

دیان چھس گوژھ سوزسمیار آسن

پرتھ یم دوپ سبز وو گیتار پرارٹھ

یہ عالم گوژھ ہوی ہموار آسن

رنجور کی شاعری کا بیشتر حصہ عام لوگوں کے مسائل سے بھرا پڑا ہے انہوں نے جا بجا غریب عوام کے جذبات اور امنگوں کی ترجمانی کی ہے اسطرح اس کی شاعری کا چرچا اس دورے عوام میں دور دور تک ہوا اور اسی بنیاد پر رنجور کو عوامی مقبولیت حاصل ہوئی اور شاعر انقلاب کا لقب ان کے نام نامی سے جڑ گیا۔

ایک سیاسی لیڈر اور مجاہد آزادی ہونے کے ناطے رنجور کی رسائی حکومت کے اعلی ایوانوں تک تھی لیکن انہوں نے اسے اپنے ذاتی فایدوں اور مراعات کے لئے استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے چھوٹی بڑی پچیس کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے بائیس کتابیں شائع بھی ہوئی ہیں لیکن اپنے جیتے جی نہ سرکار سے اور نہ کبھی ریاستی کلچرا کادمی سے امداد کے لئے اپنا دامن پھیلایا اور کبھی انعاموں ایوارڈوں کا طلب گار رہا البتہ ریاستی سرکار نے آزادی کی پچاسویں سالگرہ پر اس کی شاعری اور ادبی سرگرمیوں کے لئے بعد از مرگ ایک لاکھ روپئے نقد سونے کا تمغہ اور توصیفی سند عطا کر کے اپنی ادب نوازی اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا اسی طرح ملک کی ساہتیہ اکادمی نے رنجور کو ہندوستانی ادبھی معمار سلسلے میں شامل کرتے ہوئے ایک مونوگراف شائع کرا کے اپنا

نذرانی عقیدت پیش کیا رنجور صاحب کی شہادت کے پچیس سال بعد ریاست کے اس وقت کے وزیر اعلی مفتی محمد سعید مرحوم نے ان کے آبائی گاؤں کیگام کو سرکاری ہایر سیکنڈری اسکول کو ان کے نام سے منسوب کر کے اس علاقے کے عوام دیرینہ مانگ کو پورا کر کے اپنی ادب نوازی اور رنجور صاحب کے رہنمایانہ رول اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا۔

رنجور صاحب کی رفیقہ حیات حاجرہ بیگم ۷۰ سال عمر اگست ۲۰۰۸ء فوت ہوگئی۔

رنجور صاحب کے بڑے فرزند محمد مقبول اکتوبر ۱۹۹۹ء میں ڈپٹی چیف ایجوکیشن آفیسر کی حثیت سے ریٹائر ہوئے۔ یہ کہنا ہے جانہ ہوگا کہ مقبول تو چال ڈھال وضع قطع رکھ رکھاؤ اور بول چال میں کسی حد تک والد گرامی رنجور صاحب سے ملتے جلتے ہیں اور خیالات اسکی ترجمانی کرتے ہیں۔ دوسرے فرزند محمد اشرف باغبان، زمینداری گھریلو، تیسرا منصور بطور چارٹرڈ اکونٹنٹ لندن رنجور صاحب کے گھر دختر نگینہ کے خاوند غلام نبی شاہ گھر چلارہے ہیں

لڑکپن کے دوران سرینگر میں ان سے ملنے کا موقعہ ملتا۔ رنجور صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ابتداء میں کیگام میں درزی کا کام تھے۔ ڈی این سی تحریک کے بکھر جانے سے دل برداشتہ ہوگئے۔ اشتراکیت سے متاثر ہو کر مجبوراً کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا سے وابستہ ہوگئے۔

کمیونسٹ پارٹی کا دفتر بڈشاہ چوک سرینگر میں تھا اور یہاں سے آن کا آفیشل آرگن ہمارا کشمیر کی صورت میں ہفتہ روزہ منظر عام پر آ گیا۔ بڈگام، شوپیان، اننت ناگ ، پلوامہ اور سرینگر سے اس پارٹی کے رکن تھے وکلاء، سیاسی ورکردں کا آنا جانا رہتا رنجور چونکہ ترقی پسند کسان تھے اور کچھ روز گھر جا کر زمین زراعت کی دیکھ بھال کرتے۔

جہاں تک میری یادداشت ہے سرینگر کے وکیل موتی لال مصری لیبر یونین لیڈ علی محمد شاہ، مضراب، علی وانی، اے آر ٹکرو، عبدالخالق وغیرہ جزل کونسل مٹینگوں مین شرکت کرتے۔ بزریعہ ڈاک کامریڈوں کو اخبار جایا کرتا۔ جب موتی لامصری اور رنجور صاحب روس کے دُورے سے واپس آئے تو اخبار کے مینجر بشیر احمد بٹ مجروج (رنجور صاحبکے بھانجے) اور راقم ہوائی اڈہ سرینگر انہیں لینے گئے۔

بشیر احمد کے ساتھ میرا دوستانہ ۱۹۷۱ء سے ہی بڑھنے لگا جب سرینگر میں ہماری بود باش اکھٹے تھی کہ میں امر سنگھ ڈگری کالج میں داخلہ چکا تھا۔کئی بار سرینگر کے غریز دوست مختار نحوی کو بھی اس پارٹی سے جوڑنے کیلئے پر تولنے لگا کئی جلسوں میں تو آیا اس پارٹی کے ساتھ میری کالج میں ہوکر پھر تین سال بعد ناطہ توٹا ڈالا کہ میں اننت ناگ میں ڈیوٹی پر مامور تھا

۱۹۷۲ء کے چناؤ اسمبلی میں رنجو صاحب شوپیان سیٹ کامیاب ہو جاتے تو ضرور اسمبلی میں نالہ رنبی آرہ پروجیکٹ اری گیشن ڈیم اور اس منفرد خدوخال علاقہ

شوپیان کو سیاحتی نقشے پر لانے پر ضرور کامیاب ہوتے اسطرح وسیع خالی اراضی ذرعی کھیتوں اور باغات کو آبپاشی مل جاتی اور کسان سکھ کی سانس لیتے۔ روسی طرز پر زمین کو ترقی دینے کسانوں کو ترقی پسند طور ٹیکنالوجی اپنا کر حکومت کو راغب کرانا اسکا خواب تھا جو پورا نہ ہوتا۔ رنجور کو چھٹی دہائی میں مگہ رنجور اور ساتویں دہائی میں مخالفیس رنجور ڈیم کے طعنے دیتے رہے مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ رنبی آرہ وسیع اراضی پر کارخانوں کا جال لگ گیا۔ بڑے سرمایہ داروں نے کروڑوں کی سبڈی کھائی۔ درمیانہ غریب کسان کی، میوہ گردونواح باغات زرعی زمین آبپاشی سے محروم رہی۔ طغیانی کے دوران جمع شدہ رنبی آرہ کا پانی نچلے گاؤں کو تباہی مچاتا ہے اگر ڈیم ہوتا یہ پانی ذخیروں میں جمع رہ کر کھیتوں، باغات کو آب رسانی ملتی رنجور ڈیم کے نام سے پکارتے اُسے لوگ پکارتے مگر وہ کافی صابر نکلے۔

دسمبر ۱۹۸۹ء کے ایام تھے صدر ہسپتال سرینگر میں اپنے فرزند بلال علاج و معالجہ کے وقت رنجور صاحب بھی ملے چیک اپ واسطے آئے تھے۔ چند اور اسکے ساتھ تھے۔ کنٹین میں چائے کے دوارن اسے پوچھ ہی بیٹھا تحریک کشمیر جوز ور شور سے اُٹھی ہے کیا آپ بھی سی کمیونسٹ پارٹی مارکس طرح اسکے مخالف ہیں اُنکے بیانات ریڈیو ٹی وی اخبارت پر آرہے ہیں۔ وہ جواباً بولنے کشمیر کے لوگ آزادی چاہتے ہیں۔ اسلئے عوام کی رائے کے خلاف بیان دینا زیب نہیں دیتا میں عوام کے ساتھ ہی ہوں۔

۲۴ مارچ ۱۹۹۰ء صبح کو ریڈیو سے سنا کہ اسلحہ برداروں نے کیگام میں عبدالستار رنجور کو مار دیا تو میری والدہ نے واویلا کر کے آنسو بہانے وہیں ماما علی محمد میرے پاس آئے بولے کہ سڑک پر رنجور کے متعلق بازگشت سُنی اور جذباتی ہو کر اُدھر جانے کو مجھے آمادہ کرنے لگے مگر حالات کی وجہ سے اامادہ نہ ہو سکا۔ کئی حلقوں کیطرف سے ریڈلو پر رنجور کی ہلاکت پر اظہار افسوس ہوا۔

سال ۲۰۱۶ء میں گلشن کشمیر کتاب کے مودا جمع کر کے واسطے کیگام بھی جانا پڑا۔ اس کا مزار صحن اور ساتھ ہی اہلیہ کا مزار پر فطاہ پڑا کر میری آنکھ بھیگ گئی۔ اور رنجور کی باری بھر کم شخصیت تصور میں سما گئی۔ ابن رنجور مبقول صاحب میری انتازار میں کھڑنے تھے۔



موضع بونرہ کا ایک عمر رسیدہ شخص

آپ یقین نہیں کریں گے کہ اپنی زندگی کی ۱۳۱ بہاریں دیکھنے والا شخص تین سال قبل فوت ہوا۔ آخری دم تک نوجوانوں سے زیادہ صحت مند دکھائی دیتا رہا عبدالغنی شیخ آخری دم تک نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتا رہا۔

''شیخ نے کہا موضع بونرہ کے ایک غریب گھرانے میں ۱۸۷۳ء پیدا ہوا۔ ماں باپ کہا کرتے تھے کہ جموں وکشمیر میں اس وقت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی حکومت تھی۔ کوئی مروجہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ ان دنوں دیہات میں تعلیم حاصل کرنے کا تصور ہی نہیں تھا۔ اسلئے صرف پارہ عم کا ناظرہ کیا اس کے علاوہ کریما نام حق اور پند نامہ شیخ فریدالدین عطار جیسی فارسی کتب کا کچھ حصہ زبانی یاد کیا ہے۔ تعلیم حاصل نہ کرنے کی خاص وجہ غریبی تھی کسان لوگوں کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ سال بھر کھیتوں میں محنت مزدوری کرتے تھے اور جب فصل کاٹنے کا وقت آتا تھا تو وہ فصل جاگیردار لے جاتے تھے شخصی راج میں بہت ظلم ہوا کرتا تھا۔ جب بچپن کا زمانہ گذر گیا تو میں مزدوری کرنے لگا۔ یاد آرہا ہے کہ میں 1891ء میں ۱۸ سال عمر میں راولپنڈی (پاکستان) چلا گیا۔ پلوامہ سے پشاور تک کا سفر پیدل طے کیا۔ بیچ میں کہیں کہیں بیل گاڑی پر بھی سوار ہوا۔ کراچی،

راولپنڈی اور پشاور میں آٹھ سال نے گذارے۔ اس دوران راولپنڈی میں میری ملاقات گاندھی جی سے ہوئی۔ گاندھی جی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے گاندھی جی کو کچھ اخروٹ اور سیب تحفتاً پیش کئے لیکن اس نے قبول نہیں کئے۔ جب میں نے گاندھی جی سے اصرار کیا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے یہ سب کچھ کہاں سے لایا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ میوے میں نے اس شخص کے گھر سے لائے جہاں میں نوکری کرتا ہوں۔ گاندھی جی کو شک ہوا تھا کہ کہیں میں یہ میوے چرا کے نہ لایا ہوں۔

راولپنڈی میں علی محمد جناح صاحب سے بھی ملا اور وہاں مجھے زعفرانی قہوہ کی ایک پیالی بھی پلائی گئی۔

جب میں راولپنڈی سے کشمیر واپس آیا تو یہاں پر ڈوگرہ راج جاری تھا ہر طرف ظلم و جبر کا بازار گرم تھا۔ یہاں کے لوگوں سے بیگار لیا جاتا تھا۔ مجھے بھی کئی دفعہ بیگار پر بھیج دیا گیا۔ انہی دنون میری شادی ہوئی لیکن جلدی ہی میری رفیقہ حیات اللہ کو پیاری ہوئی پھر میں نے دوسری شادی نہیں کی۔

وقت گذرتا گیا تو کشمیر کی پرسکون وادی میں ڈوگرہ راج کے خلاف ایک تلاطم پیدا ہوا۔ بالآخر کشمیر میں شخصی راج سے آزادی پانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں تحریک کا آغاز ہوا۔ میں نے بھی کشمیر چھوڑ دو کی اس تحریک میں حصہ لیا۔ بالآخر کشمیر

شخصی راج سے آزاد ہوا اور یہاں ایک نئی صبح کا آغاز ہوا"۔

آخر پر عبدالغنی شیخ نے فارسی کے درج ذیل زبانی سنادیئے۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را

آنکہ ایمان داد مشت خاک را

در جوانی توبہ کرون شیوۂ پیغمبران

وقت آخر گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

تملہ ہال شاہوہ کا عمر رسید رسول باغوان ۵ دسمبر ۲۰۱۶ کو طویل علالت بعد وفات پاگئے جس نے اپنے اولادوں، پوتوں پڑتوں کے طور ۷۰ چھوڑ دئے۔

۱۹۵۰ء کے آس پاس عشم سوناوردی سے اوقاف باغ کی رکھوال کے طور آیا دوشادیوں سے اُدھر ہی چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی دونوں کی وفات ہو چکی تھی ادھر خورم پور شوپیان کی عورت سے شادی ہوئی وہ بھی مرگئی پھر چوتھا نگاخ

زینہ بانو ترکہ ونگام سے ہوا جس سے کوئی اولاد نہ ہوئی کافی جفاکشی چالاکی سے کام کرتا رہا۔ اوقاف باغ کی۔ تین اولادوں کی شادیاں عشم میں ہی ہو کر گھر بس گئے ادھر" دو بیٹوں کو پالا پوسا اراضی خریدی مکان نیایا۔ بلکہ ہوشیار بیوی سے کے تعاون سے گھر بنایا وقت سوتیلے بٹیوں کی کفالت اٹھاتا رہا۔ ناخواندگی کے باوجود کلام ایسے کرتا کہ سب خیران ہوا کرتے مشیخ محمد عبداللہ کے بچپن کی باتیں سناتا کہ اسکی ابتدائی جوانی کا دور

تھا کہا کرتا پرتاسنگھ کا دور دیکھ چکا ہے

کہاوت ہے محنت کرنے والا بوڑھا نہیں ہوتا یہی مثال رسول باغوان کے متلق رہی۔اور ھب ساتھ ساتھ اللہ کو یاد کرتا رہے عام لوگوں کے ساتھ میٹھے کلام کرتا اور خندہ پیشانی سے پیش آتا۔بڑھاپے میں جوان لگتا تھا۔ایمانداری سے کام سرانجام دیتے والے اس شخص کو کلمہ درود زبان پر ہوا کرتا غازیب ادا کرتا پہلیاں بجھاتا اس کی بدولت کچھ جوڑوں کی شادں ہوئیں۔

ظلم بربریت فتنہ فساد کے خلاف رہتا۔ریٹائرمنٹ کے کئی سال بعد جوڑوں کے دور سے ٹھک نہ ہوسکا۔راقم کا مصمول تھا کہ ایک ماہ میں اس کے پاس گھنٹہ گذار کر سکون پاتا۔اپنی وفات سے ایک ماہ قبل میرے پاس انکشاف کیا عشم میں بڑا بیٹا ۹۰ سال عمر کا ہے۔مزاد بتایا کہ عمر میری ۱۵۰ سال ہوگئی۔رسول باغواں کی لڑکی اندرکوٹ سمبل سوناواری میں اپنے شوہر حفیظ اللہ اور بچھوں کے ساتھ خوشحالی سے گذار بسر کر رہے۔ادھر ایک بیٹا اوقاف باغ سے ریٹائر ہوا ہے۔وہیں دوسرا تا حال دیہی ترقی محکمہ میں اپنی ہی گاؤں میں ڈیڈئی دے رہا ہے۔اپنے باپ کی طرح وہ بھی حاضر جواب اور دانائی کی باتیں کرتا ہے۔قوت سماعی کمزور ہو کر علاج چل رہا ہے۔میری ساتھ مراسم اچھے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

حمید اللہ حمید کے اہم مضامین

سماجی اقتصادی ترقی کے جو پر منظر عام آئے

نمبر شمار	عنوان	تاریخ	شائع الشر
۱	اسلام آباد کا قدرتی حسن	۳ جون ۱۹۷۶ء	روزنامہ آئینہ سرینگر
۲	ایک خوبصورت ترین خط اسلام آباد	۴ ستمبر ۱۹۷۶ء	روزنامہ آفتاب
۳	لوکچہ وانسہ منز کھاندر کرن (کشمیری)	۵ جون ۱۹۷۹ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۴	قدرتی نظاروں سے بھرپور اہر بل	۱۲۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۵	انت ناگ میں جسمانی معذور افراد کیلئے اقدامات	۱۳۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۶	ضلع پلوامہ کی تعمیر و ترقی ایک نظر میں	۱۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء	ریڈیو کشمیر سرینگر دوماہی تعمیر سرینگر
۷	میون گام تملہ ہال (کشمیری)	۱۱ اپریل ۱۹۸۶ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۸	مانچھ اکھ قدرتی نعمت (کشمیری)	۱۶ اپریل ۱۹۸۶ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۹	کشیر منز و نٹھ صنعت (کشمیری)	جولائی ۱۹۸۶ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۱۰	ڈاکٹر ایس رادھا کرشن (کشمیری)	۵ ستمبر ۱۹۸۶ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۱۱	تحصیل کولگام ایک نظر میں	اکتوبر ۱۹۸۸ء	دوماہی تعمیر سرینگر

۱۲	بچوں کی نشوونما کا جامع پروگرام	۲۸فروری ۱۹۸۸ء	روزنامہ نوائے صبح سرینگر
۱۳	ملازمین کے صبر کا پیمانہ لبریز	۲۳نومبر ۱۹۹۰ء	روزنامہ سرینگر ٹائمز
۱۴	مسلمان ہندوستان آخر بے چین کیوں	۲۳ جنوری ۱۹۹۱ء	ہفت روزہ شہباب
۱۵	ڈھائی ماہ لیو ملازمین کے ساتھ ظلم	۱۱ مئی ۱۹۹۱ء	روزنامہ الصفا نیوز سرینگر
۱۶	سرکاری ملازمین بے بس	۱۸ مئی ۱۹۹۲ء	ہفت روزہ دوران
۱۷	ضلع پلوامہ میں شاعری وادب کا فروغ	نومبر ۱۹۹۲ء	روزنامہ دلبستان سرینگر ہفت روزہ چیش سرینگر
۱۸	تحصیل کولگام تاریخی لوت منظر (کشمیری)	۱۳ اپریل ۱۹۹۳ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۱۹	ضلع پلوامس منز شاعری تہ ادب (کشمیری)	۱۴ جولائی ۱۹۹۳ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۲۰	تذکرہ حضرت مولانا نورالدین ترالی	۳۱ اگست ۱۹۹۳ء	ماہنامہ النور بانڈی پورہ
۲۱	مولانا نورالدین کے چند زریں اقوال	اکتوبر ۱۹۹۳ء	مانہامہ تکبیر نو سرینگر
۲۲	تحصیل سوناواری میں تعمیری اقدامات	۱۱ دسمبر ۱۹۹۵ء	جے کے نیوز جموں
۲۳	شاعر وطن غلام نبی ظہور ن کاشر شاعری (کشمیری)	اکتوبر ۱۹۹۵ء	دوردرشن کیندر سرینگر
۲۴	شہر سرینگر میں صحت صفائی اقدامات	۱۰ نومبر ۱۹۹۷ء ۲ دسمبر ۱۹۹۷ء	روزنامہ عقاب سرینگر روزنامہ الصفا سرینگر

۲۵	ضلع پلوامہ میں صنعتی پھیلاؤ کے نئے اہداف	۲۱جولائی ۱۹۹۸ء	روزنامہ الصفا سرینگر
۲۶	مسلم حکومتوں اور بھارتی لیڈروں کیلئے لمحہ فکریہ	۲۲جولائی ۱۹۹۷ء	روزنامہ عوام دہلی
۲۷	انقلابی شخصیت عالم السلام کیلئے نمونہ	۱۸جولائی ۱۹۹۷ء	روزنامہ ندائے مشرق سرینگر
۲۸	اوحال نامہ عبدالرحمان آزاد (کشمیری)	۶جون ۱۹۹۹ء	ہفت روزہ خبرونظر سرینگر
۲۹	خبرنامہ پلوامہ، بارہمولہ، کپواڑہ، سرینگر، انت ناگ	اپریل ۱۹۹۹ء	ریڈیو کشمیر سرینگر
۳۰	دارالعلوم رحمیہ بانڈی پورہ	اگست ۲۰۰۳ء	ماہنامہ الحیات سرینگر
۳۱	تملہ ہال شاہورہ کی اہمیت ضرورت	۳۰ستمبر ۲۰۰۳ء	روزنامہ سرینگر ٹائمز
۳۲	خبرنامہ نیوما (چنگ تھنگ)	۱۹ستمبر ۲۰۰۲ء	روزنامہ سرینگر میل
۳۳	وجے آنند سے لیا گیا انٹرویو	۲۴نومبر ۲۰۰۲ء	ہفت روزہ خبرونظر
۳۴	عیدالفطر خوشی اور امن بانٹنے کا تہوار	۶دسمبر ۲۰۰۲ء	ریڈیو سٹیشن لہہ

۳۵	چنگ تھنگ گمنام صحرائی وادیوں کی آماجگاہ	۲۶ دسمبر ۲۰۰۲ء	ریڈیو سٹیشن لیہہ
۳۶	صحرائی وادین ہنز آماجگاہ	جولائی ۲۰۰۳ء	پراگاش سرینگر
۳۷	نیوما ایک خاموش پرسکوت وادی	اگست ۲۰۰۳ء	سرینگر ٹائمز
۳۸	چنگ تھنگ صحرائی وادیوں کا بدلتا روپ	جنوری ۲۰۰۴ء	سرینگر ٹائمز، عقاب
۳۹	Change & Development in Chang Thang	۲۴ اگست ۲۰۰۳ء	روزنامہ الصفا
	(یہ پیرا انٹرنیشل الیوسی ایشن لداخ کانفرنس میں پڑھا گیا۔)		
۴۰	نیوما (لداخ) کی ڈائری	اگست ۲۰۰۴ء	سرینگر ٹائمز
۴۱	Changing Development in Nyoma	۱۹ اگست ۲۰۰۴ء	الصفا نیوز
۴۲	لداخ کے خدوخال	۹ ستمبر ۲۰۰۴ء	سرینگر میل
۴۳	ٹھنڈی صحرائی وادیوں کی اہمیت اور بدلتی ترقی	۱۸ ستمبر ۲۰۰۴ء	سرینگر میل
۴۴	نیوما (لداخ) کی ڈائری	۲۱ نومبر ۲۰۰۴ء	سرینگر میل
۴۵	نیوما (لداخ) کی ڈائری	۲۷ نومبر ۲۰۰۴ء	سرینگر میل
۴۶	چنگ تھنگ کا خبرنامہ	۱۸ جنوری ۲۰۰۵ء	سرینگر میل

۴۷	نیوما (لداخ)	جنوری ۲۰۰۵ء	سرینگر ٹائمز،
۴۸	چنگ تھنگ لداخ کا خبرنامہ	۹ فروری ۲۰۰۵ء	سرینگر میل
۴۹	نیوما (لداخ) کی ڈائری	۶ فروری ۲۰۰۵ء	سرینگر ٹائمز
۵۰	چنگ تھنگ (لداخ) کے بارے میں	۲۷ فروری ۲۰۰۵ء	سرینگر ٹائمز
۱۵	ضلع لہہ میں ترقی کی رفتار	۱۳۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء	کرگل نمبر
۵۲	کشمیر کے دو اضلاع کا دروازہ پٹن	۱۵ ستمبر ۲۰۰۵ء	کشمیر عظمی سرینگر
۵۳	عید قربان۔ ایثار و اخوت کا یادگاری دن	۹ جنوری ۲۰۰۶ء	کشمیر عظمی
۵۴	ضلع بڈگام سبزیوں کی کاشت میں اہم	مئی۔ جون ۲۰۱۰ء	کشمیر عظمی۔ آفتاب
۵۵	بات گاؤں گلی کی (کشمیر کھیل باتیں)	۲۷ اکتوبر ۲۰۱۳ء	کشمیر عظمی
۵۶	یہ وادی کشمیر ہے جنت کا نظارہ	۲۰ نومبر ۲۰۱۳ء	کشمیر عظمی
۵۷	سرینگر یہ رونقیں یہ زینتیں	۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء	کشمیر عظمی
۵۸	شاہورہ کی تاریخی اہمیت	۲۴ جنوری ۲۰۱۴ء	الحاق
۵۹	شاعر کشمیر مجہور، وطن دوست سخن ور اور فطرت شناس انسان	۱۰ اپریل ۲۰۱۴ء	کشمیر عظمی
۶۰	حضرت میر سید محمد حسین سمنانی کولگام	۹ نومبر ۲۰۱۶ء	کشمیری عظمی
۶۱	ستمبر ۲۰۱۴ء سیلاب کی تباہ کاریاں	ستمبر ۲۰۱۷ء	کشمیری عظمی

مرسلہ فاطمہ شوکت۔ عائشیہ شوکت

گلشنِ کشمیر

حصّہ مقامات

حمیداللہ حمید

ہر چہرہ یہاں چاند تو ہر ذرّہ ستارا
یہ وادی کشمیر ہے جنت کا نظارا

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

ستمبر۲۰۱۴ سیلاب مختصر حالات

ڈائری سے ماخوذ

۲ ستمبر۲۰۱۴ء سے لگا تار بارشوں کے نتیجے میں ضلع شوپیان و پلوامہ کے درمیان سے گذرنے والے نالہ رمبی آرہ اور دیگر ندیوں نے نچلے علاقوں میں پانی جمع کرڈالا۔ کولگام کے نالہ ویشو اور اسلام آباد کے نالوں میں طغیانی سے کئی پل ٹوٹ گئے دودنوں کے اندر قصبہ اسلام آباد سے لے کراونتی پورہ تک کا ۳ کلومیٹر لمبا حصہ سڑک اور دیہات سیلاب کی زد میں آنے لگے۔

۶ ستمبر کو شہر سرینگر کا کچھ حصہ سیلاب کی زد میں آگیا۔ شام ۵ بجے ریڈیو کشمیر کی نشیریات بھی بند ہوگیئں اور موبائیل ٹاور بھی بیٹھ گئے کئی سڑکیں بند ہوگئیں بجلی چلی گئی لوگ بے گھر ہوتے گئے۔

اسی رور بھارت کے وزیراعظم شری نریندر مودی جموں صوبہ کے سیلابی حصے کے بعد جنوبی کشمیر اور سرینگر کے سیلابی صورت حال کا معائنہ ہیلی کواپٹر کے ذریعے کرتے رہے شام کو واپس دہلی جاکرایک ہزار کروڑ روپیہ امداد کا اعلان کیا۔

۷ ستمبر کو سرینگر سیلاب میں ڈوب گیا مکمل طور جموں اور دہلی کے ریڈیو اطلاعات کے مطابق دہلی اور دیگر، مقامات سے سیاح جہازوں میں کشتیاں بچاؤ کیلئے لائی گئیں جودن

بھر ہیلی کواپٹر اور ہوائی جہازوں کے اڑان کا سلسلہ جاری رہا۔لوگوں کو چھتوں سے کہیں چھتریوں کہیں کشتیوں کے ذریعے بچا کر محفوظ مقامات کیطرف لے جایا گیا۔کشمیر میں فون سروس بند ہوگیئں ہیں تین دن تک چاروں طرف خاموشی چھائی رہی۔کشمیر میں تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب اس صدی میں آیا۔ایک ہزار سال پہلے کا ۸۷۹ء کا سیلاب جب بارہمولہ پہاڑ گر کر جہلم کو رکاوٹ ڈال کر کشمیر کچھ عرصہ جھیل بن چکا تھا پھر ۱۸۹۳ء کا قہر انگیز سیلاب تھا آج کی صدی میں تب سے یہ بڑا سیلاب مانا گیا جس نے جان و مال کو تباہ و برباد کر دیا حکومت کہیں نہیں لوگ ایک دوسرے کو بچانے اور سیلاب بچے علاقوں میں ریلیف کیمپ میں لوگوں کو پہنچاتے رہے ۱۱ ستمبر کو جنوبی کشمیر کے سیلاب سے بچے دیہات کے غیرت جوان مند ٹریکٹروں ٹرکوں میں سرینگر کے ریلیف کیمپوں کیطرف سامان پہنچاتے رہے۔سرینگر میں کسی خاندان کا بھائی سیلاب میں پھنسا اسلئے رشتہ داروں کو ڈھونڈنے کیلیئے پانتہ چھک پہاڑی راستہ سے پیدل زبرون پہاڑی سلسلہ کے نشاط تک کے ریلیف کیمپوں میں ڈھونڈتے تھے۔ایک انارکی اور پاگل پن چھایا ہوا تھا ۱۲ ستمبر سے ریڈیو کشمیر نے عارضی طور شنکراچاریہ پہاڑ پر کمرے میں ریڈیو سٹیشن چالو کیا۔جو سرینگر کی سیلابی صورت حال کو منظر پیش کرتا رہا کہیں کہیں فون موبائیل چلنے لگا۔۱۴ ستمبر کو جنوبی کشمیر کے کچھ معمولی جگہوں پر کئی روز بعد بجلی آئی۔ریڈیو سے لوگوں کی

گمشدگی اور گھنٹہ بھر بعد سیلاب خبریں نشر ہوتی رہیں کشمیر میں سیلاب سے مرنے والوں کی تعداد ۱۶۰ تک پہنچی ۱۶ ستمبر کو شنکراچاریہ پہاڑ دامن سے پیدل اوپر پہاڑ پر بنے عارضی ریڈیو سٹیشن پر وزیراعلیٰ عمر عبداللہ نے وزیر نذیر گریزی اور دو بڑے آفیسروں کے ہمراہ آکر انٹرویو دیا۔اس نے کھل کر بے بسی کا اظہار کیا۔

۱۷ ستمبر کو گیارہ یوم کے بعد سرینگر سے صرف ایک اخبار تعمیل ارشاد شائع ہوکر آیا جس میں سیلاب کی صورت حال کی تصاویر سے دل دہل اٹھے۔ مکانات زیرآب گاڑیاں الٹ چکی ہیں ۵ ستمبر سے کشمیر میں ساری شادیاں روک دی گئیں کہیں پہاڑی اور سیلاب سے بچے علاقہ میں معمول نکاح خوانی تقریب ہوئی سرینگر میں پانی کی نکاسی گھروں میں پانی گھسنے جان و مال کی بربادی اور لوگون کے سہم اور خوف ڈر کی کہانیاں ملتی رہیں۔

۱۸ ستمبر کو ریڈیو سے ڈیڑھ ماہ کیلئے امتحانات انٹرویو اور آفیسران کے تبادلے روک دینے کا اعلان ہوا۔ پھر دوسری بار وزیراعلی شنکراچاریہ پہاڑ کے عارضی ریڈیو سے گھنٹہ بھر انٹرویو دیتے رہے ۶ ستمبر سے عازمین حج کر عرب جانے کا سلسلہ روک دیا گیا سیکرٹریٹ اور بڑی عمارتیں یک منزل زیرآب رہی معمولی طور سیکرٹریٹ کھل گیا ۱۹ ستمبر کو حیدر پورہ میں گریٹر کشمیر کا میڈیکل کیمپ چالو ہوا۔ لال چوک راجباغ جواہر نگر میں پانی جمع ہونے کو ۵ ورز تھا ہے سرینگر کا مرکزی قیمتی علاقہ ویران رہا شہر تو کھنڈرات اور خاموش

لگتا تھا شہر میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر اور کشتیاں چلتی ہیں ریلیف کیمپوں میں آسودہ حال مرد ولگتا تھا شہر میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر اور کشتیاں چلتی ہیں ریلیف کیمپوں میں آسودہ حال مرد وخواتین سکھ مسلمان ٹھہرنے کا نظارہ سامنے آتا تھا کشمیر میں فوج کے ۷۰ کیمپ ۱۲ اسلحہ خانے اور گاڑیاں تباہ ہوئیں۔ سرینگر کے پولیس تھانے اور پولیس لائن پانی میں ڈوب ہونے کی وجہ سے تک صرف چار وائرلس سیٹ سسٹم چالو رہے۔

۲۱ ستمبر اتوار کو ریڈیو سے نشر ہوا کہ ابتک ۳۵۰ افراد لاپتہ۔ میوہ باغات کو ایک ہزار کروڑ نقصان ہوا ابتدائی طور ضلع اسلام آباد کے کچھ گاؤں کے نقشے سیلاب نے بدل ڈالے سرینگر میں لوگ کشتیوں کے ذریعے یا مصنوعی ناؤ بنا کر ادھر ادھر جاتے ہیں مندروں مساجد اور گوردواروں میں لوگ ٹھہرے ہیں جواہر نگر کے مکان میں کرایہ پر ٹھہرے غیر کشمیری کنبہ مکان گرنے سے ہلاک۔

۲۲ ستمبر گاندربل، بارہمولہ، بڈگام، شوپیان اور پلوامہ اضلاع کے سیلاب سے بچے علاقوں سے راضا کارانہ طور راشن، سبزی، تیل ملبوسات، ٹرکوں میں سرینگر لے کر تقسیم کیا جانے لگا سرینگر کا مرکزی حصہ بجلی بحران، پانی گندگی غلاظت اور کیچڑ کا منظر پیش کرتا تھا سیلاب کی تباہ کاریوں کے پہلو اخبارات میں کہانیوں اور تصاویر سے سامنے آنے لگیں

۲۳ ستمبر سرینگر کے شالی سٹور میں جمع ۲۸ ہزار کوئنٹل چاول اور ۲۴ ہزار کوئنٹل

کھانڈ سیلاب سے تباہ ہونے کی وجہ سے سرنیگر کے گودام اور سٹور خالی ہونا ضروری تھا کشمیر میں ۵۵۰ واٹر سپلائی سکیمس ناکارہ ہوگئی ۵ ہزار گاڑیوں کا سیلاب میں پھنسنے سے ناکارہ ہوگئی۔

۲۸ ستمبر اتوار سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جموں اور کشمیر صوبوں میں ۵۶۴۲ گاؤں سیلاب سے تباہ ہوئے ۱۲ لاکھ ۶۰ ہزار خاندان گھرانے متاثر کہ کشمیر کے ۵۰۸۹ گاؤں کی آبادی اس میں شامل ہے ایک لاکھ کروڑ روپئے کے نقصان کا تخمینہ گورنمنٹ کے لگا ۱۰ ہزار مویشی اور ۲۰ ہزار بھیڑ سیلاب میں بہہ کر مر گئے مکانات رہائشی کالونیوں اور دفاتر میں سیلاب سے ریکارڈ تباہ ہوگیا سرینگر کے اہم مرکزی بازار بند رہے۔ سرینگر ضلع کے ۱۵ ہزار گھرانوں کو فی کس ۵۰ کلو چاول مفت تقسیم ہوا۔ اول اکتوبر سرینگر میں حکومت کے خلاف ناکارہ انتظامی سیلاب پر زبردست احتجاج جلسے جلوس نکلے سرینگر بٹہ وارہ سے بٹہ مالو لال چوک سے راجباغ ویرانی کا منظر سیلاب نے سرینگر کو تباہی کے کنارے کھڑا کیا تھا۔

راقم کا گھرانہ اگرچہ پلوامہ میں ٹھہرا تھا اور سیلاب سے محفوظ تھے پھر بھی فرزند شوکت حمید (کشمیر عظمیٰ) کا سرینگر میں ڈیرہ تباہ و برباد ہوگیا کہ اسکے ریکارڈ کپڑے نہ بچ سکے۔ دوسرا پریشانی آٹھ یوم اٹھانی پڑی جب برادر اصغر منظور ظہور کا گھر محلہ اسٹیس میں قیام پذیر ہو کر کشتیوں سے محفوظ مقامات کو گئے تھے میرے فرزند بلال کو پانتھ چھک

سے پہاڑی راہوں سے نشاط تک ریلیف کیمپوں میں انہیں ڈھونڈنا پڑا۔ ریڈیو پر اعلان کرانا پڑا۔ سیلاب اترنے کے بعد بھائی کے گھرانے بچا کچھا سامان پلوامہ لاکرندی پر دھلوایا۔



کشمیر کے جغرافیائی خدوخال اور تاریخ تمدن کی کتابیں

نیل مت پران اور راج ترنگنی وادی کشمیر کے کشپ رشی دور سے لیکر بدھ مت اور ہندو دور کی کہانیوں سے بھری پڑی ہیں یہ کتابیں کئی زبانوں میں ترجمہ کر کے مقبول عام ہو چکی ہیں اس کے علاوہ جو اور کتابیں فارسی اور اردو میں لکھی گئیں ان کے قلمی نسخے کلچرل اکیڈمی اور محکمہ ریسرچ نے موجود رکھی ہیں مگر یہ کتابیں لکھی گئی زبانوں میں شایع ہوئیں اور کچھ کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے بازار میں بک گئیں۔ ان تاریخی کتابوں کے نام یوں ہیں۔ ۱۔ دقائع کشمیر۔ ۲۔ واقعات کشمیر جو کہ خواجہ اعظم دیدہ مری کی تصنیف ہے۔ ۳۔ تاریخ اولیاء کشمیر تقریباً ایک سو سال قبل کشمیر سے باہر فارسی خط میں چھپ چکی ہے اسکا اردو ترجمہ بھی بازار میں آیا ہے۔ اور کشمیری ترجمہ بھی۔ ۴۔ اسرار الابرار فارسی میں کتاب ہے۔ ۵۔ فتحات نادریہ۔ ۶۔ فتحات کبرویہ۔ ۷۔ تاریخ شائق۔ ۸۔ تاریخ باغ سلیمان۔ ۹۔ تاریخ (مولوی ہدایت اللہ متو)۔ ۱۰۔ خمستہ (بہاوالدین) ۱۱۔ تحقیقات امیری۔ ۱۲۔ مجموعہ شعرا۔ ۱۳۔ (تذکرہ شعرائے کشمیر) استاد شبیر احمد بٹ مصنف۔ ۱۴۔ تاریخ اقوام کشمیر۔ محمد دین نوق مصنف) ۱۵۔ تحریک حریت کشمیر (رشید نائیر) ۱۶۔ مختصر تاریخ کشمیر (محمد امین پنڈت) ۱۷۔ کشمیر کا سیاسی انقلاب (شبنم قیوم) ۱۸۔ تاریخ کشمیر (محمد دین نوق) ۱۹۔ تاریخ حسن (چار جلدوں میں اردو کشمیری فارسی) سید حسن

کھویہامی) Sir Larnaswatter Valley of Kashmir ۲۰.۲۱۔کاشر النکلو پیڈیا (جلداول) (کلچرل اکیڈمی سرینگر) ۲۲۔کاشرالنکلو پیڈیا (جلددوم) (کلچر ل اکیڈمی سرینگر) ۲۳۔عہدنامہ کشمیر (جواجہ ثناءاللہ بٹ) ۲۴۔راج ترنگنی جون راجہ ۲۵۔ تاریخ برزگان کشمیر (پیرزادہ عبدالخالق طاہری) ۲۶۔تصویر کشمیر (ڈاکٹر ایم ایس ناز) ۲۷۔عرائیس کشمیر (خاموش کشمیری) ۲۸۔قدیم ترین جغرافیہ جموں وکشمیر (پنڈت کلہن) ۲۹۔عکس کشمیر (ڈاکٹر صابر آفاقی) ۳۴۔جلوہ کشمیر (ڈاکٹر صابر آفاقی) ۳۰۔شباب کشمیر (محمدالدین نوق)

اسکے علاوہ بھی چنداورتاریخی کتابیں اردوانگریزی زبانوں میں منظرعام پرآچکی ہیں۔



بانڈی پورہ کی اہمیت وافادیت

علاقہ بانڈی پورہ حسن و جمال کے لئے بے نظیر اور لا مثال ہے برِ اعظم ایشیا کے مقبول جھیل ولر کے کنارے یہ تحصیل ہر مُوکھ پہاڑوں کی گود میں ایک پر کشش منظر پیش کرتا ہے اس کے مختلف صحت افزا مقامات قابل ذکر ہیں۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا بانڈی پورہ کا بیشتر رقبہ ایشیاء کی سب سے بڑی جھیل ولر اور پہاڑی سلسلوں نے ہضم کیا ہے یہی اس کی شان کو دوبالا کرتا ہے دوسری طرف زرعی زمین اور باغات کی کمی یہی وجہ ہے۔

اہم شریف: زیارت گاہ اہم شریف قابل ذکر ہے یہ بانڈی پورہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے یہاں پر محبوب العالم سلطان العازمین صاحبؒ کی جائے نماز گھاس سے اور چانگجی پنجی اور چلہ گذارنے کی جگہ اب بھی موجود ہے اور اسکے اردگرد ایک مسجد شریف تعمیر کی گئی ہے یہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور لوگ مختلف اطراف سے یہاں سے روحانی لطافت سے فیض یاب ہوتے ہیں اوقاف کمیٹی اہم شریف نے اب اس زیارت کے ساتھ ہی محبوب العالمؒ اسکول تعمیر کیا ہے۔ اسکے نزدیک گھپا جہاں انہوں نے عبادت سالہا سال کی ہے

چتر نار: بانڈی پورہ سے تقریباً ڈھائی کلومیٹر شمال کی طرف پہاڑوں اور جنگلوں نے گرفت میں لی ہوئی ایک حسین اور پر کشش جگہ ہے۔ ایک بیرون ریاست صاحب جو

ہندوستان کی بہت سی یونیورسٹیوں کی سیر کر چکے ہیں۔ جب چتر نار پہنچے تو انھوں نے چیخ کر پکارا کہ یہ مقام شانتی نکیتن (کلکتہ) جیسا پر سکون اور پر کشش مقام کی یاد دلایا ہے۔ انسانی زندگی کے دباؤ سے دور ماحولیات کی آلودگی کے بغیر یہ قدرت کی مصوری کا قابل فخر نمونہ ہے اور یہ مقام کسی دانش گاہ کے لئے کافی موزوں ہے یہاں پر ماضی سے ایک فارسٹ کالج ہے یہاں پر فارسٹروں کی تربیت (ٹرینگ) دی جاتی ہے اور یہاں پر کھویہامہ ڈی ایف او کا صدر دفتر ہے۔

کوثر آباد:۔ کوثر آباد جیسے پچھلے زمانے میں چک ریشی پورہ کے نام سے پکارتے تھے۔ کوثر افغانی ایک ولی کامل کے نام پر کوثر آباد رکھا گیا ہے۔ یہاں پر اس نے زندگی کے آخری ایام گذارے اور یہیں پر رحلت فرمائی۔ عقیدت مندوں نے انہیں اپنے ہی مسکن میں مدفون کیا۔ اس کی زیارت اب اسی جگہ ہے آپ ایک متقی باصفا اور باشریعت ولی اللہ تھے انھوں نے اپنی حیات میں علم و عرفان کا چراغ روشن کیا جو کہ اس کی زیارت کیساتھ ہی واقع ہے اور کوثر یہ مڈل سکول کی صورت میں علاقے کو علم کے نور سے روشن کرتا ہے اس کے علاوہ یہاں ایک میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے یہ مقام بھی پہاڑ کی گود میں واقع ہے اور قدرت کی پر کشش فضا میں گم سُم ہے۔

آٹھوتو:۔ باڈی پورہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور آٹھوتو پہاڑوں کی گود میں قدرت

بانڈی پورہ کی اہمیت وافادیت

علاقہ بانڈی پورہ حسن و جمال کے لئے بے نظیر اور لامثال ہے براعظم ایشیا کے مقبول جھیل ولر کے کنارے یہ تحصیل ہرمُوکھ پہاڑوں کی گود میں ایک پرکشش منظر پیش کرتا ہے اس کے مختلف صحت افزا مقامات قابل ذکر ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا بانڈی پورہ کا بیشتر رقبہ ایشیاء کی سب سے بڑی جھیل ولر اور پہاڑی سلسلوں نے ہضم کیا ہے یہی اس کی شان کو دوبالا کرتا ہے دوسری طرف زرعی زمین اور باغات کی کمی یہی وجہ ہے۔

اہم شریف: زیارت گاہ اہم شریف قابل ذکر ہے یہ بانڈی پورہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے یہاں پر مجبوب العالم سلطان العازمین صاحبؒ کی جائے نماز گھاس سے اور چانگجی پیتجی اور چلہ گذارنے کی جگہ اب بھی موجود ہے اور اسکے اردگرد ایک مسجد شریف تعمیر کی گئی ہے یہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور لوگ مختلف اطراف سے یہاں سے روحانی لطافت سے فیض یاب ہوتے ہیں اوقاف کمیٹی اہم شریف نے اب اس زیارت کے ساتھ ہی محبوب العالمؒ اسکول تعمیر کیا ہے۔ اسکے نزدیک گھپا جہاں انہوں نے عبادت سالہا سال کی ہے

چتر نار: بانڈی پورہ سے تقریباً ڈھائی کلومیٹر شمال کی طرف پہاڑوں اور جنگلوں نے گرفت میں لی ہوئی ایک حسین اور پرکشش جگہ ہے۔ ایک بیرون ریاست صاحب جو

ہندوستان کی بہت سی یونیورسٹیوں کی سیر کر چکے ہیں۔ جب چترنار پہنچے تو انھوں نے چیخ کر پکارا کہ یہ مقام شانتی نکیتن (کلتہ) جیسا پرسکون اور پر کشش مقام کی یاد دلایا ہے۔ انسانی زندگی کے دباؤ سے دور ماحولیات کی آلودگی کے بغیر یہ قدرت کی مصوری کا قابل فخر نمونہ ہے اور یہ مقام کسی دانش گاہ کے لئے کافی موزوں ہے یہاں پر ماضی سے ایک فارسٹ کالج ہے یہاں پر فارسٹروں کی تربیت (ٹریننگ) دی جاتی ہے اور یہاں پر کھویہا مہ ڈی ایف او کا صدر دفتر ہے۔

کوثر آباد:۔ کوثر آباد جیسے پچھلے زمانے میں چک ریشی پورہ کے نام سے پکارتے تھے۔ کوثر افغانی ایک ولی کامل کے نام پر کوثر آباد رکھا گیا ہے۔ یہاں پر اس نے زندگی کے آخری ایام گذارے اور یہیں پر رحلت فرمائی۔ عقیدت مندوں نے انہیں اپنے ہی مسکن میں مدفون کیا۔ اس کی زیارت اب اسی جگہ ہے آپ ایک متقی باصفا اور باشریعت ولی اللہ تھے انھوں نے اپنی حیات میں علم وعرفان کا چراغ روشن کیا جو کہ اس کی زیارت کیساتھ ہی واقع ہے اور کوثر یہ مڈل سکول کی صورت میں علاقے کو علم کے نور سے روشن کرتا ہے اس کے علاوہ یہاں ایک میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے یہ مقام بھی پہاڑ کی گود میں واقع ہے اور قدرت کی پر کشش فضا میں گم سُم ہے۔

آٹھوتو:۔ باڈی پورہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور آٹھوتو پہاڑوں کی گود میں قدرت

کا ایک حسین اور دلکش مقام ہے یہ نالہ مدھومتی کے مبنع کے قریب ہی واقع ہے یہ گاؤں اس نالے کے آر پار یعنی دونوں کناروں پر واقع ہے یہ مقام بھی انسانی زندگی کے دباؤ سے باہر ہے نالہ مدھومتی کے کنارے پر ایک ریسٹ ہاؤس ہے جہاں ۱۹۹۰ء سے پہلے ایکسکرشن جانے والے طالب علم اور سیاح ٹھہرتے تھے۔ نالہ ارن بھی بانڈی پورہ کی دلکشی ندی ہے۔

بوٹھو:۔ بوٹھو بانڈی پورہ کے مشرق میں بارہ کلو میٹر دور پہاڑی سلسلے پر ایک گاؤں ہے یہاں پر ''دبد موج'' کی زیارت ہے مقامی لوگ اسے ایک گرم زیارت کے طور پر مقدس زیارت تصور کرتے ہیں یہاں پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے جسکے پانی کو مختلف بیماریوں کی شفاء کے لئے استعمال کرتے ہیں یہ گاؤں پہاڑی پر واقع ہونے کے باعث قدرت کا حسین نقشہ پیش کرتا ہے۔

نشاط پارک:۔ نشاط پارک بانڈی پورہ سے سرینگر جانے والی سڑک کے بائیں طرف واقع ہے۔ یہ پارک میونسپل کمیٹی کے تحت ہے پارک میں ایک طرف اس کمیٹی کا دفتر بھی ہے سیبوں کا ایک چھوٹا سا باغ بھی ہے یہ باغ ڈھلوان پر ہے اور اس پارک کو سیڑھیوں کے ذریعہ سے چھوٹے چھوٹے لانوں میں تشکیل اور ترتیب دیا گیا ہے جھیل ولر کا ادھر نظارہ کیا جاتا ہے مقامی لوگ گرمیوں میں شام کو دن بھر کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے اس پارک میں کھل ہوا اور حسین ودلکش منظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اس پارک

کے جنوب طرف دارالعلوم رحیمیہ کی دانش گاہ ہے جس سے اس کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوا ہے دانش گاہ اور پارک کے درمیان ایک چھوٹی سی سڑک ہے نیچے سے آ کر گذر نو جزل روڈ سے ملتی ہے۔ انسانی بستی سے دور ہونے کے باعث خاموش اور پر سکون ہے جگہ ہے اندھیرے میں چاند کی روشنی اور قصبہ کے جلتے ہوئے بجلی کے قمقے اور دانش گاہ کی چمکتی ہوئی روشنی اس کے حسن میں اور بھی چار چاند لگاتے ہیں۔

روضہ باجہ صاحب:۔ بانڈی پورہ سے تقریباً دس کلومیٹر دور شمال مغرب ملنگام میں روضہ باجہ صاحب واقع ہے۔ باجہ صاحب بذات خود گوجر تھے مگر اسے گوجروں کے ساتھ ساتھ کشمیری بھی ولی کامل مانتے ہیں جموں وکشمیر کے مختلف اطراف سے اس کی عقیدت رکھتے ہیں اور اگست مہینے میں مختلف اطراف سے اُس کے عقیدت منداُس کے عرس پر میں حاضری دیتے ہیں اور لوگ مختلف طرح سے فیض حاصل کرتے ہیں اور اُن دنوں زیارت پر قوالیوں کا بھی انتظام ہوتا ہے۔

سزدانی:۔ سزدانی بانڈی پورہ کا اہم ترین صحت افزا مقام ہے یہ بانڈی پورہ سے تین کلومیٹر دور ہے یہ نہر وزینہ گیر کے مبنع اور نالہ مدھومتی کے بائیں کنارے پر واقع ہے نہر زینہ گیر ہزاروں کنال زمین سیراب کرتی ہے جو کشمیر کے مشہور مہاراجہ ہری سنگھ کی بنائی ہوئی ہے یہاں محکمہ آبپاشی کا ایک بنگلہ بھی ہے اور ایک وسیع میدان بھی ہے اور گلاس

ایکسکرشن کیلئے آتے ہیں اور اسکے حسن و نزاکت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

گول پتھری:۔ گول پتھری بانڈی پورہ سے گریز جانے والی سڑک پر جنگل میں ایک دلکش میدان ہے یہاں پر پہنچ کر گلمرگ اور سونہ مرگ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور چیر لفٹ (Chair Lift) کی یہاں پر قائم کرنے کی خواہش اُجاگر ہوتی ہے یہاں جنگل کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں چھوٹی چھوٹی ندیاں قلب کو سکون اور دماغ کو راحت بخشتی ہیں۔

گنذربل:۔ گنذربل بانڈی پورہ کا قدیم اہم صحت افزا مقام ہے۔ یہ بانڈی پورہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر مشرق میں واقع ہے یہاں پر ایک پنچایت گھر اور ایک چھوٹا سا بنگلہ ہے یہ نالہ مدمتی کے کنارے پر واقع ہے یہاں پر ایک چھوٹا سا سرسبز و شاداب میدان ہے یہاں دور دراز علاقوں سے لوگ سیر و تفریح کے لئے آتے ہیں۔

جھیل ولر:۔ یہ جھیل تو بانڈی پورہ کے مغرب وسیع حصہ پر پھیلا ہوا ہے شیر کوٹ پہاڑی سے بھی نظارہ کیا جا سکتا ہے جھیل سے مچھلیاں ندرو اور سنگھاڑے حاصل ہوتی ہیں جو کنارے بستیوں کی روزی روٹی دیتے ہیں جھیل کے متعلق یہ شعر امقبول ہوا ہے۔

ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک

خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے (ڈاکٹر سر محمد اقبال)

اس میں تیرتی ہیں اور تیز وتند ہوائیں چلتی ہیں۔ براعظم ایشیار کے بڑے جھیل کے طور مقبول ہے اس کے درمیان زینہ لنک جزیرہ قصہ پارنہ بن چکا ہے بڈشاہ ادھر سیر کرنے آتا تھا مغرب طرف شیر کوٹ پہاڑی سے جھیل کا پُر لطف نظارہ اٹھایا جاسکتا ہے جھیل سے مچھل

زینہ گیر نہر:۔ بڈشاہ دور میں وترینہ سے نکالی گئی یہ تاریخی نہر وٹلب سے ہوکر سوپورہ کے کئی دیہات کی زرعی زمین اور باغات کو سیراب کرتی ہے۔

(حمیداللہ حمید)



کئی سال کبھی کبھار بانڈی پورہ دورہ قیام دن رات کئی مقامات کی سیر کر چکا ہوں کچھ مقالات کی معلومات کئی اصحات سے مل چکا ہے

۲۱ ستمبر ۲۰۱۷ء بانڈی پورہ

ارضِ جنت نظیر

یہ وادی کشمیر ہے جنت کا نظارہ

وادی کشمیر کو دنیا بھر میں جنت بے نظیر کے نام سے پکارا جاتا ہے شاید مغل شہنشاہوں کو نہ تو لاہور میں شالیمار باغ بنانے سے اور نہ ہی دہلی میں لال قلعہ تعمیر کرنے سے تسلی ہوئی بلکہ پہاڑوں کوہساروں اور جھیل جھرنوں سے گھرے اس خطہ ارض کے لال زاروں اور دلکش نظاروں نے انہیں کافی متاثر کیا۔ کیوں نہ ہو فطرت کے ان پرستاروں نے یہاں جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے چشمے، برفیلی چوٹیاں اور ان کے دامن میں مرغزار باغات اور ہر نوع کے پھل پھول جولہلہاتے پائے اور بے ساختہ بول اٹھے۔

اگر فردوس بروئے زمین است

ہمیں است وہمیں است وہمیں است

شہنشاہ نورالدین جہانگیر تو حسن کا دلدادہ ہونے کے علاوہ قدرتی نظاروں کا شائق تھا وادی کشمیر میں اسے پرسکون اور رومان پرور ماحول ملا۔ انہوں نے برجستہ فارسی میں متذکرہ بالا شعر موزوں کیا جس کے معنی یہ ہیں اگر دنیا (زمین) میں کہیں فردوس (جنت) ہے تو وہ یہیں ہے یہیں ہے یہیں ہے جھیل ڈل کے کنارے مغل دور

کے پری محل، چشمہ شاہی، نشاط باغ اور شالیمار شہر سرینگر کی خوبصورتی کو دوبالا کیئے ہوئے ہیں اسی طرح جنوبی کشمیر میں ویری ناگ، کوکرناگ، اچھ بل شیر باغ انت ناگ اور دیگر جگہیں ان ہی مغلوں کی یادگار ہیں ان جگہوں کے علاوہ وادی میں پہلگام، گلمرگ، سونہ مرگ، یوسمرگ، دودھ پتھری اہرہ بال داچھی گام پارک اور دیگر مقامات سیاحوں کے لئے خصوصی طور غیر معمولی کشش رکھتے ہیں کشمیر کے سیاحتی مقامات برفیلے پہاڑی سلسلے ہرے بھرے جنگل کئی دریا اور اچھلتی کودتی ندیاں ہر پل اپنے جوبن پر رہتی ہیں۔ان میں نالہ آرہ پتھ برنگی، نالہ لیدر، نالہ رنبی آرہ، نالہ ویشو، نالہ رومشی، نالہ آری پل، نالہ مدھو متی، نالہ فیروز پورہ دریائے کشن گنگا اور سندھ لار کے علاوہ دریائے جہلم قابل ذکر ہیں جھرنے، آبشار، میٹھے کھارے پانی کے ہزاروں ابلتے چشمے، ڈل، ولر، مانسبل، کوثر ناگ اور نیل ناگ وغیرہ زبان زدہ عام ہیں ان کے علاوہ ہرے بھرے میدان بشمول توسہ میدان، کھلن مرگ، سونہ مرگ اور رائے نیور کی چراگاہ وغیرہ مشہور زماں ہے۔اس پر لطف یہ کہ معتدل آب و ہوا، مہکتی فضا، مختلف پرندوں کی چہچہاہٹ جنگلی جانوروں اور ہرے بھرے جنگل ہر کس و ناکس کا دل کو لبھاتے ہیں بدلتے موسموں میں جگہ جگہ مختلف اقسام کے گل بوٹے اور پھولوں کی کیاریاں سجی سجائی رہتی ہیں موسم بہار موسم خزان اور موسم سرما میں رنگ برنگی ملتی ہے جو اپنی علیحدہ علیحدہ تاثیر دل کو سکون اور نگاہوں کو فرحت بخشتے ہیں وادی گلپوش کی مٹی سے سونا اگلتا ہے اور پھر جب پانی کے ذخائر اس مٹی میں

جذب ہو جاتا ہے تو پیداواری صلاحیت کا کیا کہنے

لہلہاتے کھیتوں خاص کر جون کے مہینے میں جب یہاں گاؤں گاؤں آبی کھیتوں میں رنگ برنگے ملبوسات پہنے مرد، عورتیں اور بچے کشمیری گیت روف اور ون ون گا گا کر دھان کی پنیری لگانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اگر چہ اس رروایت میں بھوڑی بہت کمی واقع ہوئی کسانوں کاشت کاروں کے لئے یہ ایام کافی مصروفیت میں گزرتے ہیں مارچ کے مہینے میں بادام کے شگوفے کیا دل کو لبھاتے ہیں! اپریل کو تو شگوفوں کا ہی مہینہ ہے۔

دسمبر جنوری فروری برف باری اور بارشوں کی برسات کا اپنا ہی رنگ ہے فروری میں بید مشک (ایک مقامی بید) کی ٹہنیوں پر شگوفے پھوٹتے ہیں یہ ایک مجرب دوائی کے طور قدیم زمانے سے استعمال ہوتا آیا ہے مارچ میں یمبر زل اور ٹیکہ بٹن کھل اٹھتے ہیں اپریل میں جہاں سیبوں، گلاسوں، آلو بخارا اور آڑو وغیرہ درختوں پر شگوفے کھلتے ہیں وہیں کھیت کھلیان کافی دیدہ زیب لگتے ہیں ہلدی رنگ کے سرسوں کھیت ہر طرف مہکاتے ہیں ماحول میں رنگارنگی جھلکتی ہے۔ منڈھیروں پر گل بنفشہ نکلتے ہیں یہی ایام ہیں جب منڈھیروں پر ہند اور کرڑھ کی خودرد سبزی اگ آتی ہے اس مہینے میں کشمیر میں آلو اور پیاز کی کاشت کی جاتی ہے ساگ اور دیگر سبزیوں کے بیج کیاریوں میں اگائے جاتے ہیں موسم بہار اور برسات میں منڈلاتے بادلوں اور بجلی چمکنے کا اپنا ہی دلکش منظر ہوتا ہے کہ جب بادل گرجتے ہیں اور بارشیں شروع ہوئی تو عام لوگ اسے رحمت باراں کا نام دیتے ہ

ہیں کشمیر کا موسم گرما اتنا قابل برداشت نہیں جتنا کہ دنیا کے دیگر خطوں میں یہ اتنے اثرات چھوڑتا ہے زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 36 ڈگری ہو جاتا ہے اور پھر دفعتاً کافی بارش ہوتی ہے پہاڑوں سے گھری اس لمبی چوڑی وادی کی خاصیت ہی کچھ ایسی ہے کہ یہاں نہ زیادہ ٹھنڈی رہتی ہے اور نہ زیادہ گرمی دسمبر جنوری کے مہینوں میں کم سے کم درجہ حرارت صفر درجہ سے ۸ ڈگری نیچے جاتا ہے جب کہ اسی خطے کے ساتھ لداخ خطے میں اس قسم کا درجہ حرارت گرمیوں میں رات کے وقت رہتا ہے۔

کشمیری تہذیب و تمدن کو رحمت کا نام نہ دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ سادہ تہذیب، سادہ لباس اور دیہی زندگی میں اصلی کشمیری پن جھلکتا ہے کئی برسوں سے روپے کی ریلی پیل اور ماحول سے اثرات پڑے اسی سادگی نے سینکڑوں سالوں سے بیرونی مورخوں و بادشاہوں کو کافی متاثر کیا۔ حتیٰ کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے ہمراہ جو سات سو سادات یہاں تشریف لائے انہوں نے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کر کے ادھر ہی اپنا مسکن ابدی بنایا۔ کئی اصحاب تو ایران سے اپنے اہل وعیال لا کر یہاں بس گئے۔ کشمیر کو پیروار (پیروں کی چمن) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں تقریباً ہر گاؤں اور شہر سرینگر کے ہر محلے میں کسی نہ کسی اولیاء برگزیدہ بزرگ کی ابدی آرام گاہ اور اس سے منسلک عبادت گاہ ضرور ملتی ہے مختلف مقامات پر قدیم بودھ مندر ہندووں کے پوتر استھان اور سکھوں کے گردوارے دیکھنے کو ملتے ہیں ہماری عالی شان وادی میں ہزار

ہزاروں تناور برمجی اور چنار کے درختان جا بجا نظر آتے ہیں سینکڑوں ایسے چنار اور برمجی ان ہی بزرگوں کے ہاتھوں لگائے گئے ہیں اور سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود ٹیلوں، راستوں کے کناروں اور عبادت گاہوں کے پاس کھڑے نظر آتے ہیں جب ستمبر کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو یہاں درختوں سے پھل فروٹ اتارنے اور دھان کٹائی شروع ہوتی ہے کشمیری کہاوت ہے۔

سونتھ چھ بلی یہ۔ ہروژ ھلی (اس کا مطلب ہے کہ موسم بہار میں بوائی ویسے ہی ہے اور موسم خزان ایک چرخا ہے)

ماہ ستمبر اور اکتوبر میں دھان کی فنڈائی (چھٹائی) کر کے اس کا ذخیرہ کرنا اور باغات سے سیب وغیرہ اتارنے میں مقامی کاشت کار مشغول رہتے ہیں نومبر میں پانپور کی سرزمین سے زعفران کے پھول اُٹھائے جاتے ہے کشمیر کا کیسر عالم بھر میں مقبول ہے۔ موسم سرما کا بھی اپنا رنگ و آہنگ ہے اور اس کے نظارے دلفریب ہوتے ہیں آسمان ابر آلودہ، آسمان سے سفید روئی کے گالے زمین پر پڑتے ہیں نومبر سے مارچ تک بار بار برف گرنے سے آبی ذخائر ابلتے رہتے ہیں۔

وادی کشمیر کا تمدن اور اس کا لسانی سرمایہ بھی انمول ہے کشمیری زبان میں مٹھاس اور حلاوت کا رس گھلا ہوا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کا فارسی و عربی رسم الخط قابل داد ہے۔ کشمیری زبان تو تین مختلف خطوں میں تین طرح کے لب ولہجوں سے بولی جاتی ہے کہ سن

کر ہی پتہ چلتا ہے کہ بولنے والا کہاں کا ہے شہر سرینگر اور آس پاس گردونواح گاندربل، پانپور، پلوامہ کی بولی ملتی جلتی ہے جب کہ بارہمولہ، سوناواری، بانڈی پورہ، ہندوارہ، کپوارہ، بڈگام، بیروہ کی بول چال (accent) تھوڑا بہت جداگانہ ہے اسی طرح شوپیان، کولگام اور اننت ناگ کے لوگ الگ الگ طرز کلام کا ثبوت دیتے ہیں ترال، پلوامہ کے کچھ دیہات بھی اسی بولی سے مل جل کر بات کرتے ہیں وادی کشمیر کی مہمان نوازی، شادی، بیاہ کی تقریب ماہ رمضان اور عید کے دنوں گیتوں کی رواتیں بھی لامثال ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا اور کسی کی موت واقع ہونے کی صورت میں دکھ درد بانٹنا یہاں سینکڑوں سالوں کی پرانی ریت ہے تاریخ کے پُرآشوب دور میں ہندو مسلم سکھ اتحاد کی خوشبوئیں جس طرح یہاں پَلتی پھولتی رہیں اس کی مثال دیگر جگہوں پر کم ہی نظر آتی ہے فن ہنر اور کاریگری نے بھی کشمیر کو دنیا میں مقبول عام بنایا ہے یہاں کے کانی شال، نمدے، گبے، پیپر ماشی چیزیں قالین لکڑی پر تیار کی گئی نقش نگاری کے نمونے دنیا کے مختلف بازاروں میں ہاتھوں ہاتھ بکتے ہیں جیسے یہاں کے نظارے ویسے ہی یہاں کی فن کاریگری تہذیب وتمدن شعروشاعری اور لوگوں کی دلربائی ہے وطن عزیز کے سحر انگیز نظاروں نے اس خط کو فلمی دنیا کو بھی ماضی تاحال کھینچ لایا یہاں کی تاریخ ثقافت سیاست و سیاحت پر سینکڑوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

جس طرح دنیا کے تمام خطوں میں صنعتی انقلاب کے بعد انسانی قدریں روبہ

زوال ہوئیں اس کا اثر کشمیر پر بھی جوں توں پڑا۔ وہ پیار و محبت، رواداری، بھائی چارہ اور انسان دوستی کی مثالیں گم ہونے لگی ہیں ہماری روایتی مہمان نوازی سے لے کے محبت و خلوص کے مظاہروں پر خودغرضیوں کی چھاپ پڑ چکی ہیں۔ معاشرے میں رشوت ستانی فضول خرچی بدعات اور شادی بیاہ کی رسموں پر پانی کی طرح روپیہ بہانا ہمارے روگ بن چکے ہیں۔ اتحادہ اتفاق، بھائی چارہ اور غیروں یعنی پردیسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ضرورت ہونے پر ہر ایک کی ہر طرح مدد کرنے کی پریم پرا موجود برقرار ہے فراموشی میں ان اقدار سے بہشت ارضی کو پھر اور زیادہ سجانے کی اشد ضرورت ہے یہی پیغام وادی کے ریشیوں اولیاء منیوں صوفیوں خداترس فقیروں اور مخلص علمائے کرام نے دیا ہے ہمارا طرز معاشرت تمدن تعمیری خدوخال رہن سہن لباس اور دیگر معاملات بگڑتے جا رہے ہیں فرقہ بندی اور سیاسی اتھل پتھل کے بیچ رشتہ داریاں دوستی اور ہمسائیگی پر بھی برے اثرات پڑ چکے ہیں یہ واقع قابل افسوس ہے ہمیں تعلیم جدید یہ درس نہیں دیتی ہے کہ اپنے وطن کے نشانات اور امتیازات کو مٹا دیں ہمارے زندر زندگی کے غلط طور طریقوں کی وجہ سے اس وقت زیادہ جانتے ہیں جو سالہا سال سے ترک وطن کی بے کیف زندگی گزارتے ہیں یا تقدیری بہانے سے بیرون کشمیر رہ بس رہے ہیں کیونکہ خرابی بسیاری کے باوجود جو راحت اور سکون یہاں میسر ہے وہ کہیں اور نہیں حقیقی معنوں میں کشمیر زمین پر جنت ہے اور جس جمالیات کے شیدائیوں نے اسے بجا طور ایشاء کا سوئز

لینڈ خطاب دیا ہے سوئزرلینڈ میں بھی جنت نما نظارے ہیں سہولیات مگر وہ دلنشین فضائیں معتدل آب وہوا اور مسحور کن ماحولیات کہاں۔

کشمیری سماج کا ایک المیہ ہی ہے کہ یہ اپنی شاخت کے بارے میں اتنی سنجیدہ نہیں مثلاً ہمیں اپنی کشمیری زبان میں بات چیت سے احساس کمتری ہو جاتی ہے اور اردو زبان میں لکھنے پڑھنے میں ہتک محسوس ہوتی ہے حالانکہ اس زبان کی آبیاری نندہ ریشی اور لل دید نے کی مگر افسوس یہ اب ریڈیو پروگراموں ٹی وی ڈراموں کچھ کتابوں کے اوراق اور دیہی گھروں تک محدود رہ گئی ہے خط و کتابت تو کشمیری میں نہ ہونے کے برابر ہے جب کہ کشمیری بولنے اور سمجھنے والوں کی آبادی کشمیر کے علاوہ خط چناب یعنی صوبہ جموں کے چند اضلاع کی مادری زبان ہے جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے سکول کالج جانے والی طلبہ طالبات اسکول یکسر نظرانداز کر کے science , commers اور باقی English subjects کو لیا کر اردو سے کھلواڑ کر رہی ہے حال کہ ۱۰۵۰ سال سے اردو زبان سرکاری طور تعسلیم ہے۔

سب مل جل کر عہد کر لیں کہ اس جنت بے نظیر کشمیر کو بدستور رحمت بنائے رکھنے کیلیئے اپنی اپنی انفرادی ذمہ داریاں نبھالیں اور یہ جان لیں کہ کشمیری اقدار وروایات ہمارے لئے باعث رحمت ہیں اور یہیں ہمارا تشخص

☆☆☆☆☆☆

سری نگر۔۔۔۔ یہ رونقیں یہ زینتیں

دیدہ زیب پارکیں پُرکشش باغات

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ کئی ہزار سال قبل شہر سرینگر کو اس وقت کے راجہ پرورسین دوم نے بسایا۔ دوسری روایت کہ مہاراجہ اشوک کے دور میں بسایا گیا۔ اسی زمانے سے یہاں باغات اور پارکین بھی تزئین وآرئش کے لئے معرض وجود میں آتی رہیں۔ شہر خاص کے بعض محلّہ جات کے نام باغوں کے نام سے ہی موسوم ہیں جیسے باغوان پورہ، دیوان باغ، باغ اردات خان، غدوو باغ، نگین باغ دلاور خان وغیرہ ۔امیر کدل کا علاقہ تو نیا نیا اسی صدی میں انسانی بستیوں کے مسکن کے روپ میں اختیار کر گیا۔ یہ قدیم شہر کے نزدیک تھا اس لئے یہاں بھی کافی ثمر دار باغات اور میدان تھے مثلاً مائسمہ باغ، برزلہ باغات، رام باغ، سمندر باغ، مندر باغ، گوگجی باغ، مگھرمل باغ، وزیر باغ، آلوچی باغ، راج باغ وغیرہ نگین باغ وغیرہ تاریخی مقامات جن میں آستان عالیہ مساجد قدیم مناور وغیرہ ہیں کے ساتھ عرصہ سے پارکیں اور باغات منسلک ہیں ڈل جھیل پارکوں باغات اور تاریخی مقامات سے شہر سرینگر کی رونق دو بالا ہوگئی۔ لہذا اگر اس شہر کو باغوں اور پارکوں کا شہر کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ شہر سرینگر کے سڑکوں کے دونوں کنار

کناروں پر جہاں باغات اور پارکیں نظر آتی ہیں وہاں چنار کے قدر آور بھاری بھر کم درخت کچھ کم اس کی زیب وزینت نہیں بڑھاتے۔

ایک طرف سری نگر شہر کو یہ طرہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں فن تعمیر کاریگری اور دست کاریاں شرق وغرب میں مقبول ہیں وہاں دوسری جانب ان پارکوں اور باغوں کی بدولت شہر اتنا خوبصورت اور سج وھج کر رہتا ہے کہ ملکی اور غیر ملکی سیاح یہاں صبر وسکون سے ٹھہرتے ہیں۔ شہر میں داخل ہوتے ہی پاندریٹھن، بٹہ وار، سونہ وار اور گپکار اور پولو گراونڈ تک پھولوں سے لدی پارکوں کے علاوہ دو زائد سو بھاری بھر کم چنار کھڑے ہیں گردو کدل کے شمالی جھیل ڈل میں جزیرہ میں بے شمار چنار ایستادہ ہیں جو جھیل کی شان کو دوبالا کرتے ہیں۔ اس شہر کو سجانے لبھانے میں پولو گراونڈ کا میدان امپوریم گارڈن شیر کشمیر پارک اور گارڈنز اور پارکز کے دفتر کے ساتھ منسلک لمبی چوڑی پارکیں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

۱۹۵۸ میں پوری ریاست میں ۱۴۱۲ ہیکٹر اراضی پر پھیلی پارکیں محکمہ گارڈنز اور پارکس کی تحویل میں تھیں جن میں بیشتر سرینگر میں ہی شمار کی جاتی ہیں کھیل کے میدان مشرق اور مغرب کے درمیان میں مختلف اقسام کے پودوں اور پھول کیاریوں اور چمن زاروں سے سجی سجی گارڈنز پارکز کا احاطہ شہر کا ایک زیور ہے پولو گرونڈ سے مشرق کی جانب شنکر آچاریہ پہاڑی کا منظر شہر کو اور جاذب نظر بناتا ہے چنار کے چھاؤں تلے امر سنگھ کلب

کے نزدیک دو پارکیں ہیں جب کہ شہر کے مرکز میں واقع پرتاب پارک فواروں سے سجائی گئی ہے اس کو نیو کشمیر پارک بھی کہتے ہیں۔

اس کے دونوں جانب مولانا آزاد روڑ کشمیر کی اہم ترین سڑکوں میں شمار ہوتی ہے 25 ہیکٹر رقبے پر پھیلی یہ پارک لانوں چمن زاروں پھول کی کیاریوں اور فواروں سے سجائی گئی ہیں یہاں تھکے ماندے لوگ تفریح کے طور فرصت کے لمحات گزارتے ہیں امیر اکدل کے پار سپورٹس سٹیڈیم کے شمال جانب حضوری باغ جو کبھی بڑ کھلا میدان تھا یہاں کی کھیل پارک اور بڑے حصے کو کئی سال حکومت کی کاوشوں سے بڑی پارک میں تبدیل کیا گیا اس میں قسم قسم کے پھولوں بھری کیاریوں لا اور چمن زار ہیں اس پارک کو 2001ء میں عام لوگوں کیلئے چھوڑا گیا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے نام پر اقبال پارک نام سے موسوم یہ پارک جدید طرز میں تیار کی گئی۔ اس میں تالاب اور فوار بھی لگے ہیں یہ عرصہ تک مختلف سیاسی پارٹیوں کے جلسوں کی جگہ بھی رہی تھی یہ ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے اس جگہ کسی زمانے میں دسہرہ کے موقعہ پر راون اور کنبھ کرن کے پتلے جلائے جاتے تھے یہ پارک ۱۳ ہیکٹر رقبے پر پھیلی ہے اس کے متصل بچوں کیلئے مخصوص پارک ڈیڑھ ہیکٹر اراضی پر پھیلی ہے جواہر نگر علاقے میں ۱۷ چھوٹی پارکیں ہیں نمائش گراونڈ والی پارک ایک سو سال پرانی ہے اس طرح یہ شہر کی نئی پارکوں میں اپنی نوعیت کی ایسی پارک ہے جو منفرد حیثیت رکھتی ہے چالیس سال اس جگہ ستمبر اکتوبر کے مہینوں میں صنعتی نمائش شام کے وقت لگتی۔ نمائشی

پارک بھی اب جدید طرز سے بنائی گئی ہے اس کے چاروں طرف ایسے دکانات ہیں جن میں کشمیری دستکاری مصنوعات بکتی ہیں اس جگہ سیاح سامان کشمیری مصنوعات وغیرہ خریدنے ضرور آتے ہیں سرینگر ائر پورٹ ہمہامہ میں ڈیڑھ ہیکٹر رقبے پر ایک خوبصورت پارک نظر آتی ہے بچھہ پورہ ہاوسنگ کالونی میں ایک ہیکٹر رقبے پر ایک پارک بنوائی گئی ہے صورہ کے نزدیک رہائش پذیروں کی تفریح کیلئے ایک پارک تعمیر کی گئی ہے وزراء اور حکام کی قیام گاہوں کے متصل ۸۰ پارکیں رجسٹرڈ ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۱۷ ہیکٹر ہے۔ سول سیکریٹریٹ کے سامنے کی جگہ ایک دیدہ زیب پارک کی صورت میں نظر آتی ہے۔ جھیل ڈل کے کنارے کوہ سلیمان یا شنکر آچاریہ پہاڑی کے دامن میں گگری بل پارک میں لطف اندوز ہونے کا سامان ہے نہرو پارک کیلئے سڑک سے کشتی (شکاری) کے ذریعے جھیل ڈل جزیرے کی حیثیت سے ڈل میں واقع سونہ لانک کی پارک بھی باعث کشش ہے اسی طرح اسی جھیل میں روپہ لانک ایک تاریخی پارک ہے یہ جگہ ایک جزیرہ کی حیثیت سے چار چناروں کی آماج گاہ ہے اسے چار چناری بھی کہتے ہیں داچھی گام گیسٹ ہاؤس پارک ۷ ہیکٹر زمین پر محیط ہے جب کہ ہارون پارک جو چناروں سے گھری ہے پانچ ہیکٹر رقبہ پر پھیلی ہے پہاڑ کے دامن میں واقع آبی ذخیرہ کے ساتھ یہ پارک زمانہ قدیم سے مقبول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وادی کشمیر میں دلفریبی دلکشی اور رنگینی کا منظر جھیل ڈل کے

پارک بھی اب جدید طرز سے بنائی گئی ہے اس کے چاروں طرف ایسے دکانات ہیں جن میں کشمیری دستکاری مصنوعات بکتی ہیں اس جگہ سیاح سامان کشمیری مصنوعات وغیرہ خریدنے ضرور آتے ہیں سرینگر ائرپورٹ ہمہامہ میں ڈیڑھ ہیکٹر رقبے پر ایک خوبصورت پارک نظر آتی ہے بچھہ پورہ ہاوسنگ کالونی میں ایک ہیکٹر رقبے پر ایک پارک بنوائی گئی ہے صورہ کے نزدیک رہائش پذیروں کی تفریح کیلئے ایک پارک تعمیر کی گئی ہے وزراء اور حکام کی قیام گاہوں کے متصل ۸۰ پارکیں رجسٹرڈ ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۱۷ ہیکٹر ہے۔ سول سیکریٹریٹ کے سامنے کی جگہ ایک دیدہ زیب پارک کی صورت میں نظر آتی ہے۔ جھیل ڈل کے کنارے کوہ سلیمان یا شنکر آچاریہ پہاڑی کے دامن میں گگری بل پارک میں لطف اندوز ہونے کا سامان ہے نہرو پارک کیلئے سڑک سے کشتی (شکاری) کے ذریعے جھیل ڈل جزیرے کی حیثیت سے ڈل میں واقع سونہ لانک کی پارک بھی باعث کشش ہے اسی طرح اسی جھیل میں روپہ لانک ایک تاریخی پارک ہے یہ جگہ ایک جزیرہ کی حیثیت سے چار چناروں کی آماج گاہ ہے اسے چار چناری بھی کہتے ہیں داچھی گام گیسٹ ہاؤس پارک ۷ ہیکٹر زمین پر محیط ہے جب کہ ہارون پارک جو چناروں سے گھری ہے پانچ ہیکٹر رقبہ پر پھیلی ہے پہاڑ کے دامن میں واقع آبی ذخیرہ کے ساتھ یہ پارک زمانہ قدیم سے مقبول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وادی کشمیر میں دلفریبی دلکشی اور رنگینی کا منظر جھیل ڈل کے

ساتھ اس کے کنارے لگی پارکیں اور زبرون پہاڑی سلسلہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے تو بے جانہ ہوگا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں ہاؤس بوٹوں میں اکثر انگریز و دیسی سیاح خوشی اور فخر کے ساتھ ٹھہرتے ہیں اسی علاقہ میں عالمی معیار کا ہوٹل اوبرائے پیلس واقع ہے اب اسے گرینڈ پیلس کا نام دیا گیا ہے چھٹی ساتویں دہائی میں کئی فلموں کی شوٹنگ اس ہوٹل کی سجی سجائی پارکوں میں ہوئی تھی۔ سنطور ہوٹل منفرد انوکھے سے تعمیر کیا گیا ہے کئی اور ہوٹل جھیل ڈل کے کنارے تعمیر کئے گئے ہیں وادی گلپوش میں آنے والا سیاح اگر ہر جگہ نہیں مگر جیل ڈل اور مغل باغات کی سیر ضرور کرتا ہے زبرون پہاڑی سلسلے کے دامن میں جھیل ڈل کے کنارے قسم قسم کے پھولوں سے لدی پارکیں دلکشی کا والہانہ منظر پیش کرتی ہیں شالیمار باغ قدیم زمانے سے مشہور ہے اس باغ کو شہنشاہ جہانگیر نے ۱۶۱۹ء میں بنوایا تھا پھر گورنر ظفر خان نے اس باغ کو وسعت دی اور اسے فیض بخش نام دیا گیا اس باغ کی تین حصوں میں درجہ بندی کی گئی۔ بیرونی باغ کو دیوان عام، درمیانی حصہ کو دیوان خاص اور بالائی حصہ ملکہ کا باغ کہا جاتا تھا دیوان عام لوگوں کے گھومنے پھرنے کیلئے مخصوص تھا جب کی دیوان خاص میں بادشاہ دربار لگاتا تھا بالائی حصہ سب سے زیادہ دلکش اور سج دھج کر رہتا تھا یہ جگہ ملکہ نور جہاں اور اس کی سہیلیوں کے گھومنے پھرنے کے لئے مخصوص تھا یہ جگہ جہانگیر اور نور جہاں کے عشق و محبت کی آماجگاہ کی حیثیت سے بھی معروف ہے پہاڑ سے آئی ندی کا پانی باغ میں ایک نہر کی صورت میں بہتا ہے سبزہ زاروں کے بیچ سرو کے

درختوں میوہ پیڑ اور پانی کے فوارے یہاں ایک زنگارنگی پیدا کرتے ہیں ۱۲۴ہیکٹر رقبہ پر پھیلا یہ شالیمار باغ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے جہاں ہر سال سیاح آتے ہیں۔

اسی باغ کے جنوب میں ڈھائی کلو میٹر دور شہنشاہ جہانگیر نے ہی ۱۶۳۲ء میں باغ نشاط بنایا کہتے ہیں کہ اسے ملکہ جور جہاں کے بھائی آصف خان نے بنوایا یہ نشاط میوہ باغات جھاڑیوں کے جھنڈ اور قسم قسم کے پھول پارکوں پر مشتمل ہے ۲۰ ہیکٹر اراضی پر محیط اس باغ میں بارہ چبوترے ہیں اور باغ کے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر بہتی ہے تالابوں اور فواروں کے ساتھ جھرنوں سے نیلے آکاش تلے سرسبز شاداب باغ کے سامنے جھیل ڈل نظر آتا ہے پورے باغ میں چلنے پھرنے کیلئے لان نظر آتے ہیں شاہ جہاں کے دور حکومت میں علی مردان کا ۱۶۴۲ء میں بنایا ''چشمہ شاہی'' نام کا باغ جھیل ڈل کے کنارے جنوب جانب دو کلومیٹر دور پہاڑی ڈھلوان پر واقع ہے اس جگہ کو جاذب نظر بنانے اور خوبصورتی بخشے برقرار رکھنے کیلئے کم ہی لوگوں کو گھومنے پھرنے کی اجازت ہے اوپری چبوترے کے پاس صرف چمکدار ٹھنڈے اور معدنی اجزاء سے بھرپور چشمہ زمانہ قدیم سے مشہور رہا ہے اس جگہ سے پانی کی نہر نکل کر باغ کے نیچوں بیچ گذرتی ہے پھولوں کی کیاریوں اور سبزہ زار کے درمیان فوارے اور جھرنے یہاں دل کو لبھاتے ہیں یہاں جھیل ڈل سے برابر باغ تک خوبصورت سڑک تعمیر ہے۔

شنکر آچاریہ پہاڑی جسے تخت سلیمان بھی کہتے ہیں تک گگری بل سے بل کھاتی ہ

ہوئی سڑک بنائی گئی ہے بیس سال پہلے تک لوگ پیدل جایا کرتے تھے اب سڑک کے بنائے جانے سے ٹیکسی اوپر تک جاسکتی ہے یہاں ایک پارک زمانہ قدیم میں تھی جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ منہدم ہوئی ہے اس کے مشرق میں زبرون پہاڑ کی آغوش میں واقع پری محل مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دور کی یاد دلاتا ہے اس کے فرزند دارا شکوہ نے اپنے استاد پیر ملا شاہ کیلئے بنوایا تھا سات چبوتروں والا باغ یہاں موجود ہے یہ جگہ ۲۷۳ ہیکٹر پر پھیلا ہوا ہے یہاں سے جھیل ڈل اور شہر کے نچلے حصے کا بخوبی نظارہ کیا جاسکتا ہے چشمہ شاہی متصل مختلف ادویاتی پودے اگتے ہیں ۱۹۶۹ء میں اس جگہ ایک اور بڑی پارک کو وسعت دی گئی جسے ۸۰ ہیکٹر رقبے تک پھیلا گیا ہے اس کو جواہر لعل نہرو میموریل باٹنیکل گارڈن کا نام دیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی ایک اور پھولوں کی پارک بنائی گئی ہے جو دنیا بھر میں ٹولپ گارڈن کے نام سے مقبول ہو چکی ہے حضرت بل کے آستان عالیہ کے مشرق کی طرف جھیل ڈل کنارے اور مغرب کی طرف دیدہ زیب پارکیں نظر آتی ہیں نسیم باغ میں چناروں کا باغ اور جھیل ڈل کے کنارے بھی لوگوں کو اپنی اور متوجہ کرتی ہے کشمیر یونیوسٹی کیمپس میں دیدہ زیب پارکیں ہیں جامع مسجد سرینگر کے اندر صحن اور جنوب کی جانب کبھی چھوٹی مسلم پارک نظر آتی تھی۔

ان باغوں اور پارکوں کے علاوہ بھی سرینگر کے مختلف مقامات اور سرکاری اداروں کے ساتھ منسلک پارکیں ہیں مولانا آزاد اور روڑ کے کنارے گرڈو کدل کے ساتھ

پولو گراؤنڈ کی وسیع اور کھلی پارک وزراء اور شائقین کیلئے پولو کھیلنے کیلئے مخصوص ہے یہ ایک تواریخی پارک ہے جہاں راجے مہاراجے اور انگریز حکام پولو کھیلنے کیلئے آتے تھے اس کے علاوہ ہوٹل سنطور کے سامنے رائیل سپرنکس گالف کورس نام سے بنایا گیا پولو گروانڈ اپنی مثال آپ ہے۔

ٹورسٹ سنٹر، ٹیلی ویژن سنٹر، ایس پی کالج، دومنز کالج، امر سنگھ کالج، گاندھی کالج، اور بسکو میموریل سکول کے علاوہ دیگر تعلیمی اداروں کے گردونواح بھی پارکیں سجائی گئی ہیں لال منڈی پارک میں پہلے لوگوں کا رش رہتا تھا جب لوگ عجائب گھر دیکھنے آتے تھے اس جگہ کا باغ تفریح کا باعث تھا نجی طور کچھ صاحب ثروت اصحاب نے بھی پارکیں اور باغات کو نئے سرے سے بنایا ہے وسیع رقبہ پر پھیلے عیدگاہ سری نگر میں بھی ایک پارک زیر تعمیر ہے لاتعداد پارکوں اور باغوں کی موجودگی شہر سرینگر کے حسن وزیبائش میں کافی بڑھاوا دیتے ہیں ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھنے میں یہ سرسبز میدان خاصی اہمیت رکھتے ہیں ان پارکوں کی بدولت ماضی سے ہی ملکی اور غیر ملکی سیاح سرینگر آتے ہیں اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان پارکوں اور باغات کی ہیت کو برقرار رکھا جائے موجودہ دور میں جہاں ہر طرف بڑے بڑے شاپنگ کمپلیکس تعمیر ہو رہے ہیں ان پارکوں کی اہمیت اور ضرورت کو مدنظر رکھ کر ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔

☆☆☆☆☆

شاہورہ کی تاریخی اہمیت

قدیم زمانہ سے ہی وادی کشمیر دو بڑے حصوں میں منقسم چلی آئی ہے کمراز اور مراز جو سنسکرت کے الفاظ کرم راجیہ اور مدرراجیہ سے لئے گئے ہیں۔ جن کا ذکر راج ترنگنی اور بعد کی تاریخ کشمیر میں جا بجا ملتا ہے مراز میں وہ اضلاع شامل ہیں جو سرینگر سے اوپر وتشتہ (دریا جہلم) کے دونوں اطراف پھیلے ہیں اس میں ضلع بڈگام کا کچھ علاقہ ضلع پلوامہ شوپیان کولگام اور انت ناگ (اسلام آباد) ہے۔ مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زیر انتظام ملک کشمیر 38 پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تھا مصدقہ روایت کے تحت سرینگر کو یمراز بھی کہتے ہیں جو یمراج لفظ کا بدل ہے اس طرح وادی کشمیر تین حصوں کمراز، یمراز اور مراز میں منقسم تھی کمراز میں سرینگر کے شمال و مغرب ضلع گاندربل، بانڈی پورہ، بارہمولہ اور کپواڑہ کے علاوہ ضلع بڈگام کا مغربی حصہ بشمول بیروہ آتے ہیں مختلف دور گذرے گئے مگر ان تین مراکز اور وابستہ پرگنوں کے ناموں اور وابستہ گاؤں میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

چھ باغس جانور بولان مگر آواز چھکھ بیون بیون

یہندس آلوس یارب اثر یکسان پیدا کر
ولوہا باغوانو نو بہارك شان پیدا کر
پھلن گل کتھ کرن بلبل تتھی سامان پیدا کر
(شاعر کشمیر پیرزادہ غلام احمد مہجور)

مراز سے وابستہ ایک پر گنے کا نام شارہ ہے جو بدل کر شاہورہ بن گیا قصبہ پلوامہ کے جنوب میں واقع اس پر گنے کا تذکرہ راج ترنگنی اور دیگر تو راپخی کتابوں میں ملتا ہے راج ترنگنی کے فٹ نوٹ پر آیا ہے شکرو کے مشرق میں دریائے وتسٹہ (جہلم) کی طرف پر گنہ شاورہ (نقشہ میں شورادکھایا ہے) پھیلا ہوا ہے اس کے شمالی حصہ میں وہ دریائی سطح مرتفع واقعہ ہے جس کا نام نونگرا اور شہر ہے جیسا کہ راج ترنگنی کے ترنگ کے شلوک 358 سے واضح ہوتا ہے اس کا نام کلہن کی راج ترنگنی میں وہ جگہ نونکر آیا ہے موضع پائر اس سطح مرتفع کے شمال مغربی سرے کے دامن میں ہے ایک چھوٹا مندر عمدہ حالت میں موجود ہے جس کا حال اکثر یورپین سیاحوں نے لکھا ہے اہل یورپ کے جملہ تذکرات میں اس جگہ کا نام پایچ آیا ہے شکرو قدیم زمانے میں اس علاقے کو کہتے تھے کہ ذجن (پیر پنچال) کے قدیم راستے سے ہو کر شادی مرگ اور آگے راموتک کا علاقہ تھا اور شکرو کے شمال میں علاقہ چھیراٹ آتا ہے جو راموہ کے کریوا سے شمال مشرق سمیت دریائے وتسٹہ (جہلم) کے بائیں کنارے تک پھیلا ہوا

ہے۔

تاریخ حسن حصہ اول فارسی صفحہ نمبر 92 پر لکھا ہے ''کرایوہ نونگری واقع در پرگنہ چھراٹ وشادرہ بارہ میل لمبائی اور دو میل چوڑائی (سطح زمین سے بلند کرایواہ) راجہ گل کندر کے دور میں نونکر نام کا شہر آباد تھا اسی کتاب کے صفحہ 137 پر درج ہے ''نیلہ ناگ متصل لتر اگلر پرگنہ شادرہ زیر دامن کریواہ نہایت مرغولبست'' اصل میں یہ چشمہ رنبی آرہ کے پار ہف شرمال جنوب طرف کریواہ کے درمیان واقع ہے اسی کتاب کے صفحہ نمبر 140 پر لکھا ''خود رنبی آرہ میان پرگنہ شادرہ می گذرو مزرو حالت باسیرات کردہ مریہ نائینہ بارو دویشو شال گردد اسی کتاب میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ کا 801ھ میں موضع وچی پرگنہ شادرہ میں خانقاہ آباد کرنے اور پرگنہ آڈون کے مغرب میں شکرو کا پرگنہ واقع ہونے اور اسی سمت سے نالہ رنبی آرہ اپرگنہ شادرہ کے درمیان سے گذر کر دیہات کو سیراب کرنے کا تذکرہ ملتا ہے وہیں خلاصہ التواریخ میں آیا ہے کہ ''حضرت امیر کبیر رحمتہ اللہ علیہ'' نے مصرف و معیشت خادمان و مجاوران خانقاہ اور مسافروں و مطبخ کیلئے ایک لعل گراں بہا کت حوض جو آپ ہمراہ لائے تھے سلطان سے تین گاؤں کے محاصل بطریق جاگیر علی الدوام مقرر کرائے یہ گاؤں وچی پرگنہ شادرہ نونہ دنی پرگنہ مارتنڈ اور ترال پرگنہ اولر ہیں چنانچہ سکھ عہد حکومت تک مجاوران خانقاہ امیران گاؤں پر متصرف تھے ایک اور تاریخی کتاب میں علاقہ شاہورہ (پرگنہ شادرہ) کی زرخیز زمین اور آمدنی کا

اسطرح تذکرہ آیا ہے "ڈوگرہ عہد میں پرگنہ شادرہ پنڈت سہج رام کے ماتحت تھا اور اسکے ساتھ 38 گاؤں منسلک تھے اور اس عہد میں یہاں سے سالانہ 13133 روپیہ نقدی اور 19683 خروار دھاں جنس کی صورت میں حکومت کو آمدنی حاصل تھی علاقہ شاہورہ کی سب سے بڑی شاخت اگر نالہ رنبی آرہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسکے شمالی کنارے پر شیجہ پورہ آہگام سے لیکر لاسی پورہ، پنجرن، پتی پورہ، اچھن، نیکلورہ، لیتر، رکھ ، نائینہ اور جنوبی کنارے پر چلی پورہ، سوگن، ہف، شرمال اگلر، صفا نگر، زاہد باغ، وچی اور میلہورہ اسی شاہورہ علاقہ کے ساتھ وابستہ گاؤں شمار ہوتے ہیں دیگر بیشتر دیہات کا تذکرہ کئی تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔

علاقہ شاہورہ کی علحیدہ تاریخی اہمیت اور جداگانہ جغرافیائی خدوخال کے پیش نظر مقامی نامور شاعر غلام نبی ظہور نے منظوم کشمیری "تواریخ شاہورہ" کو تحریر کیا۔ علاقہ کے ذی عزت معتبر اصحاب، سماجی شخصیات، دانشوروں، اساتذہ اور قلمکاروں کے علاوہ تاریخ شناسوں اور محکمہ مال آفیسران سے سے متعدد بار نشستیں کر کے تمام گاؤں کی کیفیات جمع کیں تواریخ شاہورہ" میں گاؤں کی وجہ تسمیہ، تاریخی اہمیت، مذہبی مقامات تعداد خانہ آبادی اور رقبہ کے علاوہ اہم واقعات نظم کی زبان میں بیان کئے گئے ہیں انکے مارچ 1982ء کی رحلت کے بعد باقی تمام دیہات کا تذکرہ اس تاریخ میں نہ آیا۔ اس غیر مطبوعہ کتاب میں مرحوم ظہور علاقہ شاہورہ کو 24 پٹواری حلقہ جات کا علاقہ قرار دیا

ہے ان حلقوں سے وابستہ گاؤں کی تعداد ایک سو کے قریب ہے پٹواری حلقہ جات کے نام یوں ہیں بونرہ، آری ہل، ترچھل، ٹھاب، شیخہ پورہ، چندگام، نونگری، پالہ پورہ، نو پورہ، پائین اچھن، سوگن، ہف شرمال، زینہ پورہ، پنجگام، ڈگری پورہ، ٹوکنہ، ریشی پورہ، گھاٹ، ملنگ پورہ، اور پدگام پورہ۔) پائر

تلان ہر رنگ زمانس سیتی بلبل دیور چھی پوشن،
اما گری پہرے پیدا سپزی بازار شاہورس
نظر کر دارہ کم کم گام اتھ منز باگہ آمتی چھی
پنن دفترژ سجاوتھ الگ دربار شاہورس
(شاعر غلام نبی ظہور)

مختلف قدیم کتابوں اور تاریخی حوالہ جات سے پرگنہ شادرہ (علاقہ شاہورہ) کی اصل صورت حال سامنے آتی ہے یہ وسیع گنجان آبادی علاقہ اپنے اندر زرعی زمین میوہ باغات نرسریاں نمبل ندیاں چشمے میدان کریواہ، ٹیلے راستے اور بستیاں سموئے ہوئے ہے اسکا مشاہدہ کریواہ نونگری کی بلندی پر بھی دوربین سے کیا جا سکتا ہے اس طرح علاقہ شاہورہ شمالی طرف پلوامہ قصبہ سے ہی شروع ہو کر شوپیان سڑک کے مغرب طرف درسو سے لیکر آری ہل شیخہ پورہ اور مشرق طرف مڑ کر نالہ رنبی آرہ سمیت اسطرف گاؤں بیرہ پورہ، نو پورہ بالا، چڈرن اور نالہ رنبی آرہ کے پار سوگن چترا گام زینہ پورہ کریواہ سے وچی

پھر میلہ ہورہ جہاں نالہ پھر میلہ ہورہ جہاں نالہ رنبی آرہ کے ساتھ جنوب سے آیا نالہ ویشو ملتا ہے اور آگے شمال کو نائینہ بٹہ پورہ پل سے ہو کے دریائے جہلم کے کنارے سنگم کے قریب کاونی تک آتا ہے شمال سے ہی بڑھ کر ڈوگری پورہ تا پدگام پورہ سے لیکر ملنگ پورہ تک آتا ہے۔ پلوامہ سڑک تک کے جنوبی حصے کے گاؤں میں شاہورہ میں شمار ہوتے آئے ہیں اس میں گوری پورہ اور کوئل کریواہ کا جنوبی حصہ بشمول بانڈر پورہ، وکھر ون بدر ون، پایر، ٹینگہ پونہ اور رنگہ مولہ بھی شامل ہے اسی درمیاں میں سے پلوامہ سے جنوب نکلنے والی سڑک سے بھی علاقہ شاہورہ شمار ہوتی ہے پلوامہ سے 5 کلومیٹر دور ٹہاب سے مشرق جانب چکورہ کے راستے نائینہ تک 13 کلومیٹر فاصلہ ہے وہیں ٹہاب سے جنوب کی طرف سڑک لاسی پورہ سے مشرق طرف مڑ کر لتر ششطر سے پہنچ کر آگے نائینہ کے مقام پر اسی سڑک سے جڑ جاتی ہے جو تقریباً 16 کلومیٹر فاصلہ ہے لاسی پورہ اچھن سے ہو کے ایک رابط سڑک حاجی ڈار پورہ کے مقام پر اسی سڑک ملتی ہے۔ نائینہ موڑ سے سنگم (قومی شاہراہ تک) دو کلومیٹر کا فاصلہ ہے وہیں نائینہ پل سے اسی سڑک سے پدگام پورہ سے آئی سڑک جڑ جاتی ہے اچھن کی جگہ رنبی آرہ پر بنے پل کے پار سڑک ہف شرمال کے مشرق جانب ایک طرف زینہ پورہ جاتی ہے اور اسی سڑک سے شاخ اگلر کی جگہ پل کے پار لتر ششطر سڑک کے ساتھ جاملتی ہے ہف شرمال سے مغرب جانب سڑک سوگن سے آگے شوپیان اور دوسرا راستہ چترا گام کے مقام پر شوپیان زینہ پورہ سڑک کے ساتھ

جڑ جاتا ہے لیتر نائینہ سڑک پر پل کے پار وچی سے ہو کے رابطہ سڑک کے علاوہ بٹہ پورہ
نائینہ پل کے پار میلہورہ کو رابطہ سڑک جاتی ہے لاسی پورہ کے مغرب طرف سڑک آری ہل
اور آگے کھامبری کے پاس پلوامہ شوپیان سڑک سے جڑ جاتی ہے لاسی پورہ موڑ سے
مغرب طرف نالہ رنبی آرہ کنارے کنارے چڈرن بالانو پورہ سے ہو کے شیخہ پورہ پہنچ کر
آری ہل میں پہلی والی سڑک سے ملتی ہے۔ 1982ء کے بعد لاسی پورہ کے جنوب
جانب انڈسٹریل کیمپلیکس کے وجود میں آنے سے کارخانے وجود میں آتے گئے اور لمبے
کھلے پتھریلے رقبے پر سڑکوں کا جال پھیلتا گیا سالہا سال کے بعد نالہ رنبی آرہ پر لمبا پل
2013ء میں ٹریفک کیلئے چھوڑا گیا اسطرف کی سڑک ترکہ وانگام کے مغرب کی جانب
شوپیان اور جنوب جانب ناگہ بل کے مقام پر شوپیان چترا گام زینہ پورہ سڑک کے
ساتھ جڑ جاتی ہے ٹہاب سے مغرب جانب نائرہ سے ہو کے بنڈزو کے قریب پلوامہ
شوپیان سڑک سے ملتی ہے وہیں ٹہاب سے مشرق شمال جانب پائز سے ہو کے قصبہ
پلوامہ پہنچ جاتی ہے لتر شششظر سے چکورہ رابطہ سڑک چکورہ سے یہی پنجگام سے ملنگ پورہ
سڑک سے دوسرا راستہ ملتا ہے اس طرح ضلع پلوامہ کا علاقہ شاہورہ سڑکوں کے ذریعے
مختلف دیہاتوں کو جوڑ دیتا ہے جغرافیائی خدوخال تاریخی اعتباریت اور دیگر امورات میں
شاہورہ کیا الگ پہچان ہے لوگوں کے مطالبا پر لتر شاہورہ تحصیل بنایا گیا۔ اور لاسی پورہ کو
نیابت کا درجہ ملا اس وقت علاقہ شاہورہ تین اسمبلی حلقوں وچی پلوامہ اور ر

راجپور میں شامل ہے۔علاقہ شاہورہ کوجغرافیائی خدوخال تاریخی اعتبار اور راستوں کے جوڑ کے حساب سے اسمبلی حلقہ جات پلوامہ اور راجپورہ سے ایسے گاؤں علیحدہ کئے جائیں جو اصولی طور شاہورہ سے وابستہ ہیں اس ضمن میں شاہوہ اسمبلی حلقہ وجود میں لاکر ان کوشامل کیا جائے۔نئی حد بندی کے تحت۔

اہلیان شاہورہ کے نام:

زندگی میں جب ہی کھبی پیارا ہوا اپنا وطن
بلبلوں سے کیوں رہے نا آشنا اب یہ چمن
بولتے ہی جا رہے ہیں گر یہاں جو جانور
مل کے چاہئے بولنا اسطرح سے اٹھ بیٹھ کر
(شاعروطن غلام نبی ظہور)



ریاست جموں وکشمیر ایک نظر میں

خدوداربع :۔ مشرق میں تبت چین۔شمال میں چین مغرب شمال میں افغانستان ۔روس
مغرب میں پاکستان جنوب میں ہماچل پردیش۔ پنجاب

رقبہ:۔ ۲۲۲۲۳۶ مربع کلومیٹر

واقع:۔ ۳۲٫۱۵ ڈگری شمالی عرض بعداور ۳۷٫۰۵ ڈگری شمالی عرض بلد اور ۷۲٫۳۵ ڈگری
اور ۸۳٫۲۰ ڈگری مشرقی طوبلد پر

کل رقبہ کا:۔ پاکستان کے زیر قبضہ ۷۸۱۱۴ مربع کلومیٹر
پاکستان کی طرف سے چین کو زیر قبضہ ۵۱۸۰ مربع کلومیٹر
اور چین کے زیر قبضہ لداخ سے علاقہ ۳۷۵۵۵ مربع کلومیٹر

خطے :۔ تین (جموں۔کشمیر۔لداخ)

ضلع :۔۲۲ جموں۔سانبہ۔کھٹوعہ۔اُودھم پورہ۔ریاسی۔پونچھ۔راجوری۔رام بن۔کشتواڑ۔ڈوڈہ۔
اننت ناگ۔کولگام۔شوپیان۔پلوامہ۔بڈگام۔بارہمولہ۔کپواڑہ۔بانڈی پورہ۔
سرینگر۔گاندربل۔کرگل۔لیہہ

قصبہ جات :۔ ۷۵

دیہات :۔ ۶۷۵۸

اسمبلی حلقے :۔ ۸۷ (اس کے علاوہ پاکستان کے زقبضہ آزاد کشمیر کیلئے ۲۵ اسمبلی سٹیں مخصوص ہیں)

قانون ساز کونسل :۔ ۳۶ اراکین

بھارتی پارلمنٹ میں نمائیدگی :۔۶ لوک سبھا سٹیں جموں،اودھم پور۔اننت ناگ
سرینگر۔بارہمولہ۔لداخ

۴راجیہ سبھا نشتیں

راجدھانی :۔ سرینگر میں مئی سے اکتوبر

جموں میں نومبر سے اپریل

رقبہ کے لحاظ سے بڑا بلاک :۔ نیوما (ضلع لیہہ)

رقبہ کے لحاظ سے بڑا گاؤں :۔ چھچھوت (ضلع لیہہ)

آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ضلع :۔ ضلع کرگل جکی ۲۰۰۱ کی مردم شماری ۱۱۵۲۲۷ نفوس ہے۔

۲۰۱۱ کے مطابق آبادی :۔ مرد :۔۶۶۶۵۵۶۱

عورتیں :۔۵۸۸۳۳۶۵

کُل :۔۱۰۰۶۹۹۱۷ نفوس

رقبہ کے لحاظ سے بڑا ضلع :۔ ضلع لیہہ ۸۲۶۶۵ مربع کلومیٹر خالص موجود قبضہ

رقبہ کے لحاظ سے چھوٹا ضلع :۔ ضلع سرینگر

زریاست میں شرح خواندگی :۔ ۶۸٫۷۴ مطابق ۲۰۱۱

ضلع جموں ۲۰۱۱ کے مطابق :۔ ۸۳٫۹۸ فیصد ہے۔

شرح خواندگی میں بچھڑا ضلع :۔ ضلع رام بن ۵۶٫۹۰ فیصد ۲۰۱۱ کے مطابق

زبانیں بولی جاتی ہیں۔ :۔ کشمیری ڈوگری ،اُردو، پنجابی، گوجری، پہاڑی

بودھی۔ بلتی، پُرکھی، شنا۔ تبتی۔ پستو۔

سرکاری زبان اردو

ریاست کا قومی درخت :۔ چنار

ریاستی پھول :۔ کنول

ریاستی جانور :۔ ہانگل

پٹن کی تاریخی اہمیت

سرینگر کے جنوب جانب ۲۷ کلومیٹر دورہ سرینگر بارہمولہ مظفر آباد شاہراہ کے دونوں جانب آباد پٹن زمانہ قدیم سے مقبول رہا ہے۔اسی مقام سے سالہا سال سے باہمولہ، اوڑی، سوپوہ، ہندواڑ اور کپواڑہ کیلئے تمام قسم کا ٹرلفیک گذرتا ہے اسطرح سرینگر مظفر آباد شاہراہ پرواقصہ قصبہ پٹن دو اصنلاع بارہمولہ اور کپواڑہ کا GATE WAY ہے۔۱۹۸۱ء میں اسے تحصیل صدر مقام کا درجہ دیا گیا۔۹۳ دیہات پر مشتمل تحصیل پٹن اس وجہ سے حساس منا جاتا ہے کہ یہاں بشیتر فوجی چھاونیاں ہیں جو ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب دُور میں معرض وجود میں آ گیں۔

پٹن کی خاص تاریخی اہمیت اسطرح ہے کہ راج ترنگنی میں اسے شنکر پور نام دیا گیا جسے راجہ شنکر ودمن نے اپنے دور حکومت ۹۰۲۔۸۸۳ء میں اپنے نام پر آباد کیا جبکہ اس سے پہلے اسکا نام پنجا ستر تھا۔اُس راجہ اور اُسکی بیوی سوگندایہ نے اِس جگہ شنکر گوریش اور سوگندیش نام کے دو مندر تعمیر کئے۔راجہ کے وزیرا تناوردنن نے رتن وردنیش نام کا ایک اور مندر تعمیر کیا۔قدیم کھنڈرات کے مغرب میں سوگز دور چھوٹا مندر ہے قصبہ کے شمال میں گاشی پورہ میں دو خاص پتھروں کے کھمبے تھے۔لوگ اُسے گرمٹھ کہتے ہیں۔تاریخ حسن میں آیا ہے کہ اسی جگہ قدیم زمانے کے کچھ دُکانات تھے شنکر پورہ قصبہ کے متعلق یہ بتانا ضروری

ہے کہ راجہ شنکرورمن نے پری ہاس پورہ (پرس پورہ میں تعمیرات کو ڈھادیا اور قیمتی اچھی نوروات لاکر اس جگہ کی شان بڑھانے کیلئے استعمال کیں۔ ابوالفغل نے اس کا ذکر ایک پرگنی کے طور پر کیا ہے۔ ۱۵۵۷ء میں غازی شاہ اور شاہ ابولمعالی کے فوج کے درمیان پٹن میں جنگ ہوئی۔ شاہ ابوالمعالی نے شکست کھائی اور کشمیر سے بھاگ گیا۔

رام چند کاک لکھتے ہیں کہ پرانے زمانے میں پٹن کو شنکر پٹنی نام سے پکارتے تھے۔

قصبہ میں گوری شنکر مند کی احاط نبدی کی گئی اور خوبصورت دیدہ زیب پارک سے سجایا گیا ہے۔ یہ جگہ پرکشش ہے پتھروں کے یہی آثار پٹن کی شناخت ہیں ۳۷ء۴۷ طول بلد اور ۳۴ عرض کا بد کے درمیان اس قصبہ کی مرکزی حثیت حاصل ہے۔ قصبہ کافی گنجان ہے اور چاروں طرف پھیلتا جا رہا ہے۔ بازاروں اور تجارت کی وجہ سے قصبہ پٹن کافی مصروف نظر آتا ہے۔ قصبہ کے مغربی حصےّ میں چشمہ جو واقع ہے وہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے مسلمان ناگ اور سکھوں کا ناگ سے اسے پکارتے ہیں۔ یہاں حضرت زندہ شاہ صاحب کا آستان ہے ۱۹۴۷ء کے واقعات میں پٹن کافی اثر انداز ہوا اور تب سے گردونواج فوجی بارکیں تعمیر ہوئیں۔ یہ فوجی کالونیوں میں علاقہ نظر آتا ہے۔



صاحب کتاب کالداخ سے تبدیل ہو کر ادھر پوسٹنگ ہوئی اور تحصیل انفارمیشن آفیسر کے طور دو سال ڈیوٹی رہی۔

مراز کا جغرافیائی خدوخال

کشمیر کا جنوبی حصّہ جو کہ قدیم زمانہ سے مراز نام سے مقبول ہے اس وقت یہ ۵۲۸۲ مربع میلوں پر پھلا ہوا ہے اس وقت یہ چار ضلعوں اسلام آباد (اننت ناگ) کولگام، شوپیان اور پلوامہ پر مشتمل ہے البتہ پاپنور کے مغرب جانب ضلع بڈگام کا کچھ حصّہ بھی مراز ہی مانا جاتا ہے۔ جو کہ وادی کشمیر کا جنوب مغربی حصّہ مانا جاتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے مراز (جنوبی کشمیر) ۲۹ء۳۳ ڈگری سے ۱۵ء۳۴ ڈگری شمالی عرض بلد پر اور ۳۰ء۷۴ ڈگری سے ۳ء۷۵ ڈگری مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔

مزار کا محلا وقوع یہ ہے شمالی مشرق جانب ضلع کرگل، شمالی کی طرف ضلع گاندربل ،شمالی مغرب کی طرف ضلع سرینگر اور ضلع بڈگام کا باقی حصّہ واقع ہے مشرق کی جانب ضلع کتتواڑ، جنوب مشرقی کی طرف ضلع ڈُوڈہ جنوب کی جانب ضلع رام بن، راجوری اور ویاسی جب کہ مغرب کی طرف ضلع پونچھ واقع ہے۔ جنوب مغرب کی جانب ضلع راجوری واقع ہے

مراز کے گرد و نواح بلند قامت کوسہار گھنے جنگل واقع ہیں

پیر پنچال پہاڑ کا لمبا سلسلہ نظر آتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی سطح سمندر سے ۴۴۳۸

سے ۴۵۳۸ میٹروں تک آتا ہے اونچے پہاڑوں میں کوتربال، ہون ہنیگ، مشرقی جائب سمتھن ٹاپ مرگن ٹاپ، مشرقی جائب مہاگنس ٹاپ اور لیش ٹاپ شامل ہے شوپیان سے آگے ہورہ پورہ مغل روڑ کے راستے بلندی پر مشہور ومقبول چراگاہ رائے نیوآئی ہے جموں سے آکر جواہر ٹنل کو پار کرتے ہوئے نظر اٹھتی ہے تو سارا مراز ایک گولائی والا پیالہ دکھائی دیتا ہے جس کے دائیں بائیں سطح مرتفع دکھائی دیتے ہیں جن کو کشمیری میں وڈُرہ کہتے ہیں۔ وڈریغی کریوا میں قاضی گنڈ، مٹن، زین پورہ، شوپیان، یاری پور، فرصل، کولگام، اسلام آباد ترال، منلگ پورہ نونگری، پاپنور، چنہ وڈر، دچھنی پور، روہمو وڈر، اا گلرو ڈر شامل ہیں۔ ان کریوا پر میوہ سیب کہیں کہیں بادام اوا اخروٹ کے درختان ملتے ہیں خشک فصلوں کی کاشت ہوئی ہے پاپنور کریو پر کیسر یعنی زعفران کی کاشت ہوتی ہے اعلیٰ امعیار کی دعفران دینا بھر میں مقبول ہے۔

مراز کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ کھر و اسلام آباد میں گندھک کان عیش مقام مین تابنے کی کان برآمد ہو چکی ہے مورخ پیرزادہ غلام حسن شاہ گھو یہامی کے مطابق مراز میں لوہے کی کان برآمد ہو چکی ہے۔

مراز تو سطح سمندر سے ۷۰۰ امٹ بلندی پر واقع ہے اس کا آب و ہوا معتدل اور فرحت بخش ہے موسم گرما میں قدرے گرمی اور موسم سرما میں ٹھنڈی رہتی ہے برف بھاری

ہوتی ہے۔

مراز کے دیہات کی تعداد ۱۱۵۴ ہے ۲۰۰۵ کے مطابق سڑکوں کی لمبائی ۱۹۷۵ کلو میٹر ہے جس پر باضابطہ طور ٹریفک چلتا ہے۔

دریائے جہلم بے شمار ندی نالے کا منبع ویری ناگ مانا جاتا ہے ویری ناگ چشمہ سے پانی نکلتا ہے برارہ پہاڑ کے گلشیر سےساندن آکر شاہ آباد کے چشموں کا پانی ملتا۔ہے میر دانتر کی جگہ برنگی نالہ ملتا ہے امرناتھ اور شیش ناگ پہاڑ کا گلشیر پانی نالہ لیدر آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ملتا ہے وہیں برنگی نالہ اور آرہ پتھ اسلام آباد کے آس پاس ملتے ہیں نالہ ویشو تو کولنسر ناگ سے آیا ہوا ضلع کولگام سے تو سیراب کرتے ہوئے آگئے کٹھدونی سے گذر کر میلہورہ کے آس پاس نالہ ربنی آرہ سے جاملتا ہے دریائے ویشو سے ٹونگر کول (ندی) سونہ منن کول، ماوکول، بھان لادلایس اور کانڈے ندیوں کی شاخیں مختلف دیہات سے گذرتی ہیں۔ نالہ ویشو تو اہرہ بل سے لیکر برابر کمیوہ تک جغرافیائی خدو خال میں نیا انداز نکھار حُسن و جمال دھار کریتی ہے اس کا تذکرہ قدیم فارسی اور راج ترنگی (کلہن) میں آیا ہے۔

نالہ ربنی آرہ تو کشمیر میں طوفانی ندی کے طور مقبول ہے اسکی لمبائی ۵۰ کلو میٹر ہے اکثر جگہوں پر چوڑائی تین کلو میٹر ہے تیبتر شعراء نے اس نالہ کے متعلق شعر باندھے ہیں اس نالے کی عجیب حیران کن کہانی پنڈت کلہن کی راج ترنگتی میں بڑے چاؤ سے آئی

ہے۔اس نالے کا منبع پیر پنچال کوسہار سلسلہ کے بلند قامت پر چندن سر اور نندن سر گلشیر تالاب سے رواں پانی ہے ربی آرہ کی بڑی شاخ چوگام شوپیان سے آگے نکل کر علاقہ شاہورہ کے درمیان سے میلہورہ سنگم تک ۳۵ کلومیٹر کا فاصلہ آتا ہے۔اسکی شاخین سن گول اور نوٹ اس کے علاوہ آڑہ کول نالہ ساسی ، نالہ وانکرن اور سلر کول اسی سے نکلی شاخیس ہیں۔

نالہ ربی آرہ تو ویشو سے مل کر آگے کاونی سنگم کے پاس مشرق سے آئے دریائے جہلم سے ملتا ہے نالہ رومشی کیلر کے یارون پہاڑی سلسلے سے ہو کر آگے روہموہ سے ہو کر کاکہ پورہ میں دریائے جہلم سے جاملتا ہے اس میں سے چھوٹی چھوٹی ندناں نکل کر چھراٹ کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔روشی کا مبع تو یوسمرگ کا گلشیر ہے ادھر سے ہی اسکا پانی دودھ گنگا اور کانہ ہوم ندی کے ساتھ جاملتا ہے۔

مشی کول تو پکھر پورہ سے ہوئے چرار شریف قصبہ تک پہنچتی ہے خام پور سے خامشی کول گذرتی ہے۔ترال کے گلیشروں سے ہو کر نالہ آری پل آ کر آگے بہہ کر دریا ئے جہلم میں ملتا۔

مختلف نالوں اور دریائے جہلم سے نہروں کی تعمیر سے بھی مراز کے جغرافیائی خدوخال میں

کہ نشیب سے بلندی کیطرف پانی رواں ہے یہ پرگنہ کھٹور پورہ کی زمینوں کو سیراب کرتی۔
سونہ منن کول تو یاری پورہ سے مٹری بگ گاؤں سے ہو کے پاری پورہ کریوا کی طرف پڑھائی گئی ہے آگے گاؤں میں ۱۵۰ فٹ جھرنا پانی کی چادر کی شکل میں آبشار بنا کر گرتا ہے یہ نظارہ دیکھنے لائق ہے آگے یہی پانی تین نہروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک نہر زینہ پورہ جاتی ہے دوسری نہر کوکر گنڈ سے نکل کر فرصل کریوا کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔ تیسری نہر فرصل سے شرہ پورہ ہو کر اختتام پذیر ہوئی ہے زینہ پورہ نہر تو سن آڑون پرگنہ کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہ ایک رجسٹرڈ کنال ہے۔ ایک اور کنال لالیس ہے۔ یہ لالیس سے ہو کر چھنب گنڈ میں رواں دواں ہے اس کنال کے متعلق ایک ضرب المثل ہے لالیس کھسہ تے ژوگامہ وسہ ہا اس کا مطلب ہے۔ لالیس اسے نہ چڑھے گا چوگام سے اترے گا۔

دیوسر پرگنہ کی کریوا کو سیراب کر کے دریائے ویشو کا پانی چوگام قاضی گنڈ نیچے گانا ندی کنال کافی مشہور ہے وینو میں نکل کر یہ دو اہم حصوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک حصہ حسن پور تک زمینوں کو سیراب کرتی ہے دوسری شاخ اُرن ہال کو سیراب کرتی ہے۔

ترال اور یاپنور میں چار نہریں ہیں۔ کاکہ پورہ کنال بھی ۱۹۶۴ء کے دوران نکال گئی کوئل کنال۔ عیشقمام میں شاہ کول بڈشاہ دور کی یادگار ہے۔

نالہ ربنی آرہ سے تاریخی نہر لاسی پورہ تملہ ہال ذاسوٹہاب گاؤں کی کتھیوں کو سیراب کر کے آگے نونگری کہ یوا تک تھی اب یہ قصہ پارینہ بن چلی ہے ناجا قبضہ جات سے اسکے خدو خال مٹ چکلے۔



تاریخی مسجد پتھر مسجد

سرینگر کے مشرقی کنارے دریائے جہلم کنارے خانقاہ کھڑا ہے وہیں اسکے سیدھ مغرب جائب دریائے جہلم پار پتھر مسجد واقع ہے پتھر مسجد فن تعمیر کا منفرد نمونہ ہے جو زمانے کے ہاتھوں کسی حد تک بچا ہے مغل بادشاہ جہانگیر کی ملکہ نور جہان کے زیر نگرانی ۱۶۲۳ھ میں تعمیر کا بہتر نمونہ ہے اسے شاہی مسجد، مسجد سنگین اور نئی مسجد کے طور پر نام لیا جاتا ہے۔

تواریخ شیعان کشمیر کے مطابق ملکہ نور جہاں نے مسجد شعیہ مسلک کے مسلمان کی خاطر تعمیر کی ۔ یہ بہت عرصہ آباد رہی غیر آباد بھی۔ فاضل خان گورنر کے وقت ۱۹۹۸۔۴ھ ۱۷ء اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ حمام کے علاوہ درس گاہ بھی تعمیر ہوا۔۱۷۵۴ء کے پُر آشوب حالات میں کشمیر کے گورنر سکھ مسجد میں شالی جمع کر لی اسطرح بطور گودام اسے استعمال کیا گیا۔ ہزار خان کے وقت میں ۱۷۹۳ء میں اسکی دوبارہ مرمت ہوئی مسجد کا کُتبہ اسکے صدر دروازہ پر لگایا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت اسے نماز کیلیئے کھُلا چھوڑا گیا۔

پتھر مسجد کی لمبائی ۱۸۰ فٹ ہے بلکہ چوڑائی ۵۴ فٹ ہے مسجد کی کرسی دور پتھروں

کی نبی ہے اسکے اندرونی چھت پر ۲۷ گندوالا تعمیر شدہ ہے جو پمیو شہ مال کا ہے۔ گندوں کی پیپر ماشی ہوئی ہے۔

پتھر مسجد کے صحن میں خوبصورت پتھر تھے مگر مہان سنگھ اس پتھر کو لٹایا اور ان پتھرون کو نسبت باغ گھاٹ پر نصب کرا دیا شیر گڈھ کے کے بالمقابل بطور یار بل بنایا۔

مسجد کے جنوب جائب مجاہد منزل ۱۹۳۱ء سے سرگرم عمال ہے جہاں نیشل کانفرنس کی مجلس عاملہ کی مٹینگ عوامی جلسے منقد ہوا کرتے ہیں۔ اس مسجد کی نئے سرے تجدید صفائی ستھرائی کا انتظام ہونے لگا ہے امید ہے اس سال کی پُرانی شان لوٹ آئے گی۔

اس کے شمالی طرف زینہ کدل کا پُل ہے اور مغرب طرف عرصہ دس سال سے دینی درسگاہ سراج العلوم قائم ہے۔



میرا گاؤں میرا دیش

وادی کشمیر کو ریش وادی درویشوں کی کیاری اور پیرواری (پیروں کی کیاری)
اسلئے کہتے ہیں کہ تقریبا ہر گاؤں میں کسی اولیاء سادات بزرگ کے آستان خانقاہیں
نظر آتی ہیں۔ جو نہ صرف روحانی کمالات میں محور ہے بلکہ اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کو علاقہ
پھلاتے رہے ان میں حضرت سید جعفرؒ بھی ہیں جنہوں نے کشمیر کے کئی مقامات کے
علاوہ روایت کے مطابق عرصہ ۱۲ سال تملہ ہال شاہورہ کے کھلئے میدان کے نامی پتھری
بل بیچ واقع ٹیلے پر بارہ سال ریاضت عبادت کی۔ اُنکی آخری قیام گاہ راول پورہ سرینگر
رہی مگر نشت گاہ عبادت گاہ تملہ ہال اب نئے طرز سے تعمیر شدہ ہے۔ یہ اس گاؤں کی
بڑی شناخت ہے جہاں قدیم بوڑھے دو برجی پیڑوں کے علاوہ ٹیلے کے گرد و نواح گاؤں
میں چنار کے بھاری بھر کم درختان کھڑے ہیں ٹیلے کے دامن کا محیط راقم خود ناپ کر
۱۸۰۰ فٹ نکلا ہے۔ اس ٹیلے پر واقع قبرستان میں کو لوح مزار لضب ہے کشمیری شاعری
غلام نبی ظہور اول مارچ ۱۹۲۸ء کو مدفون ہیں۔ ان کی ہر صنف کی شاعری اور کشمیری زبان و
ادب کی خدمت تاناک ہے جس پر پورے علاقہ شاہورہ کو فخر ہے ان کے برادر اصغر
پیر فقیر محمد ظیب شاہ لاولد تو اسی مزرار میں ۷ جنوری

۲۰۱۷ کوفوت ہوئے بچپن سے درویش نفاست پسندی رشتہ داروں کی محبت اور قرآن تعلیم امامت تبلیغ سرینگر، جموں اجمیر، دہلی اتر پردیش میں گھوکر بے شمار چلے کر کے نفس کشی کی باشریعت طریقت معرفت حقیقت کے ساتھ قرآن کو سات قرآتوں پر عبور تھا۔ گاؤں میں پیر فقیری علم ادب کا ماحول ظہور کی نیک بخت بیوی فاطمہ بیگم ۴ جنوری ۲۰۰۷ء وفات پا گئی۔ ان کی دو جواں سال پوتیاں نصرینہ حمید مارچ ۱۹۹۶ء اور نصرینہ ابراہیم ۵ مارچ ۲۰۱۲ء بھی وفات پا کر نزدیک مدفون ہیں۔

پلوامہ سے جنوب جانب مٹرنے والی سڑک پر ۷ کلومیٹر دور تملہ ہال نظر آتا ہے جسکے مشرقی جانب ۱۶ کلومیٹر دور سرینگر جموں قومی شاہراہ سنگم واقع ہے گاؤں کے مغرب جانب مٹرنے والی سڑک پر ۵ کلومیٹر دور آری ہل اور کھامبری سے ہو کے مجموعی طور ۱۸ کلو میٹر دور قصبہ شوپیان واقع ہے۔ اسی طرح نالہ ربی آرہ پر نبے پُل کے پار اتنا ہی فاصلہ ہے تملہ ہال سے مشرق جانب نئی ۳ کلومیٹر رابطہ سڑک بہ چندگام ۲۰۱۵ء تعمیر ہو چکی ہے گاؤں کا حدود اربع یہ ہے کہ مشرق جانب آرہ مولہ بٹہ نور چندگام مغرب جانب رکھ چڈرن سعدہ پورہ جنوب جانب لاسی پورہ، شمالی جانب ٹہاب ذاسو شامل ہیں گاؤں کی مسافت جنوب سے شمالی طرف ڈیڑھ کلومیٹر اور مشرق سے مغرب جانب ۵ کلومیٹر ہے رقبہ آبادی کے لحاظ سے نہ صرف شاہورہ کا خاص گاؤں مانا جاتا ہے بلکہ پلوامہ لتر کا کہ پورہ

راجپورہ میں بھی رقبہ کے لحاظ سے اول نمبر پر آیا ہے ۳۰۰ گھرانے رہائش پذیر ساتھ گھرانے ہندوں کے ہیں۔ کھیت کھلیانوں میدان بے شمار چشموں کے علاقہ میوہ باغات کا یہ گاؤں

معاشی طور ٹھیک ہے ملبری نرسری دولوں اضلاع پلوامہ اور شوپیان میں بڑی شمار کی جاتی ہے جس کی ابتدا ۱۹۴۰ء میں ہوئی ہے اسکے علاوہ ہارٹکلچر نرسری اور بیدوں کی نرسری ہے کئی محلوں اور قدیم زمانے میں تین حصوں میں بٹا یہ گاؤں گنجان آباد رہے۔ معاشی طور گاؤں کی زیادہ آبادی زمیندار ی سے وابستہ ہے آمدنی کا بڑا ذریعہ فصل دھان، میوہ، دودھ کی پیداوار ہے ملازم اور کاروبار سے بھی ذریعہ معاش حاصل ہوتا ہے علاقہ شاہورہ میں اسی گاؤں میں بڑے زمیندار تسلیم کئے جاتے تھے بیرون گاؤں اور سرینگر کے چند اصحاب اسی گاؤں کے کریوا میں زمین خرید کر باغات بنا چکے ہیں۔ جغرافیائی خدوحال طور گاؤں خوبصورت لگتا ہے سڑک جرنیلی پر دونوں اطراف اور بستی کے اندر راشن گھاٹ ۲۰ دکانات پر ضرورت کی اشیاء ضرریہ اور سامان ملتا ہے تین اسکول کے علاوہ اکے سب سنٹر ۱۹۸۹ء سے کام کرر ہا ہے۔ دو سال پہلے گاڑیوں کی ضرورت کے واسطے تیل پمپ بھی ہے قدیم زمانے سے بستی کے گردونواح مختلف جگہوں اور زمینی رقبہ جات اس نام سے پکار سے جاتے ہیں یندر موہل، کھل تل، حلقہ باغ، پتھر بل، ناگہ ہل، خار ہیند، گرٹہ بل، زژ بلن، آڑہ بٹہ نین، کانٹر کھاہ بیرہ سنڈ، مجہ ناڑ، واتل کھاہ۔ ڈنبہ کھاہ، کھارہ شوتھ،

ناڈڈر، کھار ہند، ناگن، چھتر، ڈیوند راز بل، رحمہ کاین، بجبہ کھار، گوڑ کھاہ، کوژھُل، کوژھُل، دار نپر ودتھ، گوپھُ بل، ڈارون، بجبہ کھار ہُس تراگ ٹنگ کل ناڑ، اوقاف باغ، پندہ پتھر، ٹانچہ میدان، بونہ کیج، چک، درمن کھار، دہہ وتھ، جب کن ژٹن، تلاوہ بل لونہ نش، چھانہ کھوت تُلہ دُوژ، دمہ کولن۔ تحصیلدار باغ وغیرہ۔ ثمر دار غیر ثمر دار درختان، چناروں، کھلی جگہ کی وجہ سے آب وہوا مقدل رہتی ہے گاؤں کا خدوخال کسی حد تک دل کو بھاتا ہے پنچات گھر نئے طور تعمیر ہو ہے۔ یہ گاؤں پٹور حلقہ ہے جس کے ماتحت آرہ اور زوسو ہیں

۱۹۷۷ء میں اس گاؤں میں بجلی آئی۔ یہاں کی واٹر سپلائی بار بار فیل ہونے کی وجہ چشموں کی بہتات ہے یہاں کے ایک بڑے چشمہ پر بنی واٹر سپلائی ٹنکی سے کئی گاؤں کو پینے کا پانی فراہم ہوتا ہے۔ مویشوں کی پرداخت کیلیئے کئی سال پہلے سنٹر کھولا گیا ہے ۴۰% فیصد آبادی خواندہ ہے جو کچھ پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے آس پاس مسلم علی گڈھ یونیورسٹی کا اردو بوڈ کا ایک سنٹر ماسٹر اسد اللہ (مرحوم) کئی سال چلاتے رہے جس سے علاقہ میں تعلیم یافت کو کافی سہلوت رہی۔ گاؤں میں صحافت کے طور منظور ظہور نے لڑکپن سے سرینگر کیا خبار میں کام کیا وہیں تین سال سے دہلی کے اخبار مشرقی سے وابستہ ہو کر لگ بھگ ۸ مئی دہلی میں ہی قیام پزیر رہتے ہیں۔

گریجویٹ ڈپلوما جزنلزم اور کمپوٹر نالج کے شوکت حمید ۵ سال الصفا میں بطور نما

یندہ اور سب ایڈیٹر رہے پھر کشمیر عظمی کے سرینگر نمایندہ رہے ڈیڑھ سال سے اب سینر ایڈیٹر ہیں۔طارق حمید شاہ ندوہ کالج لکھنو سے فارغ کے بعد عربی اردو میں ایم اے کے ساتھ B.Ed کر گئے۔سرینگر کے ایک تعلیمی ادارے میں دو سال سے کام کررہے ہیں تملہ ہال کو یہ شرف حاصل کہ اسی گاؤں نمبردار حاجی غلام محمد ڈانگرو دس سال سے صدر ضلع نمبردار ایسوی ایشن پلوامہ ہے۔صوفی شاعری طور میر غریز اور پیر فیقری کررہے ہیں۔علی محمد شاہ بچپن سے تعویز نویسی جھاڑ پھونک کے تجربہ کار ہیں۔

تملہ ہال کے لوگ مزاج کے تیز حساس اور سیاسی طور بیدا ہیں مختلف فکر دآ ہنگی سے وابستہ ہونے کے باوجود اکثر موقعوں پر میل ملاپ ہوتا ہے

گاؤں کو تملہ ہال (آرام کی جگہ) کہا کرتے تھے میدان میں لوگ راہ گیر مسافر آرام کیلئے ٹھہرتے دوسری روایت کہ یہاں چاول زیادہ مقدار میں نکلتی تھی اسلئے تملہ ہال (چاول کا گھر) نام پڑ گیا۔نالہ ربی آرہ سے نکال قدیم زمانے کی آبپاشی نہر اسی گاؤں سے گزر کر آگے ذاسوٹھاب اور نونگری کریوا تک ہے بستی کے مغرب جو ٹیلہ کھڑا ہے وہ جودو جود میں آیا ہے گاؤں کی تاریخی مسجد حضرت بابا نصیب الدین غازی کی چوتھی تعمیر ۲۰۰۵ء مین ہوئی جو کافی پُرکش اور روح کو تسکین دیتی ہے جامع مسجد شریف کی تعمیر ۲۰۱۴ء نئے سرے سے ہورہی ہے اسکے علاوہ چار اور مساجد تعمیر ہو چکی ہیں

تملہ ہال چشموں کی آماجگاہ ہے پانی وسائل سے نچلے دیہات سیراب ہوتے ہیں ہر صحن اور کھیت کوئی نہ کوئی چشمہ پھوٹتے ہیں بستی کے گردونواح موسم بہار سے ہی تین سو چشمے پانی ابلنا شروع کر دتے ہیں چند چشموں کے نام یوں ہیں ناگہ بل۔گورناگ۔ناگن۔مغل ناگ۔ڈانگرناگ۔وانی ناگ۔خارہ ناگ۔پہلی ناگ۔شیخہ ناگ۔مقدم ناگ۔کاندرناگ۔پرے ناگ۔نیدناگ۔رحمہ کانن ناگ۔دید ناگ۔اخراج پورہ ناگ۔جعفرناگ۔بٹ ناگ۔گھوبہ بل ناگ۔گرٹہ بل ناگ۔اور دیگر ناموں سے چشمے گاؤں میں مقبول ہیں۔پانی کے وسائل چناروں لہلہاتے کھتوں باغوں اور میدانوں نسبت سے تملہ ہال گاؤں قابل دید ہے جو سرینگر سے صرف ۳۷ کلو میٹر، اسلام آباد سے ۲۸ کلومیٹر اور کولگام سے ۳۲ کلومیٹر دور واقع ہے، یہ گاؤں علاقہ شاہورہ میں اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔



تملہ ہال گائوں کے متعلق میرا اَبا آرٹیکل کشمیری میں اوّل اپریل اور ۴اپریل ۱۹۸۲ء کو ریڈیو کشمیر سے متشر ہوا۔ پھر کئی مرتبہ اخبارات میں بھی آر ٹیکل شائع کرے۔

شاہورہ کے خدوخال

کشمیر کا کوئی نہ کوئی حصّہ اپنی اہمیت وافادیت کی وجہ سے مقبول رہا ہے اس جنت بے نظیر کا چپہ چپہ سجا سجا خوبصورت لگتا ہے شاہورہ کو قدیم زمانے میں شاورہ پرگنہ کا نام رہا ہے راج ترنگنی اور دیگر تاریخی کتابوں میں یہی نام آیا ہے قدیم زمانے سے تر دیک تر دیک بستی اور لہلہاتے کھیتوں کھلے کھلے میدانوں ہرے بھرے پیڑوں نالہ ربی آرہ سے نکلی چھوٹی چھوٹی بڑی ندیوں چشموں اور نونگری کریوا اور زینہ پورہ کریوا کی وجہ سے مقبول آیا ہے یہ اصل میں پلوامہ قصبہ کے جنوب طرف واقع مغرب جانب پلوامہ شوپیان سٹرک سے ہو کے آری ہل کی طرف مڑ کر نالہ ربی آرہ سمیت لاسی پورہ اچھن سے ہو کے سوگن چترا گام زینہ پورہ وچی اور مشرق جانب نائینہ سنگم اور پھر شمالی جانب چکورہ کریوا نونگری سمیت پائر سے لیکر قصبہ پلوامہ تک کا حصہ شمار آیا ہے قدیم زمانہ سے۔ اب علاقہ شاہورہ، سمٹ کر رہ گیا ہے اس مین سماجی سیاسی حلقے ذمہ ار ہیں۔ ورنہ علاقہ شاہورہ اپنی زرخیز زمین اور دھان کی پیداوار کی وجہ سے کافی خاصی اہمیت رکھتا آیا ہے۔ کئی سالوں قبل اسکا کچھ حصہ تحصیل پلوامہ سے کاٹ کر ضلع شوپیان اور تحصیل اونتی پورہ سے جُوڑ دیا گیا سال ۲۰۱۴ء میں کشمیر میں نئے تحصیلوں کے معرض وجود میں آنے سے اسکا

کچھ حصہ زینہ پورہ سب ڈویژن سے جوڑ دیا گیا اور تحصیل شاہورہ کا مرکز لتر شسطر کو قرار دیگر نیا تحصیل دجود میں لا کر اس کی شناخت نئے طور ہونے لگی۔ لاسی پورہ کو بلاک اور نیابت کا درجہ دیا گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۸۱ء پہلے پہلے علاقہ شاہور ۲۴ پٹوار حلقہ جات پر مشتمل تقریبا ایک سو گاؤں کا پرگنہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اِسوقت سے یہ تین اسمبلی حلقوں پلوامہ، راجپورہ اور وچی کے ساتھ بکھیر کر رکھ دیا گیا جو سراسر ناالضافی ہے ہونا تو یہ چاہیئے کہ پُرانے شاہورہ کے دیہات پر مشتمل حلقہ اسمبلی شاہورہ معرض وجود ہیں لا کر الضاف سے کام نیا جاتا تا کہ تاریخی، سماجی، سیاسی اقتصادی، معاشی اور دیگر معاملات میں اسکی شناحت جغرافیائی طور برقرار ہتی شاہورہ پائین دھان کی پیداوار میں زرخیز ہے واصورہ سمیت نوپورہ پائین کے آس پاس سبزوں کی کاشت بڑے پمیانے پر ہوئی ہے۔ شاہورہ بالا میوہ سیوں کی پیداوار مین نام کما چکا ہے۔ نالہ رنبی آرہ کے شمالی کنارے انڈسٹریل اسٹیٹ لاسی پورہ پر کارخانوں کا شہر لگتا ہے وسیع حصّہ پر کارخانوں کا جال بچھا کر یہ اب ہندوستان میں مقبول ہوتا جا رہا ہے ان فیکڑوں سے مختلف خام اور بچتہ مال وسامان تیار ہو کر کشمیر اور کشمیر سے باہر جا کر آمدنی بڑھا چکا ہے سیوں کے کئی کولڈ سٹور اور دودھ فیکریاں مقبول ہیں۔ ادھر سڑکوں کا جال ہے نالہ رنبی آرہ تیھر ہلا حصّہ کھلا کھلا جغرافیائی خدوخال میں ایک اور حشیت رکھتا علاقہ شاہورہ کی جزیلی سٹرک پلوامہ ٹہاب لاسی پورہ لتر سنگم مانی

اور جانی جاتی ہے جس پر دن رات ٹرلفیک کا دباؤ رہتا ہے اسی سڑک پر لاسی پورہ مقام پر ٦ راستوں کا سنگم ہے۔ لتر شسطر کی جگہ چار سڑکوں کے کا منا گم ہے۔ آبادی کے لحاظ سے اول نمبر پر لتر شسطر کا گاؤں اور دوسرے نمبر پر ٹہاب جبکہ تیسرے نمبر پر آری ہل ہے اسکے بعد تملہ ہال کا گاؤں ہے جہاں ۳۵۰ گھرانوں کی آبادی ڈھائی ہزار لفوس کے قریب ہے تاریخی اعتبار سے علاقہ شاہورہ کچھ کم نہیں بیشتر تاریخی کتابون کئی گاؤں کا تذ کرہ ملتا ہے اچھن کا تذکرہ قدیم ہندو تاریخی کتابوں میں ملاتا ہے۔ شاہورہ میں اسکیی جگہ ایک مندر ملتا ہے ہر گاؤں میں سادات، اولیا، بزرگان دین کی زیادت گاہ آستان عالیہ اور خانقاہ نظر آتے ہیں جن میں رنگہ مولہ، ترچھل، چندگام، ٹہاب، لاسی پورہ ،آرہ مولہ، اچھن، پتی پورہ۔ تملہ ہال، پنچگام، لتر سسظر اور وچی آستان پورہ شامل ہیں۔ طرز معاشرت بول چال (مادری زبان کشمیری) رہن سہن اور دیگر امورات میں اصل کشمیریت جھبلکتی ہے بزرگوں، عمر رسیدہ مرد وخواتین اور کسانون میں پُرانی سادگی دیہاتی پن اور طرز لباس پایا جاتا ہے۔

کشمیری شعر وشاعری میں اس علاقہ کا نمایاں حصّہ رہا ہے کشمیر کے پہلے صوفی شاعر مومن صاحب ببہ گام (چندگام) کی شاعری ادبی حلقوں میں جانی جاتی ہے۔ ذاسو کے کاظم گنائی کی تھوڑی شعری ایک پرانی کتاب میں ملتی ہے وہیں کبیر میر آرہ مولہ کا معراج نامہ اور زن مزرودر (جنگل کا مزدوں مقبول ہوا ہے۔ اکیسویں صدی میں اس شاہورہ کے جو

شاعر زبان زد عام ہیں۔ وہ غلام بنی ظہور ہیں جنہوں نے ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک شعر وادب کی کشمیری زبان کی کافی خدمت کر کے

شاہورہ کو بھی مقبول بنایا۔ اسکی بشیتر چھوٹی بڑی شعری کتابوں کے علاوہ قصہ آدم تہ نوخ انوار معرفت اور قصہ باغ و بہار حصہ اول کے علاوہ انکی رحلت کے بعد ۱۹۹۷ء میں پاٹی وردن منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکی ہے شاہورہ کی پہلی یہیں وہ شخصیت ہے جن کی حیات اور شعری خدامات پر دوردرشن کیند سرینگر نے ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو شاعر وطن عنوان کی ڈاکو منٹری ٹیلی کاسٹ کی مارچ ۱۹۹۹ء سے ریڈیو کشمیر سرینگر سے کبھی کھبار نشر ہوتے رہے تواریخ شاہورہ منظوم کشمیری بنا کر اور قصہ چہار درویش کے تینوں حصہ بصورت قلمی موجودہ محفوظ ہیں۔ انکی بسیار گوئی شاعر ہر منف میں شاعری قابل دار ہے۔ دسمبر ۲۰۱۷ء کو ظہور کی منتخب شعری مجموءنذرانہ عنواں سے بار میں آیا۔

علاقہ شاہورہ کی واحد ادابی انجمن ۱۹۷۵ء سے سرگوم عمل ہے فروری ۲۰۱۷ء نئے سرے سے انتخاب ہو کر اس کے سرپرست مسعود عباس بلہ پورہی۔ صدر حمید اللہ حمید سیکرٹری رشید صدیقی آرگنائزخزانچی مجنون مجید بٹ عہدیدار چنے گئے۔ اچھن کے میر نزید ریڈیو کشمیر سرینگر کے جزوقتی کارکن ہیں ضلع سطح پر کئی تقاریب پر سٹیج سیکرٹری پُراثر انداز میں کام نبھاتے آئے ہیں۔

ایک معتبر روایت کے طور شاہورہ کا نام کیسے وجود میں آیا قدیم زمانے میں ایک مرد آزاد

جہاندیدہ ''شاہ حر'' تھا جسکی جاگیر میں ایک سو گاؤں تھے اسی کے نام پر علاقہ کا نام شاہورہ پڑ گیا۔۔۔۔۔۔۔ (اس کے آگے ورمیں حروف مٹ چکے ہیں سیلاب پانی سے بہرحال علاقہ شاہورہ اپنی زرخیز زمین' کاروبار سماجی معاملات سیاسی سرگرمیوں ادبی شعری تخلیقات کی وجہ سے اپنے خدوخال نمایاں کرتا آرہا ہے ضرورت ہے اس شاہورہ کی پُرانی تاریخ اور خدوخال کو نمایاں کرنے کیلئے کام کیا جائے۔

۵ جنوری ۲۰۱۸ء

دستورون سے ایک نظر (طنز ومزاح)

کھرم، کھاور پورہ اور دچھنی پورہ کے علاقوں میں کریک ڈاؤن کیلئے جو فورس لائی گئی تھی وہ انتہائی فناک اور آدم خودر تھے۔ ان کی عجیب وغریب حرکات ہیبت ناک طرز اور خانہ تلاشی کے نئے طرتقے اختیار کرنے سے لوگ سہم گئے اور کان پکڑنے لگے۔ ناگالینڈ فورس جو بھارت کی غیر مذہب، وحشی اور درندہ نما آدم ذات مانی جاتی ہے۔ ان کے کانوں میں بالیاں لٹکتی رہتی ہیں ۔ خانہ تلاشیوں کے دوران چوہے پکڑنے کے پھندے، مُردے مُرغ اور سانپ بھی ڈھونڈتے ہیں۔ انہوں نے ایک بوڑھے کو دکان پر دیکھ کر اس کے بیٹے کو چار سو روپیہ میں بیچ ڈانے کیلئے کافی زور زبردستی کی۔ اس نے جلدی سے اُسے چھپالیا۔ ایک گاؤں میں دونو جوانوں کے جسموں پر ابُلا ہوا گرم پانی ڈالا گیا کہ بدن سے چمڑی اُتر گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ خصوصی تجربہ کیلئے اس چمڑی کو آفیسر سے چُھپا کے رکھا گیا۔

علاقہ شاہورہ میں ایک طالب علم کے باپ نے کھیت پر جانے سے پہلے گلا پھاڑ پھاڑ اعلان کیا کہ اگر وہ ڈپٹی کمشنر ہوتا تو ضلع بھر کے ماشٹروں (ٹیچروں) کو نندہ (دھان کی پیزی لگانے کے بعد گھاس نکالنے) کرنے کے احکامات صادر کرتا کیونکہ پہلے کی نسبت ماسٹر بچوں کو پڑھانے اور سکھانے میں سُستی اپناتے ہیں۔ حالات خراب

ہونے کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔

وستورون سے ہماری نظر پلوامہ کے بازار پر بڑی جہاں لوگوں کی گہا گہی میں ایسے ایک سابق وزیر نظر آئے جو ٹیکسی میں اُتر کر معلوم کرنے آگے کہ آگے کیا حال ہے کہیں شوپیاں تک کسی گاؤں میں کریک ڈاؤن نہیں چل رہا ہے۔ نہ جانے یہ سابق منٹر بی ایس ایف اور فوج سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں حالانکہ اُسی دور کا ایک اور وزیر شان بان کے ساتھ عدالت میں وکالت کرتا ہے۔ ایڈمنسٹریٹو آفس کے چکر بھی لگاتا ہے سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتار شدہ نوجوانوں کو رہا کرانے کیلئے تک و دو میں مصروف رہتا ہے۔

ایڈمنسٹریٹو کیمپلیکس پلوامہ میں ڈپٹی کمشنر کے پبلیک ریلشنز آفیسر کا اب معطل کرنے کے احکامات کو پس پشت ڈالنے کی افواہ گرم ہے۔ مذکورہ آفیسر کو مرکزی وزیر راجیش پائلٹ کے دورہ کے دوران میٹنگ میں غیر حاضر رہنے اور ضلع انتظامیہ کی پبلسٹی کی طرف غفلت برتنے کا الزام ہے۔ پلاننگ آفیسر کو مذکورہ آفیسر کے حکم عدولی کی وجہ پر جواب طلب ہونا پڑا مگر ریلشنز آفیسر ٹس سے مس نہ ہوا۔ ضلع انتظامیہ نے آفیسر کے محکمہ کے سربراہ کو باخبر کیا مگر مذکورہ آفیسر نے اُس جیسی میٹنگ میں شمولیت کرنے سے صاف انکار کیا جو کشمیر کی موجودہ صورت حال کی پالیسی پر بلائی جائے اور جس سے کشمیریت کی

سماجی حشیت کے کار کی زک پہنچے۔

محکمہ دیہات سدھار کے کئی پردگراموں میں غبن کے معاملات پر حکومت نے کئی آفیسروں سے خفیہ طور جواب طلبی کیلئے ڈپٹی کمشنز کو ہدایات جاری کئے ہیں۔ جواب طلبی کے معاملات التواء میں پڑے ہوئے ہیں۔

۱۵ اگست کے بعد ہی وادی کشمیر کے طول وعرض میں شام کے بعد نقلی بھوتوں کی سرگرمیوں نے عوام کا جینا حرام کردیا ہے۔ اس وحشناک اور کربناک ماحول سے کئی مردوزن شکار ہو چکے ہیں۔ چہرے پر کالے نقاب لگا کر گھروں میں اچانک گھُسنے اور آہنی پنجوں سے لوگوں کو زخمی کرنے کا عمل برابر جاری ہے ایسی کارویئوں کا مقصد یہی ہے کہ جنگجوں کو گھروں میں گھُسنے یا ٹھہرنے کیلئے لوگ منظم ہو جائیں۔ لوگوں کے شور مچانے پر یہ نقلی بھوت سیکورٹی فورسز کیمپوں کی جانب بھاگتے ہوئے دیکھئے گے۔

یہ خبریں بھی آرہی ہیں کہ کئی جگہوں پر نقلی بھوتوں اور جنگجوں میں ہاتھاپائی بھی ہوئی مگر ساتھ ہی فورسز کی فائرنگ سے بھوتوں کو چھڑایا گیا۔

لگتا ہے کہ پلوامہ شوپیان روڈ پر نالہ ساسی پر کھڑا پُل عالمی ریکارڈ حاصل کرے گا۔ گاربیگاری کی صورت میں پُل پر تعینات بی ایس ایف اہلکاروں کو اُن ڈراروُں سے سرٹفکیٹ حاصل کرنا ہوگئی جن ڈرائیوں سے گذشتہ تین سالوں سے نقدی اور جنسی وصول

کی گئی ہے قصبہ سے ادویات، چیزیں اور باقی سامان لانا ڈرائیور کیلئے ضروری ہے ورنہ فورسز پل سے کہاں گزرنے دیں گے بھارتی محافظ پُل سے گذرنے والی فی ٹرک سے ایک کلو دودھ مفت میں وصول کرنے کا عمل اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ سلسلہ سیکورٹی فورسز بنکروں کے منہدم ہو جانے تک برقرار رہے گا۔اس پُل سے روزانہ سب دودھ والی ٹرکیں سرینگر کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔مال مفت دل بے رحم کے طور دوہ حاصل ہوتا ہے فی کلو دودھ کی قیمت پانچ روپیہ ہے اسطرح ماہانہ ۱۲۰۰ کلو اور سالانہ ۱۴۴ کوئنٹل دودھ کا ٹیکس جنسی طور وصول کیا جاتا ہے

جیلوں میں محبوس قیدیوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جانے پر اخباری بیانات سے ایجنسیاں ٹس سے مس نہیں ہوتی ہیں۔

قیمتوں کو کنٹرول میں کرنے میں بڑی طرح ناکامی ہوئی ہے اور ہڑتالوں کے دوران ادھ کھلی دکانات پر حارفین جلد بازی میں اشیا خریدنے کے دوران اپنی مجبوری اور فیاضی دکھاتے ہیں۔

(دستورون بلند قامت پہاڑ کے دامن میں قصبہ اوتنی پوہ واقع ہے

اکتوبر ۱۹۹۳ پلوامہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیشو کے پار

کشمیر میں نالہ رنبی آرہ کے بعد نالہ ویشو لمبا اور چوڑا نالہ ہے پیر پنچال سے آئے اس نالے کے دونوں کناروں پر کافی دیہات آباد ہیں جن کی کافی اہمیت ہے اہرہ بل سے لیکر کولگام تک کے دیہات باغات اور کھیتوں سے مالا مال ہیں بلندی پر واقع مقامات اپنی اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں۔

قصبہ کولگام کے جنوب مغرب جانب نالہ ویشو کے پار پہاڑ کے دامن میں واقع گودر ایک تاریخی گاؤں ہے کولگام سے نالہ ویشو کو پار کرتے ہوئے یہ صرف ۵ کلومیٹر دور واقع ہے جبکہ سڑک راستے یہ ۱۳ کلومیٹر دور ہے اس جگہ کا تذکرہ پرُانی کتاب راج ترنگنی میں آتا ہے پرُانے زمانے میں یہ علاقہ کی راجدھانی تھی وقت گذرانے کے ساتھ ساتھ اسکی ہیبت بھی بدل گئی۔ موجودہ آبادی کو صرف تین سو سال کا عرصہ گذرا ہے کہا جاتا ہے کہ افغانستان کے کابل شہر سے ایک گھر آکر یہاں بس گیا۔ تین صدیوں میں کئی گھرانے بنے ہین گردوانواح کے دیہات کے گھرانے بھی یہاں آکر بسنے لگے۔ یہاں ہندوں کا ایک متبرک چشمہ موجود ہے۔

گوُدر کا گاؤں ڈھلوان پر ہے تین سو کنبوں پر مشتمل گاؤں کی آبادی ۱۹۸۹ء کے مطابق ڈھائی ہزار نفوس ہے۔ ہر طرف سیبوں کے باغات نظر آتے ہیں۔ اعلٰی اقسام کے

اوصاف سیب پیدا کرتے میں گودر مقبول ہے گاؤں کی آمدن کا بڑا ذریعہ میوہ ہے اسی وجہ سے گاؤں منطوک الحال نہیں ہے لوگوں کا معیار لقگوں زندگی بہتر ہے۔گاؤں سالانہ دولاکھ روپیہ ٹول ٹیکس ادا کرتا ہے۔

کئی مسائل کے متلق لوگ سرکار کی توجہ چاہے ہیں بڑا مسٔلہ ٹرانپورٹ اور سڑک کا ہے سیبوں کی پٹیاں یہاں سے باہر لے جانے کیلیئے سڑک تو آتے ہیں مگر سڑک کی ختہ حالی سے اکثر مرتبہ کیس اُلٹنے کا خطرہ رہنا ہے پہلو سے گودر تک تعمیر شدہ سڑک کی تجدید کیلیئے کوئی کاروائی نہیں ہوتی ہے یہاں تک کسی بھی بس سروس کا انتظام نہیں ہے البتہ یہاں سے نیچے ۶ کلو میٹر چھپ گنڈ تک بس آتی ہے سڑک کو نچتہ بنانے،کولگام سے براستہ پہلو ایک بس سروس چالو کرنے اور نالہ ویشو پر گودر کے مقام پر ایک پُل تعمیر کرتے کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے ان مطالبات کے ءحل ہونے سے گودر اور گردونواح کے ایک درجن دیہات کی آبادی کو راحت مل سکتی ہے۔



راقم نے دور کولگام رپورٹ ۱۹۸۹ءحکومت وقت کو پیش کی۔

۵سال میری سرکاری ڈیوٹی تصیل کلگام میں بطور انفارمیشن آفیسر رہی۔

کولگام کا تاریخی پس منظر

قدیم زمانے کی طرف نظر ڈال کر لگتا ہے کہ کشمیر میں اکثر علاقوں کی کافی اہمیت رہی ہے۔ان میں ایک وسیع وعریض علاقہ کولگام بھی شامل ہے مذہبوں، ذاتوں، قبیلوں راجوں مہاراجوں، اولیاہوں اور صوفی سنتوں نے اس علاقے میں اپنے نِشانات چھوڑے ہیں کولگام کے قدیم زمانے کی اہمیت اسکی زیارت گاہوں ۔ مندروں۔ کھنڈراتوں ، غاروں چشموں ، نالوں، ندیوں، آبشاروں اور چوٹیوں پہاڑوں کے ذریعے نظر آتی ہے۔کولگام کے ان مقامات کے متعلق اگر تاریخی حثیت کے طور پر لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب اتیار ہوگی۔

کچھ جگہوں کا تذکرہ نیل مت پُران اور راج ترنگنی کتابوں میں ملتا ہے جن میں وِشیو، دیوسر، سنہ اڑونی، کونسرناگ، ناروائو، ژیمر اور گوڈُروغیر شامل ہیں۔دونوں کتابوں میں نالہ ویشو ایک پاک ندی مانی جاتی ہے اس نالے کے دونوں کناروں پر گردونواح مقامات کی خاصی اہمیت رہی ہے، ان میں قصبہ کولگام کے جنوب مغرب جانب 5 کلومیٹر دُور پہاڑ کے دامن میں واقع گوڈُر شامل ہے۔اسکے نزدیک کوٹہ بال نام کی چوٹی پر کوٹہ راجہ کا محل خانہ رہا ہے۔گوڈُر تو راجہ گوڈُ کی راجدھانی رہی ہے۔جس نے 32 سال راج

کیا ہے اسکے نزدیک نالہ ویشو کے کنارے اشتھل گاؤں میں راجہ گوڈر کے ہاتھی میدان میں باندھ کر رکھے جاتے تھے اسکو قدیم زمانے میں ہست ہیل ہا کرتے تھے۔ گوڈر میں ایک مشہور چشمہ ہے بارہ سال کے بعد یہاں میلہ لگتا ہے اس گاؤں میں کئی جگہ کُھدائی کے دوران قدیم زمانے کے مٹی برتن پتھر کے اوزار اور رسوئی خانہ نکلے ہیں۔ ایک بڑے گاؤں کی شکل میں موجود ہے اس گاؤں کے مشرقی جانب پرانہ ہال گاؤں کے متعلق یہ تذکرہ آیا ہے کہ قدیم زمانے میں ایک روحانیت کا مرکز رتھا اور اس جگہ وید اور شاستر کتابیں موجود تھیں

دیوسر ایک بڑا مقبول گاؤں ہے۔ کلھن نے راج ترنگنی میں تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ اس جگہ راجہ گرک چندر کے زمانے میں بغاوت کے بعد خونریز جنگ ہوئی ہے۔ ہزاروں سام پہلے تالاب پر دیوی دیوتاؤں کے پُوجا پاٹ کرنے کی وجہ پر اس جگہ کا نام دیوسر نام پڑا۔ قدیم زمانے کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ یہ راجہ نرسم کی راجدھانی رہی ہے۔ نرسم ناگ اس جگہ موجود ہے۔ کئی برس قبل اس جگہ ایک لوہے کی پٹی برآمد ہوئی ہے جو محکمۂ آثار قدیم نے اپنی تحویل میں لے لی تذکرہ اولیاء میں آیا ہے کہ جس وقت حضرت میر سید حسین سمنانی رحمتہ اللہ علیہ کشمیر تشریف آور ہوئے تو ضلع دیوسر کے نزدیک ایک گاؤں کولگام میں ٹھہرنے آئے دیوسر میں مشہور زیوی تر ہیور سندری کا مندر ہے جہاں

کشمیری مہینوں زمیٹھ اور ہاڑ میں میلہ لگتا ہے۔ دیوسر میں حضرت امیر کبیرؒ کے تبرکات، حضرت سید جمال صاحب، حضرت صاحب اور متحرمہ دیدہ ماج صاحب کا آستان موجود ہے۔ تر پور سندری کا تیرتھ استھاپن دیوسر کی کریواہ پر درختوں کے جھنڈ کے درمیان واقع ہے اس جگہ ہندوز اور مسلمان نذر و نیاز باٹتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر سید ناگ ہے جسکو عرف عام میں ستیاجی کا نام پکارتے ہیں۔ اس چشمے کا پانی دُودھ رنگ کا ہے، دیوسر تو پہاڑ دامن میں دو حصّوں میں تقسیم ہے۔

دیوسر سے آگے پہاڑوں سے گھرا علاقہ کُنڈ ہے اِدھر والٹنگو میں حضرت سید نور شاہ بغدادی کی زیارت گاہ ہے۔ کنڈ کے آخری سرے پر جنوب مغرب جانب اُونچے پہاڑ کے دامن میں واسکھ ناگ ہے۔ اس چشمے سے مئی سے اکتوبر تک پانی اُبل کر علاقہ کنڈ کیطرف بہتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سیاحتی مقام ہے چھوٹی گاڑیوں کیلیئے ایک سڑک نکالی گئی ہے

کولگام کے مغربی جنوبی حصّے کو قدیم زمانے سے (ناروا) کہا جاتا ہے اس کو وزیراعظیم بخشی غلام محمد کے دُور میں اسے نور آباد نام دیا گیا بھی کہتے ہیں۔ ادھر ٹھسویغی احمد آباد میں کارکوٹ ناگ کا ئذکرہ راج ترنگنی میں ملتا ہے۔ ژیمر میں حضرت شیخ العالم شیخ نور الدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ نے سات سال عبادت کی ہے۔ کاکرن میں بھوت ناتھ کا مندر رانی رتنا دیوی کی یاذگار ہے، ایک وقت نالہ ویشو میں طغیانی کے وقت یہ مندر بہہ

گیا۔ اسلئے ادھر ٹوٹی مورتیاں ملتی ہیں اِدھر سینکڑوں برس کے بوڑھے تین برجی کھڑے ہیں اس جگہ کا تیانی مندر ہے جو ڈھانے کے بعد دو مرتبہ کیپٹن نرائن سنگھ نے تعمیر کیا ہے۔ چوگام میں قدیم بوڑھے برجی پیڑوں کے درمیان گینش جی مندر کے علاوہ ندی کے کنارے شیو جی مندر موجود ہے۔

کولگام سے اہرہ بل گزرنے والی سڑک کے کنارے منز گام میں راگنی دیوی کا مندر قدیم زمانے کی یادگار ہے جیٹھ اشٹمی کے میلے پر اِدھر رش لگتا ہے یہ پہاڑ پر واقع ہے۔ اس جگہ ایک درخت ایک سفید پھول کی مانند لگتا ہے۔ اس کو ژندن گُل (چندن کا درخت) بُولتے ہیں۔ اِدھر چشمہ پر ایک مندر تعمیر ہے۔

اہرہ بل سے برابر نو گنٹھے پیدل سفر کے بعد کوہ کوثر پر کونسرناک کا تاریخی چشمہ واقع ہے جھیل کی مانند یہ وسیع چشمہ پہاڑوں کی آغوش میں واقع ہے اسکے گردونواح چکر لگانے میں تین گھنٹے لگتے ہیں۔ اس میں سے پانی نکل کر پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اہرہ بل پنہچتا ہے یہی نالہ ویشو کا منبع ہے زینی ترنگنی میں ورج ہے کہ سلطان زین العابدین یعنی کشمیر کا بادشاہ بڈشاہ کبھی کبھی سیر اور شکار کیلئے کوہ کوثر جاتا کونسہ ناگ کوشرناگ میں کشتی میں سوار ہو کر ایک بزرگ کے ساتھ علمی بحث میں وقت گزارتا تھا۔ یہ چشمہ تو براعظم ایشیاء میں بڑا چشمہ مانا جاتا ہے۔ اہرہ بل اور کونسرناگ کے دورمیان راستے میں اہرہ بل سے 9 کلومیٹر دوُر کونگہ وٹن کی جگہ پُرانے وقت سے ایک آرام تھکاوٹ کی جگہ اور چراگاہ

رہی ہے

اہرہ بل کی جگہ کشمیر کے واحد بڑے آبشار کے طور مقبول عال ہو چکی ہے۔ مغل دور میں اسی راستے کشمیر سے بھمبر سے ہوتے ہوئے ہندوستان کو راستہ جاتا تھا۔ ایک وقت شہنشاہ جہانگیر اسی راستے سے والپس ہندوستان گیا۔ تاریخ حسن میں آیا ہے کہ صوبیدار کشمیر ظفر خان احسن نے 1055 ھ میں اہرہ بل کے مقام پر شہنشاہ ہندوستان شاہ جہان کو مثنوی ہفت منزل پیش کر کے انعام اور اکرام حاصل کیئے۔ کئی فارسی اور اردو شعراء نے اہرہ بل کا منظر اپنے شعروں میں پیش کیا ہے۔ اسی مقام سے کولگام کے مختلف حصّوں سے دریائے ویشو گزر کر آگے میلھورہ سنگم کے مقام پر نالہ رنبی آرہ اور سنگم پر دریائے جہلم سے جاملتا ہے۔ نالہ ویشو پر پانچ بڑے پُل تعمیر کیئے گئے ہیں۔ نالہ ویشو میں تین بڑی ندیاں ماؤ کول، سُونہ منن اور ٹونگری قدیم زمانے نکالی گئی ہیں جو کولگام کے وسیع و عریض علاقہ کو سیراب کرتی ہیں۔

کولگام سے اہرہ بل سڑک پر کاکرن وہ جگہ ہے جہاں حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ نے بچپن لڑکپن کے ایام گزارے ہیں۔ کچھ عرصہ ژیمر ناروا ؤ میں ٹھہراؤ کے بعد شیخ کامل اس جگہ قیام پذیر رہے ہیں اسکا آستان کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ جب انہوں نے سُنا کہ کاکرن سے گزری آ گئے کولگام پہنچی ہے۔ جس پر وہ اکثر وضو کرتے ہیں یہی پانی حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کے

آستان عالیہ کے صحن سے گزرتا ہے آپ نے اپنے پیرومُرشد کے احترام کے طور اس جگہ کو چھوڑ اور چرارِ شریف تشریف لے گئے۔ کاکرن میں جولائی میں عُرس منایا جاتا ہے

قصبہ کولگام کے شمالی جانب سات کلومیٹر دور کھی جوگی پورہ چشمہ خصوصی تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس چشمہ میں ہیہ گوند اور اِرنہ گونڈ اقسام کے دو پھول نمودار ہوتے تھے۔ حضرت شیخ العالم کی اور حضرت بابا بام الدین کی ماں کو اس چشمہ سے گہری عقیدت اور وابستگی تھی۔ کھی جوگی پورہ تو حضرت شیخ کی پیدائشی جگہ ہے اسی جگہ آپ 779ھ میں پیدا ہوئے۔ خارش زدہ اشخاص اس جگہ پانی سے نہا دھو کے شفایاب ہوتے ہیں اس جگہ حضرت امیر کبیرؒ اور حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کی تشریف آوری کا تذحرہ آیا ہے قصبہ کولگام کے مشرق جانب دس کلومیٹر دور سڑک کے بائیں جانب کیموہ آنے سے پہلے ایک غار آتی ہے۔ جہاں حضرت شیخؒ نے 12 سال عبادت اور ریاضت کی ہے قدیم زمانے سے اس کو شہمارٹنیگ پکارتے تھے گھپہ بل بھی نام تھا۔ ایک کتاب میں تذکرہ ہے کہ جب حضرت میر محمد ہمدانیؒ کشمیر آئے تو اپنے والد بزرگوار بزرگوار امیر کبیرؒ کی وصیت کے مطابق انہیں حضرت شیخؒ سے ملاقات کرنا ضروری تھا۔ اسلئے کچھ اصحاب کے ہمراہ کیموہ پہنچے، حضرت شیخؒ کو باطنی طور علم ہوا تو فوراً غار سے باہر استقبال کو نکلے اور پُکار اُٹھے

چانی کس کرماناہ چھکھ پیرن ہُندے داناہ (کون آپکے مرتبہ کو پہنچے اُپ سردں

کا دانا ہے ژیپے پتھ کرزکلہ قُربانا چھکھ بن امیر ھمد دانا (آپ پر اپنا سر قربان کیجئے آپ ابن امیر ھمدان ہے) انکے ساتھ آئے اصحاب یہ کلام سُن کر حیران ہوئے۔ کیموہ میں ہر لب ندی جو آستان عالیہ موجود ہے اس میں حضرت شیخ کامل کا اہل وعیال آسودہ ہے۔ اسکی اہلیہ کا نام ذی دید تھا دو بچے ہوئے۔ ان کے حالات واقعات حیات شیخ العالم میں ہیں التبہ ان کا سارا اہل دعیال کیموہ تردیک چشمہ مدفون ہے آستان عالیہ ہے۔

نالہ ویشو کے جنوب جانب پہاڑ اور جنگل نظر آتے ہیں شمال جانب قصبہ کولگام ذرا اُترائی پر معلوم ہوتا ہے۔ اسکا پُرانا نام بُونہ کوٹ تھا جب حضرت میر سید حسین سمنانیؒ ادھر تشریف آور ہوئے تو ایک بوڑھی عورت جس کا بیٹا نالہ ویشو میں ڈوب گیا تھا اسکے دربا میں حاضر ہوئی اور بُونے لگی کولہ گوم کولہ گوم یعنی ندی میں ڈوب گیا۔ ندی میں ڈوب گیا روحانی کمال سے وہ لڑکا کنارے کو لگ گیا اور حضرت سمنانیؒ بولتے گئے کولہ گوم کولہ گوم۔ عقیدت مندوں نے اس جگہ بُونہ کوٹ کو کولگام بُولنا شروع کیا۔ دوسری روایت ہے کہ اس جگہ کا نام شام پور تھا کہ یہاں تشریف آوری کے بعد کولگام نام رکھا ایک اور روایت کے مطابق کولگام کے گردونواح نالہ ویشو کے علاوہ ندیوں کی شاخیں ہیں اسلئے اسے کولگام نام دیا جانے لگا۔ کشمیری میں کول کو ندی کہتے ہیں۔ اور گام کو گاؤں اسطرح کولگام کا مطلب ندیوں کا گاؤں ہے۔ 775ھ میں پیر پنچال کے راستے حضرت میر سید حسین سمنانیؒ ادھر تشریف آور ہوئے۔ جس جگہ آستان عالیہ ہے وہ سارا احاطہ انہوں

نے خرید لیا حضرت امیر کبیرؒ کے ارشادات کے مطابق اسلامی تبلیغی امکانات کا جائزہ لینے کی خاطر چالیس سال کولگام میں ٹھہرے اور ۱۱ شعبان 792ھ مطابق 1395ء رحمت حق ہو گئے اور ادھر مدفون ہوئے آستان عالیہ تعمیر ہوا۔ حضرت سمنائیؒ اور حضرت شیخ کاملؒ کو آپس میں عارفانہ تعلقات تھے۔ لل دید بھی کولگام آیا کرتی اور حضرت سمنائیؒ اور شیخ کاملؒ سے ملاقات کرتے حضرت میر سید حسین سمنائیؒ کا اہل وعیال کولگام کے مشرق میں قریبا دو کلو میٹر دور آمنو میں آسودہ ہیں۔ ان کے فرزندان میر محمد یوسف سمنانی اور میر سعید جعفر سمنائیؒ کے روضہ ہیں۔ وہیں آگے بڑھ کر ماموں سید نور الدین سمنانی کا روضہ ہے یہاں کے وسیع قبرستان میں ان کے 23 برادران جبکہ زوجہ کا روضہ علیدٰہ طور ہے اس قبرستان میں 361 سادات مدفون ہیں زوجہ کے روضہ اسطرح بندش کی گئی کہ اسکے اندر نظر نہیں جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ ایک وقت ایک کوا دیوار کو پھاند کر اندر گیا تو اسکی آنکھیں زمین پر گر گیں اسکے بعد کوئی بھی پرندہ اسطرح پر نہ مار سکا۔ مسجد شریف اور سکول بھی ادھر ہے یہ جگہ دیکھنے لائق ہے آستان عالیہ کولگام کی طرز تعمیر شاہمیری دُور کی نمایندگی کرتی ہے اس آستان پر ہر جمعرات کو عقیدت مند حاظر ہوئے ہیں، ماہ صغر کی گیارہویں شب اور شعبان الاعظم کو رات بھر دُرود واذ کار کی مجلس آراستہ ہوئی ہے۔ عُرس لگتا ہے تبرکات کی نشاندہی ہوتی ہے حضرت میر سید حسین سمنائیؒ کے علاوہ میر محمد مبارک حیدری کا تربت شریف آستان عالیہ کے جنوب طرف نئی طرز سے بڑی مسجد شریف تعمیر کی گئی

ہے۔اسطرف باہر نکلے دروازے کے ساتھ قدیم بوڑھا موٹا گولائی پیڑ کھڑا ہے اسی صحن میں مشرق جانب ڈیڑھ سو برس پُرانا حمام و مسجد تھا جو 1989ء میں نئے طرز سے تعمیر کیا گیا۔صحن کے مشرقی جانب پرانے طرز کی ڈیوڑھی منہدم کی گئی۔ عُرس ۱۱ صفر المظفر اور شعبان المعظم تبرکات چادر مبارک حضرت علی کرمؓ اور کلا ئے مبارک دونوں بزرگان کی نشاندہی ہوتی ہے نور خانہ کے اند کھڑاوٗں ہیں ان کی نہیں ہوتی ہے۔عرس شام دور کے عقیدت مندان ذرائرین کے کھانے پینے کا انتظام رہتا ہے صفائی تھای اور غسلخانوں کا انتظام ۱۹۹۵ء کے بعد شروع ہوا حضرت میر سید حسین سمنانیؒ کے رشتہ دار جو اُن کے خلفا بھی رہے حضرت اکنُ الدیں سمنائی اور حضرت سید حسن سمنائی کولگام کے شمالی جانب ۲۰ میل دُور پُر خطر آب جوئے طغیانی والے کھُلے نالہ ربنی آرہ کنارے قیام پذیر رہے جو کہ پرگنہ شاہورہ کاپتی پورہ گاوٗں سے موسوم ہے اپنے ہمراہ عکس پائے حضرت محمد رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم اور موئے مبارک امیر المومینن حضرت عمر فارق اعظم لائے۔جس کے نشاندہی سینکڑوں برس سے ۱۲ ربیع الاّول اور ۲۷ رجب المرجب کو ہوا کرتی ہے کئی سال اسی جگہ حاجی عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ عُرف بلُبل صاحب زندہ قبر کہ غار میں بٹھ کر ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آستان عالیہ کولگام کے مشرق جانب ایک سو گز دوری پر جامع مسجد ہے اس جگہ حضرت امیر کبیرؒ سے عبادت وریاصنت کی ہے۔ 1989ء تک وہ چلہ کوٹھری برابر موجود تھی پھر

مسجد میں ہی نئے طرز سے بطور یادگار نشانہ چھوڑ دیا گیا، کہا جاتا ہے حضرت امیر کبیرؒ نے اس مسجد کی جو بنیاد ڈالی تھی وہ برابر موجود ہے اسی کے ساتھ نایئک محلّہ ہے حُمبہ نایئک کی شاہی کی مثال اسی جگہ سے منسوب ہے۔ کشمیری میں دوسری مثال کیھنہ نہ کام کولہ گوم یعنی کچھ نہیں کام کولگام جاؤ بھی قدیم زمانے سے مشہور ہے۔ یہ بات زمان ردعام ہے۔ دوسو برس پرانا تسیری منزل مکان ایک تاریخی تعمیری شاہکار ہے

قصبہ کولگام میں کول واگی شوری کا مندر کا اھاط دیکھنے کے لایق ہے۔ ادھر ایک باغ اور چشمہ ہے مندر کی مورتی متعلق روایت ہے کہ ایک بزرگ پنڈت کو خواب میں تاکید کی گئی کہ وہ نالہ ویشو سے مورتی لائے تین بار خواب دیکھنے کے بعد وہ کچھ افراد کے ہمراہ نالہ ویشو کی جانب چلا اور اس مورتی کو حاصل کر کے ادھر مندر بنایا۔

کولگام کی علاقائی زبان اصلی کشمیری ہے جو اسلام آباد تک اُسی لب و لہجے سے بُولی جاتی ہے تم استعمال بُولتے ہیں۔

علم وادب شعروشاعری کے لحاظ سے کولگام کو اس لحاظ سے کشمیر میں خصوصی درجہ ہے۔ کہ حضرت شیخ العالمؒ کا کلام اسی علاقہ میں زبان زدعام ہوگیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے آباداجداد سپر وگاؤں میں آباد تھے۔ لولی حاجی جو معروف شخصیت تھی نے کافی حج پیادہ کر کے یہ نام کمایا تھا کولگام میں کچھ نامور شاعر گزرے ہیں۔ جن میں امبر خان کولہ پوری، لالہ لکھن جو چوگام، احمداللہ ولیس بٹ پورہ، کرشن جوراز دان شام لال پردیسی ونپوہ

وغیرہ شامل ہیں۔ بسیار گوشاعروادیب نقادغلام نبی ناظر یاری پورہ کا ۱۹۶۰ء سے کافی کام رہا دیوان غالب کا کشمیری ترجمہ کیا۔ کئی اردو کشمیری کتابوں کو تصنیف کیا ہیجانی پہچانی ادبی شخصیت ہے۔

کولگام مین دیوسر کے شمال مغرب جانب جنگل میں اکہ ہالک ژکر پلی یعنی اکہ ہال کا بڑا زمین کا حصہ ہے۔ قدیم زمانے سے مختلف مقامات دوُرکوٹ' چکہ ژلنوٗ ناڈمرگ' دماندواڑ' ہون ہنیگ' یاری پورہ' پاپہ ہرن۔ پرانہ ہال کیموہ، وٹو ناسوزر' اشتھل 'چھتہ بل' کھر بور چشمہ وغیرہ اپنے اپنے لحاظ سے تاریخی اہمیت کی جگہیں ہیں۔

تاریخی طور کولگام پُرانا تحصیل رہا ہے۔ جس میں کچھ حصہ شوپیان اور کچھ حصہ ڈورد کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ تاریخی حثیت اور مرکزی جگہ کی بدولت1988ء 1989ء میں کولگام کو ضلع بنانے کی ایجٹیشن منفرد طریقے سے چلی جو کشمیر میں کافی مشہور ہوئی۔ 2007ء میں اسے ضلعی درجہ دیا گیا۔

رسم ورواج' شادی بیاہ اور ظرز زندگی کے طور طریقوں میں کولگام تو اصُولی طور کشمیریت کا نمونہ لگتا ہے۔ اس علاقے میں کئی جگھوں پر قدیم ظرز کی تعمیرات نظر آتی ہیں۔ کچھ دیہات میں قدیم زمانے کا جیسا ماحول لگتا ہے۔ ویسے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ کولگام کے ہی مختلف حصّوں میں مختلف طرز فکر کے لوگ گذر بسر کرتے ہیں۔ کچھ کا تعلق براہ راست بیرون ریاست سے ہے۔

کولگام کا جنوبی مغربی حصہ پہاڑی ہے قدیم طرز طریقہ اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ جبکہ باقی حصہ ڈھلوانی اور میدانی ہے۔ کولگام میں بلندی پر سبز شاداب گھنے جنگل، ندیاں، چشمے، دلفریب جگہیں، ثمردار باغات، دھان کے کھیت، کھلے میدان اور تاریخی جگہیں نظر آتی ہیں۔ علاقے کا آب وہوا چھ ماہ معتدل وخوشگوار اور جاڑے کے چھ ماہ میں ٹھنڈ رہتی ہے۔ موسم گرما کو شام کے وقت کولگام سے نالہ ویشو سے سیر کرتے ہوئے جنوب مغرب نظر اٹھتی ہے تو یہ فلمی گیت

پربتوں کے پیڑوں پر شام کا بسیرا ہے

سرمئی اُجالا ہے مخملی اندھیرا ہے۔

ایک دم ہونٹوں پہ آتا ہے۔

یہ عیاں ہے کہ کشمیر میں کولگام خصوصی تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ 2007ء تک چار بلاکوں کولگام، کیموہ، دمحال ہانجی پورہ، دیوسر اور چار اسمبلی حلقوں کولگام، نور آباد، دیوسر اور ہوم شالی بگ پر مشتمل رہا ہے۔ اعداد وشمار طور 293 دیہات آباد میں شماد کی گئی کا کل رقبہ 116839 ایکڑ ہے۔ یہ اک حقیقت ہے۔ کہ تعمیر وترقی کے لحاظ سے 2007 تک پچھڑا علاقہ مانا جاتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

تاریخی نالہ رنبی آرہ کا خوبصورت جغرفیائی خدوخال

وادی کشمیر قدرتی نظاروں سے مالا مال ہے یہاں کے بلند قامت پہاڑ، جنگل ہرے بھرے کھیت کھلیاں، کھلے میدان، باغات مرغزار اور چراگاہیں زمانہ قدیم سے راجوں بادشاہوں اور سیاحوں کیلئے باعث فرحت رہے ہیں قدرت نے اس خطے کو بے شمار چشمے ندی نالے جھیل اور آب گاہیں بخش دئے ہیں کوہساروں ور گھنے جنگلوں سے پھوٹے پانی کے وسیلوں نے ندی نالوں کی صورت میں وادی کشمیر کے مختلف علاقوں میں سے گذر کر اپنی راہ بنالی ہے ان کی تعداد کافی ہے جنوبی کشمیر میں ایسے ندی نالوں کی کافی مقبولیت ہے جو اسلام آباد بیجبہاڑہ اور سنگم کے آس پاس ملتے ہیں ان میں برنگی۔ساندرن۔آرہ پتھ۔نالہ۔لدرویشو۔ رنبی آرہ۔آری پل اور رومشو پھر دریائے جہلم کے منبع ویری ناگ سے آئے نالے کیساتھ جڑتے ہیں

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ پیر پنچال پہاڑی سلسلے سے نکلے اور شوپیان کے جنگلوں کو کاٹتے ہوئے کھلا چوڑا نالہ وادی کشمیر کا سب سے لمبا نالہ رنبی آرہ ہے۔

جسے کشمیری میں رنبی آرہ اور رنب آڑہ بھی کہتے ہیں اسکے پانی کا منبع

مغرب جانب بلند قامت پیر پنچال پہاڑی سلسلے کے گلشیر پانی کے منبع نندن سر چندن سرا اور روپڑی نام سے مشہور ہیں۔ اس وسیع ندی کی تاریخی اہمیت ہے جو کہ وتستا (جہلم) کا مشہور مغرب جانب معاون ہے اور اس میں بہار اور برسات کے ایام میں عموماً طغیانی آتی ہے اور پانی کے بہاؤ میں کافی تیزی کی وجہ پہاڑی بالائی اور ڈھلوانی علاقوں سے گذرنا ہے اس نالے کی شافیں ندیاں سنی گلو، نوٹ اور لار ہیں وہیں رنبی آرہ سے مختلف جگہوں پر چھوٹی شاخیں مختلف دیہات میں سے گذر کر وہاں آبپاشی کی سہولیات بہم پہنچاتی ہیں بہار اور برسات کے آخر پر نالہ رنبی آرہ میں پانی کم ہوتا ہے او جاڑے میں پانی بلکل کم رہتا ہے اس وجہ سے چھوٹی چھوٹی ندیاں سوکھ جاتی ہیں اور کھیتوں کو سیراب کرنے میں مشکلات آتے ہیں۔

تاریخی اہمیت: ۔پانچ ہزار ایک سو سال پہلے راجہ کنز (گنز) کے عہد میں رنبی آرہ کے معرض وجود میں آنے کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے۔

''ششر وس کی بہن ناگ رمینہ پہاڑوں کے بعید مقامات سے بہت سے پتھر ہمراہ لیکر اپنے بھائی کی امداد کیلئے آئی لیکن نوپورہ سے ایک یوجن

کے فاصلہ پر ہی جب اس نے سنا کہ اسکے بھائی نے اس کام کو طے کرلیا تو اس
نے وہ پتھر اس جگہ دیہات میں برسادئے اور پانچ یوجن تک وہ مقام بڑے
بڑے پتھروں سے ڈھک گیا۔ چنانچہ آج تک اسکا رمینہ توی یعنی رمینہ کا جنگل
مشہور ہے (بحوالہ راج ترنگنی حصہ اول صفحہ ۱۲۸) ایک یوجن آٹھ میل کا ہوتا ہے
اور اسطرح پانچ یوجن ۴۰ میل بنتے ہیں رنبی آرہ جو پیر پنچال سلسلے سے شروع ہوتا
ہے۔
مغرب سے لیکر مشرق جانب بل کھاتے ہوئے برابر سنگم تک ہے پہلے نالہ ویشو
اس سے ملتا ہے اور پھر رنبی آرہ کاوئی پر جہلم میں جاملتا ہے مگر پتھروں سے ڈھکا
علاقہ صرف مغرب جانب ذبجن اور ہرہ پورہ شوپیان سے ہفت شر مال نکلورہ تک
ہے اس کھلے وسیع نالے کے جنوب کنارے ضلع شوپیان یعنی شمال جانب بھی آتا
ہے مگر نیچے شمال سے مشرق حصہ تک ضلع پلوامہ کے دیہات آتے ہیں اس
چوڑے نالے میں پتھر ہی پتھر نظر آتے ہیں شوپیان سے ہڑہ پورہ ذبجن ہرہ
پورہ شوپیان کے مغرب میں واقع علی آباد سے ایک کلومیٹر نیچے پہاڑی سلسلہ نالہ
رنبی آرہ کے حصہ میں ملتا ہے اس کا نام ہستی وانج ہے کشمیری میں ہستی وانج کا

مطلب ہے ہاتھی کا دل اسکے متعلق یوں تذکرہ ہے کہ راجہ میہر کل لنکا کو فتح کے بعد واپس اس جگہ پہنچا تو ایک سو جنگی ہاتھی اس جگہ اونچائی سے گرائے گئے تب سے اسکا نام ہستی وانج نام پڑ گیا۔ (نالہ رنبی آرہ کے دونوں کناروں کے علاقے مخصوص جغرافیائی خدوخال کیساتھ دل کو لبھانے والے مناظر پیش کرتے ہیں جہاں مغربی کنارے مانلوزوراہ کے ہرے بھرے گھنے سنہری رنگت کی دھوپ کا عکس، دور دور تک پتھر ملا علاقہ اور خاموش سناٹا بھی اپنی مثال آپ ہے بلہ پورہ کی جگہ پر ہی ہیی مال ناگرائے کی قدیم لوک کہانی زمانہ قدیم سے مقبول عام ہے مغرب شمال کنارے ہیی مال اور اور مشرقی کنارے صافن نامن کے قریب ناگرائے چشمہ برلب سڑک اس کہانی سے جڑے ہوئے آثار ہیں۔

نوپورہ کی جگہ آگے اس نالے کے کنارے ہندوستان پٹرولیم کارپوریشن کا رسوئی گیس بھرنے کا پلانٹ 1982ء میں لگایا گیا اسکے متصل ہزاروں کنال اراضی پر انڈسٹریز سٹیٹ ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے اپنی تحویل میں لیکر مختلف کارخانے قائم کرنے کا کام ہاتھ میں لیا ہے گیس پلانٹ کے متصل چمڑے تیار کرنے کا ایک کارخانہ چالو ہے اس جگہ میوہ کولڈ شور اور دودھ فیکٹریاں بھی ہیں

گیس پلانٹ کے مغرب جانب رنبی آرہ کے کنارے تک برابر پختہ سڑک ہے اسی جگہ علاقہ کا نام اب عام وخاص کی زبان میں سیڈکوSIDCO پڑا ہے پل کا انتظام اسی جگہ کئی بار نالہ رنبی آرہ کے پار درازپورہ اور ترکہ وانگام دیہات کے لوگ عبور ومرور کیلئے پیدل چلنے کیلئے پل بناتے آئے ہیں کئی سال سے تعمیر شدہ لکڑی کے پل ہر سال پانی کے تیز بہاؤ سے نام ونشان سے مٹ جاتے گئے اور کئی جانئیں تلف ہوگئیں چاہتے ادھر ہی نالہ رنبی آرہ کا شکم تنگ ہے یعنی دونوں کناروں کا فاصلہ تقریباً ایک کلومیٹر۔ وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کے ہدایات کے تحت پُل کی شروعات ہوئی جو تین سال میں مکمل ہوئی۔ سیڈکو کے مشرق جانب گریڈ سٹیشن ہے یہ گریڈ سٹیشن ایسا قدم ہے کہ پلوامہ اور شوپیان کے دیہات کو ترسیلی لائن بچھا کر پاور سپلائی کی بہتر سیولیات دستیاب ہوئی رہیں۔

اس جگہ سے آدھ دُور زیادہ چوڑا اور کھلا نظر حصّہ آتا ہے لگ بھگ تین کلومیٹر چوڑی اس جگہ رنبی آرہ دلکش حصہ لگتا ہے جب نظر مغرب کیطرف اُٹھتی ہے تو پہاڑی سلسلہ پیر پنچال کا اور مشرق سلسلہ جانب جیسے ڈھلوان دُور دُور کا پہاڑی سلسلہ (ضلع اننت ناگ کا حصّہ دیپور سے بُلکل سامنے لگتا ہے) جنوب

جانب سیڑھی نما کھیت اور سطح مرتفع حصہ سوگن اور اس کے کھیت ہیں سے جڑا ہوا علاقہ ہے اس جگہ نالہ رنبی آرہ کی Topography قابل دید ہے اسکے ہی اُوپر نوٹ ندی وہی آرہ سے جڑتی ہے۔ موسم بہار و موسم گرما میں خوبصورتی اور بڑھ جاتی ہے یہی وہ جگہ ہے جب ۱۹۶۴ء میں ہوائی جہاز گر کر تباہ ہو گیا تھا اسطرح نالہ رنبی آرہ کشمیر میں اور مشہور ہو گیا مال برواری کا یہ جہاز بڑے بڑے پتھروں سے ٹکرا گیا مگر جہاں کپٹن اور عملہ کو بروقت بچایا گیا یہ جبکہ اب بھی کافی سنسان لگتی ہے ان ایام میں ٹھاب سے موجود گریڈ سٹیشن کے پرے تک قدم آبپاشی نہر پر سے ہی سڑک کا انتظام تھا اور اسی راستے سے اعلیٰ سول اور فوجی آفیسران اس جگہ معائنہ کیلئے آئے ۔تب تک وسیع کھلے علاقہ شاہورہ اور اس جانب سوگن تر کہ وانگام تا شوپیان تک سڑک کا کوئی انتظام نہ تھا۔اس جگہ کو جہاز باب صابن کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا یہاں متحدہ ضلع اننت ناگ کے مختلف علاقوں سے مرد و زن کا ایک ماہ تک تانتا بندھا رہا۔ اگر چہ کچھ مشینی پرزے انڈین ائر فورس کے منتظمین لے گئے مگر جو بلہ ٹین لوہے اور ساز و سامان کی صورت میں انہوں نے ادھر ہی چھوڑ دیا وہ دور دور تک بکھرا تھا اور کافی تعداد میں

لوگ کو یہاں آتے رہے اٹھا کر لے جاتے۔ یہاں تک کہ کئی سالوں کے بعد اس جگہ ایک نشان تک نہ رہ گیا۔

نالہ رنبی آرہ کے دونوں کناروں پر گردونواح ایک سو چھوٹے بڑے دیہات کی بستیاں آباد ہیں زمین، باغات اور پلانٹیشن ترسریاں آتی ہیں مئی جون اور بارش کے ایام میں پانی کے تیز بہاؤ اور گلیشر کے پھگلنے کے بعد کافی مقدار میں اس نالے میں پانی آتا ہے قدیم زمانہ سے اس نالہ کے متعلق یہ پات جڑی ہوئی ہے کہ ہر سال یہ کچھ جانیں تلف کرتا ہے کیونکہ یہ نالہ خونخوار اور خوفناک ہے یہ اک حقیقت ہے کہ تیز بہاؤ میں بھی لوگ اس کو پار کرتے ہیں رسی جوڑ کر یا لاٹھیوں کے سہارے مگر پتھروں پر پاؤں پڑ جانے سے پھسلن کچھ کچھ کو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے سچ تو یہ ہے کہ اس درجنوں انسانی جانیں تلف ہوتی رہی ہیں جب سیلاب آتا ہے اور لاتعداد جانور بھی اس میں بہہ جاتے ہیں پلوں کی تعمیر تیز بہاؤ سے ان چالیس میلوں پر مختلف جگہوں پر بنائے گئے عارضی پل بھی بہہ جاتے ہیں آر پار جانے کیلئے لوگ نہ صرف مصائیب ومشکلات سے دو چار ہوتے ہیں بلکہ زمینوں باغات اور درختوں کو بھی رنبی آرہ اپنے ساتھ بہالے

جاتا ہے کئی مقامات پر تعمیر بڑے پل مختلف علاقوں کو آپس میں ملاتے ہیں پلوامہ
شوپیان سڑک پر شرمال پُل تو رنگہ کدل کے نام سے معروف ہے جو نالے پر پہلا
پل ۱۹۵۰ء سے بنا ہے۔ اور اس جگہ Tropography کچھ کم نہیں۔ شیخ پورہ
اور ترنج کے درمیان بھی پُل تعمیر ہوا۔ ۲۰۰۲ء میں شوپیان بٹہ پورہ اور کپل موچی
درمیان پُل بنا۔ اسکے مشرق جنوب وسیع عریض علاقہ شاہورہ میں سے گذرنے
والے اس نالہ رنبی آرہ پر لتر اگلر تک کوئی پُل موجود نہیں تھا رنگہ کدل کے
پار صافن نامن سے نکلی پنجورہ ترکہ وانگام تا اگلر راستہ کو ساتویں دہائی میں سڑک
کی صورت دیدی گئی۔ شوپیان اگلر لتر کی یہ ۲۴ کلومیٹر سڑک لتر پل کے ساتھ
پلوامہ سڑک سے جڑ جاتی ہے اسی سڑک پر وچی کے مقام پر اسی نالے پر ایک پُل
تعمیر ہوا ہے اور یہ رابطہ سڑک آگے بجبہاڑہ شوپیان سڑک کے ساتھ جا ملتی ہے
ایک اور پل رکھ لتر درباغ اس پر تعمیر شدہ ہے وچی سے آگے نائینہ سے ادھر سکڑا
ہوا نالہ رنبی آرہ جنوب سے آئے نالہ ویشو سے ملتا ہے اور دو کلومیٹر دور شمالی
جانب نالہ لدر کے ساتھ ملنے سے پہلے اس پر چھٹی دہائی میں پُل تعمیر ہوا ہے یعنی
پلوامہ سنگم سڑک پر نائینہ کی جگہ پلوامہ سے آئی ٹھاب چکورہ سڑک اس سڑک سے

جا ملتی ہے جبکہ پُل کے شمال جانب جانے والی سڑک کاونی سے آگے گوری پورہ اور پودگام پورہ کے مقام پر پلوامہ اونتی پورہ سڑک کے ساتھ جڑ جاتی ہے۔ گاؤں کے ہر مقام پر دریائے جہلم سے دیہات اس نالہ کے پہاڑی حصے اور بالائی علاقہ کیطرف دور مغرب وجنوب جہاں خوبصورتی اور بڑھتی ہے اس نالہ کو اور پرکشش بنانے کیلئے اس جگہ سیاحوں کیلئے کچھ پارک کو بنانا چاہئے یعنی دچھن سے لیکر چوگام تک وہاں سے لیکر اس نالے کے کنارے دچھن ۔ ہیرہ پورہ۔ چوگام ۔قصبہ شوپیان ۔علی یار پور۔آرہ ہامہ۔ صافن نامن ۔ پنجورہ۔ سوگن ۔ چلی پورہ۔ ہف شرمال ۔اور شمالی کنارے پر بلہ پورہ۔ سندھوشرمال ۔ پھر ناظم پورہ۔ شیخہ پورہ۔ بالانو پورہ۔ پتی پورہ۔ پنجرن ۔اور اچھن آتے اس چالیس میل لمبے چوڑے حصے میں بڑے بڑے گول اور چھوٹے پتھر نظر آتے ہیں بیس برسوں سے گردونواح کے گاؤں کے ضرورت مندر نبی آرہ سے پتھر، ریت اور کنکر لے جاتے ہیں۔ روزانہ ٹرکوں اور ٹرکٹروں کا آنا جانا رہتا ہے گیس پلانٹ سیڈ کو اور گرڈ سٹیشن کی جگہ کے حصے سے بولڈر اور باجری اٹھائی جاتی ہے۔

قدیم زمانے سے مغل روڑ اسی نالہ رنبی آرہ کے کنارے کنارے پیر

پنچال سلسلہ سے چلا آیا۔ بیشتر دیہات پر ایسے مندر اور مساجد کے علاوہ بزرگوں کی زیارت گاہیں عقیدت مندوں کیلئے باعث کشش آئی ہیں چوگام ٹیلے پر نئی تعمیر شدہ چھوٹی مسجد حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے اس مقام پر کچھ عرصہ عبادت و ریاضت کے راسطے ٹھہرنے کی ایک یادگار کے طور پر موجود ہے جب کہ آرہ ہامہ میں حضرت سعید گنج الدین بخشؒ کا آستان عالیہ ایک گرم زیادت کے طور پر مشہور ہے پنجورہ کی اونچی جگہ پر موئے مبارک پیغمبر اور کچھ تبرکات عالم اسلام کی برکات اور مبارک بادی کے آثار ہیں شمال کنارے حضرت سید حسن سمنائیؒ کے آستان عالہ استھان جہاں رسول پاک کے قدیم مبارک کا نشان سنگ پر نمایاں ہے جسکی نشاندہی ۱۹۵۰ء سے عید میلاد النبی اور معراج عالم کے مبارک ایام میں کی جاتی ہے اس سے آگے اچھن کی جگہ پر اونچا ٹیلہ ہے جس پر حضرت ملک حیدر کا آستان ہے قدیم کتابوں میں درج ہے کہ جب کشپ رشی نے کشمیر کو بنایا تو دیوی کی پراتھنا کرنے اس مقام پر پرچھوم شروع کی اور اس جگہ ہوون کیا۔

جنوبی کنارے ہف شرمال سے آگے نکلورہ کے نزدیک یہ نالہ مدہم رفتار سے

دریائی شکل میں رواں ہوتا ہے لتر کی جگہ اسکے کنارے جامع مسجد کے ساتھ خوبصورت پھولوں کی پارک سے سجا سجا آستان عالیہ ہے حضرت سعید احمد قریشی کا آستان عالیہ ہے وہی وچی گاؤں میں حضرت میر محمد ہمدانی کا خاگفاہ موجود ہے ٹھاب سے آئی ہوئی وانکرن کاونی کی جگہ رنبی آرہ سے ملتی اس جگہ مسجد قبرستان اور ایک بزرگ کا آستان ہے۔نکلورہ سے نالہ رنبی آرہ نائینہ کاونی تک دریائی صورت ۱۵ میل کے قریب ہے اس حصے میں ریت ہے اور سالہا سال لوگ اس سے ریت اُگلوا کر نالہ رنبی آرہ سے کناروں پر جمع کرتے ہیں اور اسکو ضرورت مندوں کو بیچ دیتے ہیں اسطرح پتھر بولڈر، باجری اور ریت کی پیداوار میں کوئی کمی آتی نہیں نالہ رنبی آرہ یہ جماوات اپنے سینے سے اگلوا کر قریب رجوار کے دیہات کو معاشی استحکام بھی بخشتا ہے۔

مورخوں اور شعرا نے نالہ رنبی آرہ کا تذکرہ اپنے تصانیف میں کیا ہے کا منبع پیر پنچال کے کوہستانی سلسلے کے درمیان میں ہے جس کا تذکرہ تاریخ حسن جلد اول میں آیا ہے اس سے زمین کو سیراب کے واسطے قدیم زمانے سے جو ندیاں نکالی گئی ہیں وہ کافی مقبول ہیں ان میں سن گلو موضع چوگام سے نکل کر

مشرق کیطرف آڈون اور زینہ پورہ گنوں تک کی زمین کو سیراب کرتی ہے
اور وچی کے مقام پر اصلی رنبی آرہ سے ملتی ہے دوسری کا نام نوٹ ہے جو کہ
چوگام کے نیچے سے نکل کر ترنج ترکہ وانگام سوگن علاقے کو سنچائی کی سہولیات
پہنچاتی یہ ندی ترکہ ونگام کے مشرق جانب بڑے حصہ رنبی آرہ سے مل جاتی
ہے۔ تیسری ندی لاڑ ہے جو کہ پرسمن شکروہ یعنی شوپیان کے مغرب شمال
اطراف قصبہ پلوامہ کے جنوب سے لیکر مشرق جانب بنڈزوہ ترچھل پائر، کوئیل
ل نوکنہ رتنی پورہ اور پدگام پورہ سے ہو کے دریائے جہلم سے ملتی ہے اسکی دوسری
شاخ برتھی پورہ نکس آری ہل جھنڈ وال سے آکے نائرہ سے آگے اسی اوپر والی
ندی سے ملتی ہے دونوں کو لار کہتے ہیں البتہ بنڈزو سے گذرنے والی کو نالہ ساسی
بھی کہتے ہیں اسکے علاوہ بھی رنبی آرہ سے کئی ندیاں نکلتی ہیں ایک اور ندی شرمال
کے مقام سے آگے نکل کر مختلف دیہات کو سیراب کرتی ہے ایسی ہی ایک چھوٹی
ندی کو سلر ندی کہتے ہیں جو آہگام سے شروع ہو کر، شادی پورہ، تملہ ہال آرہ
مولہ کے کریوا زمین کو سیراب کرتے ہوئے گذرتی ہے پھر یہ چھوٹے چھوٹے
حصوں میں بٹ جاتی ہے تملہ ہال کریو سے گذرے حصہ کو لوڈانج کول (ندی)

کہتے ہیں جو آگے لاسی پورہ کو جاتی ہے ایک شاخ دوسری حصہ ملبری نرسری تملہ ہال کے باہر سے گذرتے تملہ ہال گاؤں کے بیچ سے گذرتے پانی کے وسائل سے ملتی ہے اسکی شادی پورہ سے ہو کے ذاسو تملہ ہال کی سرحدوں سے گذر کر نکلتی ہے ڈونبہ کل نام سے موسوم ہے لار نالہ سے ٹہاب سے گذرتے و انکران ندی نام سے کانی سنگم کے پاس دریائے جہلم سے ملتی ہے۔

نالہ رنبی آرہ کے مرکزی حصہ یعنی موجودہ گرڈ سٹیشن کے قریب پتی پورہ کے اوپر جو نہر آبپاشی موجود ہے وہ لاسی پورہ، تملہ ہال، ذاسو اور ٹہاب گاؤں کے مغرب طرف کریواہ ٹہاب سے گزرتے ہوئے نونگری کریواہ کیطرف مڑتی ہے پر برابر سڑک تھی جب تک کہ ٹہاب سے چکورہ اور لتر سڑکیں تعمیر کی گئیں تب تک ٹرک اور موٹر گاڑیاں اسی پر رنبی آرہ تک چلتی تھیں اس کو ٹہاب بہر کا نام بھی دیا گیا۔ بزرگوں بڑھے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ اس نہر کو بڈشاہ نے تعمیر کیا تھا اور پانچویں دہائی میں شیخ عبداللہ کے دور حکومت میں اسکو بڑھا دیا گیا مگر تاریخ حسن میں اس نہر کے نکالے جانے کا تذکرہ اسطرح ملتا ہے۔ ”راجہ گلکندر برادرزا... سچی تر در ۱۳۵۲ کلی جگ ودر حدود مراج بر کریوہ بلند تونگر نامہ شہر آباد

ساخت کہ تعداد عمارت آں مورخاں سیزدہ لک خاد تحریر کردہ اند۔ واز جوے رنبی آرہ سار بندی نمودہ میاں شہر نہر جاری ساخت ودر ضمن شہر بت خانہ ہائی بسیار یاد گار گذاشت چھل و پنج سال حکومت کردہ وداع نمود" یہ نہر عرصہ اب یہ پیش سال سے برباد ہوتی گئی"۔ اور گرد ونواح کھیتوں کو سیراب نہ ہوسکتا ہے ناجائز قبضہ جماؤ دوطرفانہ ہوتا چلاے آیا ہے۔

اسطرح نالہ کا حسن شاہ کھو یہامی مورخ کے علاوہ کئی تاریخی کتابوں خاصکر راج ترنگنی میں ملتا ہے کشمیری شعرا نے اپنے کلاموں میں نالہ رنبی آرہ کے تیز بہاو اور خدوخال اور برملا ذکر چھیڑا ہے۔

شاعر حسن ڈار کی مشہور غزل جو سالہا سال سے ریڈیو کشمیر سرینگر سے اکثر وبیشتر گائی جاتی ہے یوں ہے

۱۔ ژندن نے ہاژندن دارے

۲۔ لولہ نارن ہے زاجی نس

۳۔ واجی نس منز رنبی آرے

۴۔ لولہ نارن ہے زاجی نس

ایک اور مشہور گیت جو زبان زدہ عام ہے

۱۔ ولے کستوریے پوری مے تراونیرے

۲۔ رنبی آر چی رنبہ ونہ یے ژیرکوت چھکھ یزان

شاعر کشمیر پیر زادہ غلام احمد مہجور اپنے بچپن کو رنبی آرہ کے ساتھ مشابہت دے کر گاتے ہیں

۱۔ میون لوکہ چار ژلہ ون آب رنبی آر

۲۔ گوسہ فیرتھ بُن چھہ دشوار

۳۔ کولہ رادن تہ وویہ سبز زار ہو

۴۔ نو بہار ولیہ میانہ لوکہ چار وہو

۵۔ راتھ اوسکھ رنبی آرہ یروالان حوہ

۶۔ چھے وتھان ونہ کن غبار وکو کچار وہو

اس نالے کے پر جوش بہاؤ کے بارے میں ایک کشمیری شاعر دہاب پرے یوں کہتے ہیں۔

۱۔ اوی اوسکھ رنبی آرو ایرہ والان کوہ

۲۔ چھی دوتھان ونکین غبار ولوکہ چارہ ہو

علاقہ شاہورہ کی سب سے بڑی شناخت اگر رنبی آرہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔اسی علاقے کے سبزہ زار کھیت باغات اور بستیاں اس نالہ کے ڈھلوانی اور چوڑے چکلے حصے کے دونوں کناروں پر آباد ہیں شمال طرف کا حصہ دیہات ریتلا اور پتھریلا اسی کا ثبوت ہے اور اسی کے نام پر پتی پورہ کے شمال جنوب آرہ مولہ گاؤں ہے ایک روایت ہے کہ اس گاؤں کو بھی رنبی آرہ کا پانی سیلاب کے ایام میں اپنی زد میں لاتا تھا ادھر ایک بزرگ ملک آل پال صاحب نے دعا کی اور رنبی آرہ کے پانی کا بہاؤ آگے اسطرف نہ مڑا۔تملہ ہال گاؤں میں آڑہ بٹن بھی اسی نام سے ایک کھیت کے بڑے رقبہ کو پکارا جاتا ہے اسی طرح علاقہ شاہورہ کے دیہات کا رنبی آرہ کے ساتھ چولی دوامن کا ساتھ ہے اس علاقہ کے اس صدی کے واحد مقبول شاعر نے تاریخ شاہورہ منظوم کشمیری میں مرتب کی ہے اس میں رنبی آرہ کا تذکرہ خوب ملتاہے غلام نبی ظہور ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔

وچھن کھودر دوان پکھ دنی گرہ ھاپانے نوان سے پے

یوان ہمراہ چھ کیا کیاہ ہیرہ بون رنبی آر شاہورس

ایک مقبول مزاحیہ کشمیری شاعر اور سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بٹہ مالو سرینگر خضر مغربی نے بھی رنبی آرہ نالہ کا تذکرہ اپنی شاعری میں اسطرح کیا ہے۔

جایہ جایہ ڈاس آو کرنہ کلن۔

ہوش تے وُ وش ترو در بنی آن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وادی نیوما کے خدوخال

لداخ کا خطہ رقبے کے لحاظ سے جموں اور کشمیر کے صوبوں سے کافی بڑا ہے دو ضلعوں لیہہ اور کرگل پر مشتمل یہ وسیع وعریض حصہ منفرد حثیت رکھتا ہے ذوجیلا درہ سے سرینگر اور ٹنگلنگلا درہ سے یہ ہماچل پردیش سڑکوں کے ساتھ بیرونی دنیا سے جڑا ہوا ہے مگر برف باری ہو کر درے بند ہونے کی وجہ سے سرینگر اور منالی کیلئے نومبر سے مئی تک ٹریفک بند ہو جاتا ہے اسطرح لداخ سڑک کے راستے دنیا سے کٹ جاتا ہے دہلی، سرینگر، جموں اور چندی گڈھ سے ہوائی جہاز لیہہ آتے ہیں اونچے تنگے کوہساری سلسلے کی تنگ وادیوں میں سے سڑکوں کا جال بچھایا گیا ہے کچھ سڑکیں کبھی کبھار سخت برفباری، جم ہو جانے اور دروں کے بند ہو جانے کی وجہ سے ٹریفک کی آمدورفت کیلئے نہیں رہتیں ہیں کچھ راستے تو سال کے آٹھ ماہ تک بندرہتے ہیں کچھ سڑکیں ایسی بھی ہیں کو کبھی بھی بند نہیں ہوتیں ان میں سے لیہہ سے نیوما جانے والی سڑک خاصی اہمیت کی حامل ہے۔

لیہہ سے جو سڑک منالی جاتی ہے اسکے ۴۹ ویں کلومیٹر پر اپشی آتا ہے دریائے سندھ پر لگے پُل کے پار جنوب جانب منالی ہماچل پردیش کو سڑک جاتی ہے اسطرف زائد ۲۰۰ کلومیٹر کا حصہ سرچو تک بلاک نیوما کا حصہ ہے پل سے اس طرف مشرق کو بلندی کی سڑک سال بھر ٹریفک کیلئے کھلی رہتی ہے یہ سڑک نیوما جاتی ہے اور اپشی سے ادھر ۱۳۳

کلومیٹر فاصلہ ہے یہ راستہ تبت سے لداخ آنے کا قدیم راستہ رہا ہے۔

نیوما کو جموں و کشمیر کے نقشے میں نیوما ریپ لکھا گیا ہے اور کئی نقشوں میں اسلئے ماہی سے آگے نہیں دکھایا گیا ہے کیونکہ یہ سرحد چین کی وجہ سے ممنوعہ ہے دریائے سندھ نیوما کی صحرائی وادی کے بیچ سے مدھم بہتا ہے اور دسمبر سے فروری تک بالکل جم جاتا ہے۔ نیوما سے جنوب کی طرف سڑک ۲۲ کلومیٹر دور لوماپل سے اسطرف مشرق و شمالی دربگ بلاک کو جاتی ہے اسی سڑک پر چشول، پنگوک جھیل اور بلاک ھیڈ کواٹرٹنکسے آتا ہے لوماپل کے پار ایک سڑک انلے وادی اور دوسری سڑک کویول آگے دچوک جاتی ہے اسی سڑک کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ پھر وادی نیوما سے گذرتا ہے نیوما سے لیہہ جانے والی سڑک کے ۲۲ کلومیٹر دور ماہی پل کے پار درے سے گذرنے والی سڑک آگے ایک طرف پوگا وادی صمد روچن اور یہ سڑک منالی جانے والی شاہراہ کے ساتھ سرچو میں ملتی ہے جبکہ دوسری طرف کی سڑک چھموریری جھیل اور کرزوک جاتی ہے۔

نیوما اسلئے کافی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ سب ڈویژن چنگ تھنگ کا مرکز ہے جو کہ دو بلاکوں نیوما اور دربگ پر مشتمل ہے نیوما اس سب ڈویژن کی ایک خوبصورت وادی ہے اور جغرافیائی خدوخال میں منفرد ہے نیوما اب ترقی کیطرف کافی رواں دواں ہے سطح سمندر سے ۱۴۰۰۰ افٹ زائد بلندی پر واقع یہ جگہ دنیا میں اونچائی کے قصبہ کے روپ میں ابھرنی لگی ہے لیہہ سے نہ صرف نیوما تک کی سڑک تارمیکڈم ہے بلکہ آگے بھی یہ سڑک

لوما سے چشول جانے والی سڑک پرژھا گہ تک اسی طرز سے تعمیر کی گئی ہے۔

جونہی کچالا پل سے وادی نیوما میں داخل ہوتے ہیں تو کھڑی چوٹی سلسلوں سے گھری یہ جگہ دلکش لگتی ہے ۲۵ مربع کلومیٹر پر پھیلی یہ وادی آکاش اور دھرتی کے ملن کا منظر پیش کرتی ہے نیلے آسمان کے ساتھ مختلف طرز اور رنگ کے اونچے کوہسار جیسے چھور ہے ہیں چار سو خاموشی کو تیز و تند ہوائیں توڑ دیتی ہیں ریت و غبار مرغوے گھومتے چوٹیوں کے اوپر تک رقص کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صاحب کتاب کی لداخ پر دو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ایک آینیہ لداخ دوسری لداخ کے قوس قزاح۔سب ڈویژن چنگ تھنگ سرکاری ڈیوٹی تین سال قیام وادی نیو مارہا ۔۳۰ آڑسکل سرینگر اخبارات میں شائع کرائے۔بہہ ریڈیو سیٹشن پر کئی پروگرام دے ۔لداخ ٹھہراؤ کے دوران مصنف تصویر الداخ حصہ (اول) تصویر لداخ حصہ (دوم) رحمت سنز اور Coldest Desert Land کے علاوہ موم کا پتھر (منظوام) کے علاوہ روٹھا پریم ناول تحریر کیا

اشفاق گابرپوری پلوامہ ۱۰ مارچ ۲۰۱۸ء

سرینگر شہر کی قابل دید جگہیں

وادی کشمیر تو ۱۹۴۷ء سے ہندوستان سے منسلک ہے سرینگر اس کا مرکز ہے جو کہ ریاست جموں و کشمیر (تینوں خطوں جموں کشمیر لداخ) کی گرمائی راجدھانی ہے یعنی اپریل مئی سے اکتوبر تک۔ اس لئے یہ ریاستی، ملکی اور بین الاقوامی سرینگر سرگرمیوں اور گہما گہی کے ماحول میں رہتا ہے۔ یہاں ہزاروں سال پُرانے مندر، آثار، قدیمہ، سینکڑوں برس پُرانی مساجد خانقاہیں، اولیاء بزرگان دین کے آستان، زیارت گاہیں، باغات، پارکیں، آب گاہیں، پُر فضا مقامات، تاریخی عمارات، دیگر مقامات سیاحوں کو دل لُبھا بے والی ہیں۔ اکثر پر فضا مقامات مشرق طرف زبرون پہاڑی سلسلے کے دامن میں جھیل ڈل کے کنارے واقع ہے یہ پہلے درجہ کا قابل دید حصّہ ہے جہاں ملکی غیر ملکی سیاحوں کا رش رہتا ہے اسی کے حصّے مغل باغات اور دیگر قابل دید جگہیں ہیں۔ لال چوک کے مرکز میں مشرق جانب پارکوں کے گردونواح سڑکوں کے کناروں پر بھاری بھرکم شاہی درخت چنار کھڑے ہیں جو سرینگر شہر کی خوبصورتی اور دل کشی میں اضافہ کرتے ہیں شہر کے شمالی حصّے نچلے پُرانے گنجان آبادی DOWN TOWN میں تاریخی مساجد خانقاہیں اور آستان عقیدت واقرام جگہیں ہیں۔ لال چوک کے گردونواح کچھ سرکاری عمارات بازارا شمول نمائشں گاہ بازار کچھ پُل اور دیگر مقامات نظر آتے ہیں شہر سرینگر کا ہر حصّہ پُر

کشش ہے یہ پورا شہر دریائے جہلم کے کنارے آباد گنجان تاریخی اور تجارتی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے اس شہر کی قابل دید جگہیں اور مقامات مختلف سڑکوں کے گردونواح نظر آتی ہیں سہل اور آسان طور سمجھنے کے لئے مختلف اطراف میں جانے والی سڑکوں کے مطابق ان جگہوں کا تذکرہ ادھر کیا جاتا ہے تاکہ بغیر کسی خلل کے ان جگہوں کی سیر کی جاسکے۔شہر میں سے گھومتے ہوئے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یہ پارکوں اور کشتیوں اور ہاوس بوٹوں کا شہر ہے جو اسکی خوبصورتی میں اور اضافہ کرتے ہیں۔لال چوک تو شہر کا مرکز ہے

لال چوك سے حضرت بل تیل بل (شمالی جانب) ۱۲ کلو میٹر

۱۔گردوکدل دگھوڑا دوڑ پل)اس سے پہلے گرجا گھر نیڈوز ہوٹل براڈے ہوٹل آتا ہے

۲۔گاف کھیل میدان

۳۔آبی پارک

۴۔مندر

۶۔ملہ کھاہ قبرستان)

۷۔گوردوارہ چھٹی پادشاہی

۸۔جیل خانہ سنٹرل

۹۔کلائی کے اندتاریخی مساجد

۱۰۔زیارت آستان عالیہ حضرت سلطان العارمین شیخ حمزہ مخدومی کشمیری رحمتہ اللہ علیہ
۱۱۔ہاری پربت دپہاڑ کے اوپر قلعہ شہنشاہ اکبر کے دور کا)
۱۲۔دیوی آنگن کا مندر
۱۳۔بادام واری باغ
۱۴۔نگین جھیل
۱۵۔نیشل انسٹیچوٹ آف ٹیکنالوجی حضرت بل
۱۶۔آثار شریف حضرت بل (زیارت موئے مقدس میلادالنبی اور معراج عالم پر ہوتا ہے)
۱۷۔کشمیر یونیورسٹی کا احاطہ
۱۸۔چنار باغ نسیم باغ
۱۹۔مقبرہ شیر کشمیر شمالی کنارہ تیل بل تک کا حصّہ
۲۰۔تیلی بل (جھیل ڈل کا شمالی کنارہ)

لال چوک سے ہارون داراتک (مشرق جانب) ۱۷کلومیٹر سڑک (جھیل ڈل کے کنارے کنارے)

۱۔ڈل گیٹ
۲۔نہرو پارک

۳۔ جھیل ڈل کنارے برلب سڑک پارک

۴۔ شنکرا چاریہ پہاڑ پر واقع مندر تخت سلیمانی مسجد (ٹی وی ٹرانسمین ریڈیو مرکز)

۵۔ گپکار مندر

۶۔ طالع منزل (ہری سنگھ کا تاریخی مکان)

۷۔ راج بھاون (گورنر کے دفتر اور رہائش)

۸۔ گرنیڈ پلیس ہوٹل (اوبرائے پلسیں ہوٹل)

۹۔ پری محل (مغل بادشاہ کے دور کا محل اور باغ)

۱۰۔ چشمہ شاہی (چشموں جھرنے اور خوبصورت پارک مغل دور کی یادگار

۱۱۔ دودھ فارم تاریخی

۱۲۔ ٹولپ گارڈون

۱۳۔ باٹینکل گارڈون

۱۴۔ شیر کشمیر انٹرنیشل کنونکیشن سنٹر (ہوٹل سنطور)

۱۵۔ ہوٹل تاج دویتا کرالہ سنگری تر دیک برین

۱۶۔ جھیل ڈل کے درمیان مین چار چناری (جزیرہ)

۱۷۔ رُوپہ لنک (جزیرہ)

۱۸۔ سُونہ لنک (جزیرہ)

۱۸۔آستان عالیہ برلب جھیل ڈل

۱۹۔باغ نشاط (مغل دور کی یادگار)

۲۰۔شیر کشمیر زرعی یونیورسٹی)

۲۱۔باغ شالیمار (مغل دور کی یادگار)

۲۲۔آثار قدیمہ تردیک ہارون

۲۳۔ہارون باغ کے ساتھ آبی ڈخیر (پُرانے وقت سے سرینگر کو نلوں کے ذریعے پینے کا پانی نہر تا نشاط

۲۴۔داچھی گام جنگلی جانور پارک

۳۵۔داراسعید پورہ۔فقیر گجری۔نیوتھید کا حصہّ

سرینگر کا اول پُر کشش خوبصورت علاوہ مانا جاتا ہے)

لال چوک سے پانتھ چک (جنوب جانب) ۸کلومیٹر سے ۹کلومیٹر سٹرک

۱۔پرتاپ پارک

۲،دی بنڈ دریائے جہلم کنارے آبی گذر سے عبداللہ پُل تک)

۳۔شیر کشمیر چنار پارک

۴۔ابمپوریم گارڈن

۵۔ پولو گراونڈ (گارڈنز پارک فلوری کلچر)

۶۔ کھیل پارک

۷۔ ٹورسٹ ریشپن سنٹر ۸، کارپوریٹ ہیڈکواٹر جموں کشمیر بنک

۸۔ ریڈیو سٹیشن

۹۔ دوردرشن (ٹی وی) سنٹر

۱۰۔ انٹرنشینل سٹیڈیم کرکٹ چنار پارک (اسکے جنوب گرجا گھر اور وزداء کے مگانات

۱۱۔ زیارت حضرت یقوب صاحبؒ

۱۲۔ اقوام متحدہ کا فوجی مبصر کا دفتر

۱۳۔ گیکار سٹرک پر واقع اہم شخسیات منسڑوں کی رہائیش گاہیں

۱۴۔ رام منشی باغ زیرو برج فلڈ چینل

۱۵۔ بادام باغ فوجی چھاونی

۱۶۔ پاندریٹھن مندر ہزاروں برس یادگار

۱۷۔ مزار شعر (حبہ خانون اور شاعر کشمیر پیرزادہ غلام احمد مہجور)

۱۸۔ بائی پاس سٹرک جنکشن (پانتھ چھک سنگم)

لال چوك سے صوره شمالی جانب ۱۲ کلومیٹر سٹرک

۱۔ برارہ نمبل

۲۔ زیارت ااستان حضرت پیردستگیر صاحب خانیار

۳۔ زیارت خواجہ نقشبد مشکل کشا۔ مزار شہداء ۱۹۳۷ء لکڑی کا خانقاہ

۴۔ جامع مسجد شریف

۵۔ امام باڑہ حسن آباد

۶۔ امام باڑہ زڈی بل

۷۔ نوشہر (میکوڑیاں) نالہ امبر باغ۔ بڈشاہ کا زینہ ڈب شہر

۸۔ میڈیکل انچیوٹ سرینگر

۹۔ آستان عالیہ صورہ

۱۰۔ جھیل آنچار

۱۱۔ ثمرہ پورہ پارک

۱۲۔ مقبرہ شاعر احمد بٹواری

۱۳۔ احمد نگر کراسنگ چوک

لال چوک سے اندرون شہر تا عید گاہ (شمالی جانب) ۸
کلو میٹر لمبائی سڑک

۱۔حبہ کدل کا علاقہ معہ گنپت یار مندر

۲۔فتح کدل

۳۔باغ دلاور خان

۴۔خانقاہ معلیٰ

۵۔آثار شریف کلاشپورہ شہری

۶۔زینہ کدل کا بازار تاریخی

۷۔مہاراج گنج کا تاریخی بازار

۸۔ بڈشاہ کا بنایا ماں کیلئے مقبرہ (ڈمٹھ) اور بڈشاہ کا مزار

۹۔پتھر مسجد

۱۰۔رہ باب صاحب

۱۱۔مسجد ریخچن شاہ اور مقبرہ سید سالار الدین

۱۲۔مُلا غنی کشمیری فارسی شاعر کا مکان

۱۳۔عالی مسجد

۱۴۔عیدگاہ

۱۶۔تاریخی مسجد حضرت بُلبل شاہ اور حضرت بُلبل شاہ کا مزار

ریائے جہلم کے پار امیر اکدل پُل سے جنوب جانب سڑک
۲ کلومیٹر لمبائی

۔ہنومان مندر

۲۔زیاست پیر دستگیر صاحب سرائے پائین

۳۔لل دید سپتال

۴۔زرعی کیمپکس لال منڈی

۵۔کلچرل اکیڈمی کا صدر دفتر

۶۔سری پرتاب میوزیم ہاوس (عجائب گھر

۷۔سلک فیکٹری راجباغ

۸۔زرعی فارم راجباغ

۹۔پھول پارک جواہر نگر

بڈشاہ پُل پار تا ایچ ایم ٹی فیکٹری (مغرب جانب) ۹کلومیٹر
سڑک

۱۔شیر گڈھی سفید عمارت پُرانی اسمبلی (برلب دریائے جہلم)

۲۔ژونٹھ کُل پر اولڈ سیکرٹریٹ عمارت کیمپلیکس

۳۔ صدر ہسپتال اور میڈیکل کالج
۴۔ ہائی کورٹ کیمپلیکس
۵۔ اسمبلی بلڈنگ
۶۔ نیو سیکرٹریٹ (سات منزلہ عمارت ۱۹۶۰ء تعمیر شدہ)
۷۔ نمایش گاہ کا شمالی گیٹ
۸۔ کشمیر کا بڑا بس و سومو و مٹیاڈار اڈہ بٹہ مالو معہ بازار
۹۔ آستان عالیہ حضرت بابا داؤد بٹہ مالو
۱۰۔ حج ہاوس بمنہ
۱۱۔ جہلم ویلی ہسپتال و میڈیکل کالج
۱۲۔ میوہ سبزی منڈی پارم لورہ
۱۳۔ شالہ ٹینگ کا موڑ (چار سڑکوں کا سنگم)
۱۴۔ ایچ ایم ٹی فیکٹری زینہ کوٹ

بڈشاہ پُل پار تا ہوائی اڈہ ۹ کلومیٹر سڑک

۱۔ جہانگیر چوک فلے اور (پانچ سڑکوں کا سنگم)
۲۔ نمائیش گاہ بازار گیٹ جانب مشرقی

دریائے جہلم کے پار امیر اکدل پُل سے جنوب جانب سڑک
۳ کلومیٹر لمبائی

۱۔ ہنومان مندر
۲۔ زیاست پیر دستگیر صاحب سرائے پائین
۳۔ لل دید ہسپتال
۴۔ زرعی کیمپکس لال منڈی
۵۔ کلچرل اکیڈمی کا صدر دفتر
۶۔ سری پرتاب میوزیم ہاوس (عجائب گھر)
۷۔ سلک فیکٹری راجباغ
۸۔ زرعی فارم راجباغ
۹۔ پھول پارک جواہر نگر

بڈشاہ پُل پارتا ایچ ایم ٹی فیکٹری (مغرب جانب) ۹ کلومیٹر
سڑک
۱۔ شیر گڈھی سفید عمارت پرانی اسمبلی (برلب دریائے جہلم)
۲۔ ژونٹھ کُل پر اولڈ سیکرٹریٹ عمارت کیمپلیکس

۳۔صدر ہسپتال اور میڈیکل کالج

۴۔ہائی کورٹ کیمپلیکس

۵۔اسمبلی بلڈنگ

۶۔نیو سیکرٹریٹ (سات منزلہ عمارت ۱۹۶۰ء تعمیر شدہ)

۷۔نمایش گاہ کا شمالی گیٹ

۸۔کشمیر کا بڑا بس وسوموٹیا ڈار اڈہ بٹہ مالو معہ بازار

۹۔آستان عالیہ حضرت بابا داوٗد بٹہ مالو

۱۰۔حج ہاوس بمنہ

۱۱۔جہلم ویلی ہسپتال و میڈیکل کالج

۱۲۔میوہ سبزی منڈی پارم لورہ

۱۳۔شالہ ٹینگ کا موڑ (چا سٹرکوں کا سنگم)

۱۴۔ایچ ایم ٹی فیکٹری زینہ کوٹ

بڈشاہ پُل پارتا ہوائی اڈہ ۹ کلومیٹر سٹرک

۱۔جہانگیر چوک فلے اور (پانچ سڑکوں کا سنگم)

۲۔نمائش گاہ بازار گیٹ جانب مشرقی

۳۔ہری سنگھ ہائی سٹریٹ مارکیٹ

۴۔اقبال پارک

۵۔بخشی سٹیڈیم

۶۔انڈور کھیلوں کا مرکز سٹیڈیم

۷۔پرانا رشیم کارخانہ

۸۔رام باغ فلڈ چینل نہر (پانچ سڑکوں کا سنگم)

۹۔رام باغ کے مندر ڈوگرہ دور کی یادگار

۱۰۔محکمہ موسمیات کا مرکز

۱۱۔ہڈیوں جوڑوں کا ہسپتال

۱۲۔گوردوارہ باغات

۱۳۔حیدر پورہ کراسنگ

۱۴۔پولیس ہیڈ کواٹر

۱۵۔ٹورسٹ سنٹر صفت نگر

۱۶۔کارخانہ جات صفت نگر

۱۷۔آسیان عالیہ حضرت سعید جبفر راد پورہ آستان پورہ

۱۸۔بائی پاس ریوے اڈہ پہرونوگام

۱۹۔رنگریٹ کی فیکٹریاں

۲۰۔فوجی ہوائی اڈہ پرانا ہوائی اڈہ

۲۱۔انسٹرنشینل ایرپورٹ

بٹہ مالو سے پاتھنہ چوک سڑک ۹کلو،میٹر

۱۔بٹہ مالو

۲۔بنہ پورہ

۳۔مہجور پُل

۴۔حیدرپورہ

۵۔صنعت نگر ریسونگ سٹیشن

۶۔چھانہ پورہ پُل

۷۔گلشن نگر چوک

۸۔پیہرو

۹۔ریلوے چوک

۱۰۔سلور ہوٹل

۱۱۔فوروے سڑک

۱۲۔لسجن بائی پاس

۱۳۔بائی پاس اتھواجن

۱۴۔پاتھنہ چوک پاس

ڈالگیٹ سے بٹہ مالو شالہ ٹینگ　۹کلومیٹر

۱۔ڈلگیٹ

۲۔گردوکدل

۳۔پولوگراونڈ

۴۔ایس پی کالج

۵۔دومنزکالج

۶۔پرتاب پارک

۷۔گورنمنٹ پریس

۹۔بڈشاہ چوک

۱۰۔لال چوک

۱۱۔بڈشاہ پُل

۱۲۔جہانگیر چوک

۱۳۔نمایش گاہ

۱۴۔ہائی کورٹ کیملکیس

۱۵۔اسمبلی کیمیکیسی

۱۶۔سیکرٹریٹ

۱۷۔اے.جی آفس

۱۸۔پولیس ھیڈکواٹر

۱۹۔بٹہ مالوچوک

۲۰۔ٹٹوگراونڈ

۲۱۔بمنہ کراسنگ

۲۲۔قمرواری چوک

۲۳۔شالٹینگ چوک

ممکن ہے کہ میری یادداشت کم علمی سے شہر سرینگر کا کوئی مقام اہم تاریخی جگہ لکھنے سے رہ گئی ہو اس کی نشاندہی کر کے تحریری طور آگاہ کیا جائے یہ آرٹیکل نوے فیصد یادداشت اسے لیا ہے راقم نے بچپن لڑکیں ۶ سال تعلیم تربیت اور دوران ملازمت ۴ سال بطور رہائیش گذار گھوما پھیر کیا ہے عتریز دوست مختار نحوی سابق انڈ دسیکرٹری محکمہ مال کی یادادشت بھی شامل حال رہی۔

۱۷جنوری ۲۰۱۸ باغات کنی پورہ چاڈورہ ضلع بڈگام

ضلع بڈگام کی اہمیت اورافادیت

ضلع بڈگام کی وادی کشمیر میں انفرادی حشیت رہی ہے مذہبی سماجی ادبی، تعلیمی اوراقتصادی طوراسکا جغرافیائی خدوخال باقی اضلاع سے ہٹ کر ہے وہیں پیداواری طوربھی منفرد ہے ۔ بلند قامت برف پوش کوہساروں اور خوبصورت مقامات نے اس ضلع کو زینت بخشی ہے۔

ضلع بڈگام کا مشرق میں ضلع سرینگر جنوب میں ضلع پلوامہ مغرب میں ضلع پونچھ) جموں صوبہ) اور شمالی میں ضلع بارہمولہ واقع ہے۔ ضلع کا صدر مقام شہر سرینگر سے ۱۵ کلو میٹر دُور جنوب طرف واقع ہے جغرافیائی رقبہ ۱۳۷۱ مربع کلو میٹر جس میں جنگلات رقبہ ۷۵۰ کلو میٹر ہے ۲۰۰۸ء کے مطابق پیداواری رقبہ ۵۳۴۰۰ ہیکٹر ہے ۳۱۷۰۰ رقبہ کو آبپاشی سہولیات دستیاب ہیں دیہات کی تعداد ۴۹۶ ہے پٹواری حلقے ۱۱۴ ہیں جبکہ پنچائیٹ حلقون کی تعداد ۱۰۸ ہے تحصیلوں کے نام بڈگام، چاڈورہ چرارشریف، خالضاحب، کھاگ بیردہ ماگم انارہ بل، باغات کنی پورہ جبکہ ترقیاتی بلاک بڈگام، چاڈورہ خان صاحب بیردہ نارہ بل، کھاگ، سویہ بگ، ماگم، باغات کنی پورہ اور چرارشریف ہے ۲۰۰۸ء کے مطابق ضلع میں سڑکوں کی لمبائی ۸۶۷ کلومیٹر ہے اسمبی حلقہ جاتخالضاحب ، چرارشریف، بڈگام بیردہ اور چاڈورہ ہیں۔ ۴۹۶ دیہات بجلی روشنی سے منور ہوئے ہیں ۱۹۹۱ء میں ضلع کی آبادی ۴ لاکھ ۹۷ ہزار نفوس پر مشتمل تھی

مذہبی تاریخی مقامات کے طور چرار شریف کو پہلا درجہ ہے جو کہ بین الاقوامی طور مقبول ہے حضرت شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ پر آستان عالیہ وادی کشمیر کے اطراف واکناف سے آئے عقیدت مندوں کا سال بھر آنا جانا رہتا ہے ہر جمعرات کو شام سے رات بھر شب خوانی رہتی ہے کشمیر کے پہلے مادرزاد اولیاء اور اسلامی فلسفی شاعری کشمیری میں زبان زدعام ہے اسکے کلام اور حیات پرے شمار کتابوں کی اشاعت سالہا سال سے جاری ہے کشمیر کے عظیم بادشاہ زین العابدین بڈشاہ کا آنا جانا رہتا ۷۰۰ برس سے بلند مقام کیطرف راستہ رہا۔

وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے ۱۹۵۸ء آستان عالیہ کے صحن کو وسعت دے کر تعمیر کرائی۔ یہاں کا تاریخی خانقاہ لکڑی سے تعمیر شدہ بہترین طرز تعمیر نمونہ تھی۔ مئی ۱۹۹۵ء پُر آشوب حالات میں خاکستر ہوا اسی طرح سنبر ٹین پوش آستان عالیہ بھی۔ ۶۰۰ ویں صدسالہ جنم تقریب شیخ العام رحمتہ اللہ علیہ پر بطور وزیر اعلیٰ اور اکیڈمی آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز صدر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ادھر یادگاری کتب نصب کر دیا تھا۔ علمدار کشمیر سے پکارنے والے شاعر کے کلام کو مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتا آیا ہے ہندو، سکھ، عیسائی حطاکہ بودھ دھرم لداخی بھی متاثر ہیں۔

دوسری بڑی زیارت گاہ پکھرپورہ میں سید عالی بلخیؒ ہے گرم زیارت کے طور تسلیم ہے شاعر کشمیر مہجور غلام احمد نے ان پر نظم تحریر کی ہے جو آستان عالیہ اندر آویزان ہے

بڈگام میں واقع تاریخی عبادت گاہ امام باڑہ ہے۔شعیہ فرقہ کی اہم عبادت گاہ کے طور شمار ہے۔ ۱۸۵۷ تعمیر امام باڑہ کی تجدید ۱۹۲۴ء میں ہوئی بھر ۱۹۵۵ء بھی ہوئی یہ پورے کشمیر میں شعیہ مسلمانوں کا اولین مرکز تسلیم شدہ ہے اس کے متصل مسجد شریف ہے۔خضرت صالح خان ایک عابد پرگار گوشہ نشین رہا ہے وہ وقت کے بہترین خطاط تھے ان کا تحریر شدہ قلمی قرآن مجید داتل کدل سرینگر میں ہے ان کا آستان عالیہ خان صاحب میں ہے ماہ ذی العقد میں ہفتہ بھر عرس رہتا ہے۔

کھاگ بیروہ سے تین کلومیٹر دُور پلہ پورہ میں خضرت گنگ بابا ریشی کا آستان ہے روایت ہے کشمیر کے اطراف واکناف میں ۳۶۰ مساجد تعمیر کرائیں ۔علاوہ حیات میں ہی ہزاروں پیڑ نصب کرادے۔ بڈگام کے آس پاس ۴۰ فٹ گولائی سفیدہ درخت دیکھا گیا ہے۔تعمیر قدیم کے طور خام پورہ سرائے مغل دُود کی یادگار ہے

علم وادب شعر وشاعری کے طور ضلع بڈگام ماضی سے ہی مقبول ہے قدآوار شخصیت رانگر کے عبدالاحد ڈار جو آزاداحد سے مقبول ہوئے کی انقلابی شاعری منفرد رہی سب سے تاریخی کام کشمیری زبان اور شاعری ضخیم کتاب تیار کرتے کیلئے کشمیر کے کمراز، یمراز اور مراز کے پرگنہ جات شعراء کی تفصیلات کے لئے کھٹن سفر کاٹے ادھورا مشن ہوکر ۱۹۴۸ ارحلت کر گئے ریاستی کلچرل اکیڈمی نے کئی سال بعد اس کو منظر عام پر لایا۔مقبول صوفی شاعر شمس فقیر کا کلام آول نمبر تسلیم شدہ ہے ضمد میر،غلام نبی دل سوز،

موتی لال ساقی نام لینے لائق ہیں وہیں فارق بڈگامی اور دوسرے بھی موجو شعراء ادباء میں مقبول نادل نگار غلام نبی گوہر (سابق جج) جسٹس کرمانی، شاہد بڈگامی، بشیر بڈگامی۔ ابولغیم وغیر شامل ہیں۔ جو علم وادب شاعری خدمت لگے ہیں۔ شاعر کشمیر پیرزادہ غلام احمد مہجور کا ضلع بڈگام بہ سلسلہ ملازمت قیام رہا۔ آرگام ان کی سکونت رہی۔ ایک محقق مضمون نگار نے کشمیری مضمون مہجور ینن بُونین تلی۔ (مجہور کی چناروں کے چھاؤ تلے) عنواں سے چھپ چکا ہے۔

تاریخ عالم فارسی ضخیم مجلد قلمی نسخہ سویہ بگ خاندان حقانی کے سجادہ نشینوں کے پاس محضوظ ہے یہ پیر غریز اللہ حقانی کا شاہکار ہے جن کی روضۃ الشھد ا اور کئی لغت مقبول عام ہیں۔ خاندان کے ساتھ سنیکڑوں برس سے مسلمانوں کی عقیدت ہے کہ کشمیر کے اولیاء خضرت شاہ قاسم صاحب حقانی کا شمار کرامت والے اولیا سے ہے علاج ومعالیجہ کے طور پار نیو کے حیلم کشمیر میں ماضی سے رہے ہیں۔

جہاں تک پر مقامات کا تعلق ہے ان میں یُوسمرگ توسہ میدان، دودھ پتھری، نیلہ ناگ (چشمہ) سکھ ناگ دوُدھ گنگا نالہ، فیروز پورہ نالہ، پھرتن چراگاہ۔ بلند قامت ۲۹۶۹۶ فٹ سطح سمندر سے بلند نگا پربت کوہسار کا نظارہ دوربین سے ہوسکتا ہے۔ اسکے علاوہ بلند مقامات تاریخی جگہیں ضلع بڈگام میں نظر آتی ہیں۔ مختلف ناموں سے پکارے جانے والے بڑے چشموں کی تعداد ہ ۵ ہے

بڈگام میں کئی سیر گاہیں صحت افزا مقامات ہیں جن میں سرسبز وادی دودہ پتھری اور اُونچائی پر توسیدان شامل ہے یوسمرگ کے دلفریب نظارہ کا خطہ اُٹھانے کیلئے اپریل سے ستمبر تک سیاح آتے ہیں۔نالہ دودہ گنگا ضلع کا بڑا نالہ ہے۔

ضلع بڈگام کی زرعی زمین کافی زرخیر ہے کشمیر کے باقی اضلاع میں سبزیوں کی پیدار میں پہلے نمبر پر ہے۔وہیں ادھر سینکڑوں اینٹ کے بھیٹے جو غیر آباد نجر اراضی پر لگے ہیں سارے کشمیر کو اینسٹ فراہم کرنے میں اولین درجہ پر ہیں۔

حمیداللہ نے اول مارچ ۲۰۱۰ کو سڑکٹ انفارمشین آفیسر بڈگام جوائن کیا۔ آفتاب میں شائع ضلع بڈگام میں سبزوں کی کاشت پہلا مضمون لکھا۔انتظامی طور کام خوب نبھایا مگر ڈائرکلیٹوریٹ انفارمیشن پی آر میں تبادلہ کی وجہ سے کھل کر کام کا موقعہ نہ آیا ملازمین نے کافی تنگ دو کی کہ سیکرٹریٹ سے ورپس آرڈر نکل آئے۔ڈائریکٹوریٹ ۶ ماہ بعد پلوامہ شوپیان اسلام آباد کولگام اضلاع کے کنٹرولنگ آفیسر رہ کر نوکری سے سبکدوش ہوئے۔(ملازمین محکمہ انفارمیشن پی آر ضلع بڈگام)

مصنّف کا مختصر تعارف

نام: حمید اللہ حمیدؔ ذات قوم: شاہ

مذہب: اسلام جگہ پیدائش: تملہ ہال پلوامہ کشمیر

تعلیم اور تربیت:۔ پرائیمری ایکٹو بیسک سکول تملہ ہال پلوامہ

ڈل ہندو ہائی سکول سرینگر

میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول بٹہ مالو سرینگر

پی یوسی گورنمنٹ ڈگری کالج امر سنگھ سرینگر

دبیر فاضل دبیر قابل اردو بورڑ علی گڈھ یونیورسٹی

ماس کیمونکشین کورس ایڈمنشٹریٹو مینیجمنٹ پلبک ایڈمنسٹرلشین

۲۔علمی ادبی سماجی مقام:۔ آرگنائزر اور نایب صدر

ڈسٹرکٹ کلچرل سوسائیٹی پلوامہ (۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۸ء)

صدر محفل بہار ادب شاہورہ ۱۹۹۵ء سے

بنیادی ممبر انٹرنیشنل ایسوسی ایشن لداخ سٹیڈیز ۲۰۰۳ء سے

۳۔مصنف ۱۔ پاٹی وردن (کلام غلام نبی ظہورؔ) ۱۹۹۷۔۱۹۹۶ء

۲۔ رحمت عید دسمبر ۲۰۰۱ء

۳۔ آئینہ لداخ مارچ ۲۰۰۶ء

۴۔ لداخ کے قوس قزاح ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء

۴۔زیر اشاعت ۱۔ گلشن کشمیر

۲۔ رحمت سفر

شائع مضاین نگارشات لڑکپن سے ۲۰۰ سے جس میں لداخ قیام

دوران ۳۰ آرٹیکل شامل ہیں

ریڈیو پروگراموں میں صرف ۳۰ بار شرکت رہی

۴۔گورنمنٹ نوکری پوزیشن:

سروس سیکشن بوڑو سے select ہوکر انت ناگ چند سال ڈیوٹی رہی۔ جون ۱۹۸۲ء انفارمشین اسسٹنٹ پلوامہ یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء ترقی ہوکر تھیل انفارمشن آفیسر کوکگام۔ یکم مئی ۱۹۹۱ء پلوامہ تبدیلی کچھ ماہ عارضی طور ڈسٹرکٹ انفارمشن آفیسر۔ اگست ۱۹۹۵ء تصیل سنبل سوناواری ضلع بارہمولہ تبدیلی۔ جولائی ۱۹۹۶ء تبدیلی ہو کر سرینگر پبلک ریلیشز میں جوائن کیا۔ مارچ ۲۰۰۰ء ضلع پلوامہ تبدیلی۔ دوسال بعد ۲۰۰۲ء لداخ کے دُور اُفتادہ چنگ تھنگ کے ھیڈ کوارٹر ینوما تبدیلی۔ جنوری ۲۰۰۵ء ضلع بارہمولہ کے پٹن تحصیل تبادلہ۔ ۲۰۰۷ء انچارج ضلع آفیسر شوپیان۔ مارچ ۲۰۱۰ ضلع انفارمشین آفیسر بڈگام۔ چار ماہ بعد ڈائریکٹوریٹ پی آر تبادلہ۔ نومبر ۲۰۱۰ء پلوامہ اور

ضلع شوپیان کے کنٹرولنگ آفیسر جون ۲۰۱۱ء سے مئی ۲۰۱۲ء تک اننت ناگ اور کولگام اضلاح کا اضافی چارج سمبھالنا پڑا

سبکدوش ملازمت:۔ ضلع انفارمشن اینڈ پی آر جموں و کشمیر

خاندانی پس منظر

دادا کا نام	:	مقبول شاہ نوری (فارسی عربی عالم) وفات ۱۹۳۱ء عمر ۵۰ سال
دادی کا نام	:	بیگہ بانو (وفات ۱۹۳۸ء)
والد کا نام	:	شاعر وطن غلام نبی ظہورؔ (شاعر۔ خوشنویس اخبارت) وفات اول مارچ ۱۹۸۲ء عمر ۵۶ سال
چاچا نام	:	محمد طیب شاہ (درویش پیر فقیر لاولد) وفات: ۷ جنوری ۲۰۱۷ء (عمر ۸۷ سال)
موسی کا نام	:	حلیمہ بانو (وفات ۲۳ سال ستمبر ۱۹۵۷ء
برادر نام	:	محمد یوسف منصور (وفات ۱۵ دسمبر ۱۹۶۹ء۔ ۱۸ سال)
دختر نام	:	نسرینہ حمید (وفات ۱۱ مارچ ۱۹۹۶ء ۱۶ سال)
دختر نسبتی نام	:	نسرینہ ابراہم (وفات ۵ مارچ ۲۰۱۲ء ۲۷ سال)

گھر یلو افراد

۱۔اہلیہ میمونہ بیگم (دختر موسیٰ مرحومہ حلیمہ)

۲۔فرزند شوکت حمید :گریجویٹ۔ڈپلوما جرنلزم ماس کیمونیکشن۔کمپوٹر ڈپلوما صحافی ۔سینیر ایڈیٹر کشمیر عظمیٰ

۳۔فرزند بلال حمید :بارہویں جماعت۔ایڈوائر ٹائرنگ مہارت۔کاروبار

۴۔دختر نسبتی آصفہ جان : میٹریک۔گھریلو کام

۵۔فرزند طارق حمید :عربی اسلامک ڈگری ندوۃ کالج لکھنو۔ایم۔اے۔عربی اردو۔بی ایڈ۔سینیر ٹیچر عربک اسلامی مدرسہ سرینگر

۶۔دختر نسبتی رضیہ رشید :ایم۔اے۔سوشالوجی۔عربی گھریلو کام

۷۔پوتی فاطمہ شوکت :زیر تعلیم تیسری جماعت

۸۔پوتی عایشہ شوکت زیر تعلیم :یو۔کے۔جی

۹۔دختر حمیرہ حمید :گریجویٹ۔شادی شدہ

الحمدللہ رب العّالمین

آخری بات

گلشن کشمیر کی پُروف ریڈنگ اور پھر اشفاق کو کمپوٹر کمپوزنگ دُرستی میں روزانہ شام تین گھنٹے لگے اسطرح کتاب آخری مرحلہ طے کر کے تیار ہوئی۔ یہ کتاب قارین تک جلدی پہنچانے کیلئے کوششیں جاری رہیں گی۔ گذارش ہے کمی بشیی کے متعلق آگاہ کریں۔ تنقیدی رائے کا خیر مقدم ہوگا۔

اس کتاب کا منظر عام پر لانے کا مقصد یہی ہے کہ وطن عزیز کے اُن شخصیات کے متعلق پہنچان کرائی جائے جن کی مختلف شعبوں میں بہتر کارکردگی رہی ہو۔ ایسے قابل دید مقامات کے بارے میں ایسی سیر کرائی جائے کہ واقعی قارئین نظارہ کے لطف اندوز ہو سکیں۔

مختلف مقامات گھوم کر اور شخصیات سے مل کر ہی یہ کتاب تیار ہوئی ہے آخیر پر اللہ کا شکر بجالاتا ہوں۔

۱۴ اپریل ۲۰۱۸ء حمید اللہ حمیدؔ

بیت ارظہورؔ

تملہ ہال پلوامہ کشمیر ۱۹۲۳ء

9419086920 / 9797833047

گلاب انٹر پرائزز پلوامہ

اس ایجنسی سے طالب علموں کو کوچنگ نوٹس دستیاب رہتے۔ اسکے علاوہ فوٹو سٹیٹ۔ کمپوٹر لیمنیشن sphiral بائیڈنگ اور شناختی کارڈ بنائے جاتے ہیں۔ راجپورہ روڑ پر اپنی نوعیت کی واحد دکان ہے گلاب انٹر پرائزز نزدیک فائر سروس سٹیشن پلوامہ کشمیر فون نمبر 9419777153

پلوامہ میں ایڈوائرٹائزنگ کی خاص ایجنسی

۲۰۱۵ء سے چالو ایڈوائرٹائزنگ ایجنسی سے رابطہ قائم کر کے اشتہارات۔ پمفلٹ پوسٹر اور کسیٹ تیار بہ تیار دستیاب مل سکتے ہیں۔ ہفتہ پہلے آرڈر بک کر کے کام شروع ہوگا۔ اس کے علاوہ اردو اور کشمیری میں دیدہ ریب کتابیں چھاپنے کا بھی انتظام ہے۔ رابطہ کے لئے فون نمبر 9797833047

آرگنائزر شاندار پبلکیشنز زاینڈ پرڈکشنز پلوامہ سب آفس راجباغ سرینگر
اس میل پتہ huhamidshah@gmail.com

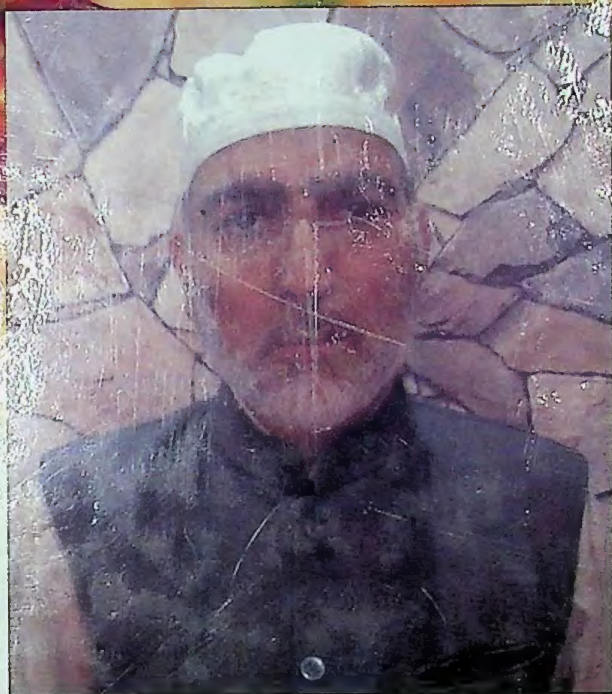
Sana Complex Pulwama Air.Tickets Hotel House Bote.
Toure packejs call for booking
01933-241599-9622500503 9596338377
Emai.atahir423@ gamil.com

محفل بہار ادب شاہورہ پلوامہ

ادبی انجمن کا قیام ۱۹۷۵ء ہوا تحصیل پلوامہ کی پہلی تنظیم کے طور ابھری بانی غلام نبی ظہور خطاط اور شاعر کی کوششوں سے ایک روزہ ادبی اک نفرنس مین ۱۲۱ صحاب کی مینجنگ باڑی تشکیل دی گی۔ پھر ۱۹۹۵ء میں سات نفری کمیٹی نبی اپریل ۲۰۰۵ء کے اجلاس مین میر غریز کو سر پرست حمید اللہ حمید کو صدر۔ عبد الاحد خوشر و کو نایب صدر۔ رشید صدیقی سیکرٹری۔ عبد الغنی حجام اکاوٗنٹ اور بلال حمید آرگنائزر بنے۔ فروری ۲۰۱۷ء میں نئ باڑی تشکیل دی گی۔ اسطرح سر پرست مسعود عباس بلہ پوری۔ صدر حمید آللہ حمید۔ سیکرٹری رسشید صدیقی۔ اکاوٗنٹ مجنون مجید ذاسو اور آرگنائزر بلال حمید جب کہ بنیادی ممبران غلام مصطفے املک۔ علی محمد مغموم۔ رشید رشید۔ شہزادہ گلزار۔ عبد الرشید بےنوا اور غلام احمد ٹھوکر ممبران بنے۔ آرگنائزر



Gulsahn-e-Kashmir



Hamid ullah Hamid

SHANDAR PUBLICATIONS AND PRODUCTIONS
Pulwama Kashmir

